بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اظہارِ حقیقت

بسلسلۂ

## (خلافت و ملوکیت)

### جلد دوم


مصنّفہ

مفکرِ اسلام مولانا مُفتی محمّد اسحاق صدیقی ندوی

صدر مفتی جامعہ مدینۃ العلوم اورنگ آباد کراچی ، سابق شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم ندوہ لکھنؤ

مصنف "اسلام کا سیاسی نظام" شائع کردہ دار المصنّفین اعظم گڑھ (بھارت)



ملنے کا پتہ

اسلامی کتب خانہ بالمقابل جامع مسجد بنوری ٹاؤن

کراچی ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اظہارِ حقیقت

بسلسلۂ

## (خلافت و ملوکیت)

## جلد دوم

مصنّفہ

مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمّد اسحاق صدّیقی ندوی

صدر مفتی جامعہ مدینۃ العلوم اورنگ آباد کراچی، سابق شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم ندوہ لکھنؤ

مصنّف "اسلام کا سیاسی نظام" شائع کردہ دار المصنّفین اعظم گڑھ (بھارت)

ملنے کا پتہ

اسلامی کتب خانہ بالمقابل جامع مسجد بنوری ٹاؤن

کراچی ۵

مصنف :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مولانا مفتی محمد اسحاق صدیقی ندوی

ناشر :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسلامی کتب خانہ

بار دوم :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک ہزار

کتابت :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صغیر احمد رامپوری

قیمت :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مطبوعہ

(ایجوکیشنل پریس کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ ناشر (طبع سوم)

جماعتِ اسلامی کے بانی مودودی صاحب کی مشہور متنازعہ اور ہنگامہ خیز کتاب "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں اللہ کے فضل و کرم سے ملتِ اسلامیہ کے ہر حلقے کی طرف سے جوابات لکھے گئے، ان میں سے جو کتابی شکل میں شائع ہوئے ان کی تعداد ایک سروے کے مطابق ۵۲ ہے۔ ان میں نمایاں ترین کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے محمود احمد عباسی کی کتاب حقیقتِ خلافت و ملوکیت۔

۲۔ جمعیۃ علماء کی طرف سے علماء ہند کے شاندار ماضی کے مؤلف مولانا محمد میاں کی کتاب شواہد تقدس شائع کردہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔

۳۔ تنظیم اہلسنت کی طرف سے مولانا نور الحسن بخاری کی کتاب عادلانہ دفاع (۲ جلد)۔

۴۔ تھانوی حلقۂ علماء کی طرف سے اعلاء السنن کے مؤلف مولانا ظفر احمد عثمانی کی کتاب برأۃ عثمانؓ اور مفتی محمد شفیع کے صاحبزادے مولانا تقی عثمانی کی کتاب حضرت معاویہؓ۔

۵۔ اہلحدیث علماء کی طرف سے مولانا صلاح الدین یوسف کی کتاب خلافت و ملوکیت کی شرعی حیثیت۔

۶۔ چھٹی کتاب تین جلدوں میں اظہارِ حقیقت ہے جو سب سے مفصل اور خلافت و ملوکیت کے ایک ایک اعتراض کا مکمل جواب ہے۔ اس کے مؤلف مولانا مفتی محمد اسحاق صدیقی ندوی سندیلوی، سابق شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم ندوہ لکھنؤ ہیں۔

امام اہلسنت حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صدیقی مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ بعض حضرات کو کچھ عرصہ سے ان کے معتقدین نے مفکرِ اسلام کہنا اور لکھنا شروع کیا ہے مگر حضرت امامِ اہلسنت کے نام کے ساتھ اس سے بہت پہلے، علماء مظاہر العلوم کے ترجمان، ماہنامہ نظام کانپور

میں یہ لقب لکھا جا تا رہا ہے۔

علاوہ ازیں دستورِ اسلامی کے پورے عالمِ اسلام میں جو چند ماہرین ہیں ان میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔

پاکستان بننے سے قبل یوپی مسلم لیگ نے پاکستان کے اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کی ذمہ داری جن پانچ علماء کے سپرد کی تھی اس کمیٹی کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی نے باقی حضرات کی مصروفیات یا بے توجہی کے پیشِ نظر جس جلیل القدر شخصیت کے سپرد یہ کام کیا وہ حضرت مولانا صدیقی کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ نے یہ مشکل ترین کام جس سے کمیٹی کے بڑے بڑے علماء کترا رہے تھے چند ماہ میں مکمل کر کے صدر کمیٹی علامہ سید سلیمان ندوی کے سپرد کر دیا تھا جسے بعد میں سید صاحب کے ادارے دار المصنفین اعظم گڑھ نے مولانا عبد الماجد دریا بادی کے دیباچہ کے ساتھ "اسلام کا سیاسی نظام" کے نام سے شائع کیا۔ اب یہ معرکۃ الآراء کتاب جامعہ بنوری ٹاؤن کی مجلسِ دعوت و تحقیق نے مؤلف کی نظرِ ثانی کے بعد پاکستان میں بھی شائع کر دی ہے۔ اور دار المصنفین والے ایڈیشن کا عکس بھی اُردو اکیڈمی کراچی نے شائع کر دیا ہے۔

اسلامی حقائق اور دستورِ اسلامی کے مباحث پر حضرت امامِ اہلسنت مدظلہ کا یہی وہ عبور ہے جس نے اظہارِ حقیقت (۳ جلد) کو ایک لافانی کتاب بنا دیا ہے جو ان شاء اللہ قاضی ابوبکر ابن العربی کی کتاب العواصم من القواصم اور امام ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ کی طرح ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس کتاب میں عہدِ صحابہؓ کے مشاجرات، دورِ عثمانؓ و علیؓ و معاویہؓ اور حادثۂ جمل و صفین وغیرہ کی آئینی و دستوری و مباحث اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح واضح کی گئی ہے کہ بڑے بڑے اہلِ علم اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

مولانا محمد یوسف بنوری: تحریکِ ختمِ نبوۃ کے قائد مولانا بنوری مرحوم نے اپنی عربی کتاب الاستاذ المودودی (حصہ اول ص ۹) میں ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جو خلافت و ملوکیت کے جواب میں لکھی گئی ہیں اظہارِ حقیقت کے متعلق لکھا ہے۔ من احسن ما الف هو كتاب الشيخ الفاضل الصديقي مولانا محمد اسحاق السنديلوي حفظه الله (خلافت و ملوکیت کے رد میں لکھی گئی کتابوں میں سے ایک بہترین کتاب شیخ فاضل مولانا محمد اسحاق صدیقی سندیلوی کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے)

اپنی وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران ایک انٹرویو میں اپنے مدرسہ کا تعارف

کراتے ہوئے مولانا بنوری مرحوم مدرسہ کے اساتذہ میں سے صرف مولانا سندیلوی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور کس قدر فخر و احترام سے ملاحظہ ہو:

"سوال: میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے اس مدرسہ سے جسے اگر دارالعلوم کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، اس وقت کتنے تشنگانِ علم سیراب ہو رہے ہیں؟

جواب: علامہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تین سو پچاس طالب علم تو ایسے ہیں جو یہیں رہتے بھی ہیں اور درس بھی حاصل کرتے ہیں اور ۱۶۰ طالب علم ایسے ہیں جو درس تو یہاں لیتے ہیں مگر رہتے ہیں اپنے گھروں پر۔ اس وقت مدرسہ میں دنیا کے ۱۶ ملکوں کے طالب علم زیرِ تعلیم ہیں، نیویارک، لندن، پیرس، نیوزی لینڈ، یوگنڈا، نائجیریا، جنوبی افریقہ، برما، انڈونیشیا، سیلون، سیام، شام، مدینہ، ایران وغیرہ کے باشندے ہیں۔ غیر ملکی طلبہ کی تعداد ۳۰ کے قریب ہے جن میں ایران کے ۱۳ طالب علم ہیں۔ ان سب کو ۲۶ اساتذہ درس دیتے ہیں، یہ سب کے سب فضل و کمال کا پیکر ہیں۔ ان افاضل میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق شیخ الحدیث اور مہتمم مولانا محمد اسحاق صدیقی بھی شامل ہیں جو انگریزی، عربی اور اردو تینوں زبانوں کے مصنف ہیں۔"

(بحوالہ خدام الدین لاہور ۲۳ر اگست ۱۹۷۴ء صـ۱۰)

**مفتی محمود**: جمعیۃ علماء اسلام کے قائدین مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا مفتی محمود فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں فخر ہے کہ اس کتاب کا پاکستان میں سب سے پہلے ہم نے تعارف کرایا۔[۱]

اس کتاب کی جب دوسری جلد چھپی اور مفتی محمود صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی تو اس کے مطالعہ کے بعد اپنے تاثرات یوں ظاہر فرمائے کہ "قرنِ اوّل کی تاریخ کے الجھے ہوئے جنگل کو جس طرح مولانا نے صاف کیا ہے وہ ان کا زبردست علمی کارنامہ ہے۔"

**شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا**: بین الاقوامی تبلیغی جماعت کے سرپرست اور تبلیغی نصاب "فضائل اعمال" کے مصنف حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے کی مسجد کراچی میں ۷ دسمبر ۱۹۸۰ء بروز اتوار علماء کے بھرے مجمع میں مولانا محمد اسحاق صاحب کو دعائیں دیں اور ان کی کتاب اظہارِ حقیقت کی قبولیت کے لئے دعا فرمائی اور اس کے عربی ترجمہ کی تاکید فرمائی۔ اس ملاقات کی تفصیل "ایک یادگار ملاقات" کے عنوان سے علیحدہ بھی شائع ہو چکی ہے۔

---

[۱] اظہارِ حقیقت پہلے ہندوستان میں چھپی تھی کیونکہ مؤلف مدظلہ اس وقت تک لکھنؤ ہی میں تھے۔ اسی زمانہ میں پاکستان میں جمعیۃ علماء اسلام نے اپنے ہفتہ وار رسالے ترجمان اسلام لاہور میں اسے قسط وار شائع کرنا شروع کیا اور بعد میں اسے تجدید سبائیت کے نام سے کتابی شکل میں بھی متعدد بار شائع کیا۔

اظہارِ حقیقت کی جلد اوّل اور جلد دوم تو بہت عرصہ ہوا شائع ہو چکی تھیں۔ اِس سال (۱۹۹۳ء) اللہ کے فضل وکرم سے اس کی تیسری جلد بھی اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہو چکی ہے۔

اظہارِ حقیقت کو علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حلقہ میں جو قبول عام حاصل ہوا وہ آج کل کے رفض زدہ ماحول میں نہایت حیرت انگیز اور اللہ کا کرم ہے۔

اصل کتاب کے مختلف ناشروں کی طرف سے متعدد اڈیشنوں کے علاوہ کچھ مضامین کا مجموعہ جیسا کہ عرض کیا گیا پاکستان کی جمعیۃ علماء کی جانب سے "تجدید سبائیت" کے عنوان سے کئی بار شائع ہوا۔

دوسری جلد جس میں مشاجراتِ صحابہؓ پر کتاب وسنت اور عظمتِ صحابہؓ کی روشنی میں بے نظیر مدلل بحث کی گئی ہے اس کا پہلا اڈیشن مولانا بنوری کے داماد اور جامعہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مفتی احمد الرحمان صاحبؒ نے شائع کیا تھا' وہ اڈیشن بہت جلد ختم ہو گیا تھا۔ پھر ایک صاحب نے اس کی فلم لیکر اسے سات ہزار کی تعداد میں شائع کیا' وہ بھی ختم ہو گیا' اور مفتی احمد الرحمان صاحب بھی مرحوم ہو گئے۔ اس لئے ہم نے حضرت مصنّف مدظلہ سے اجازت لے کر اس کے دوسرے (دراصل تیسرے) اڈیشن کا انتظام کیا ہے تاکہ اظہارِ حقیقت کی تینوں جلدیں قارئین کرام ہمارے ادارے سے حاصل کرسکیں۔

اس کے علاوہ حضرت مصنّف کی باقی کتابیں یا ان کی تائید میں لکھی گئی مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہم فرمائش پر مہیا کرسکتے ہیں:

- مولانا ابوریحان سیالکوٹی کی ضخیم کتاب "سبائی فتنہ" جسے حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے صاحبزادے حضرت مولانا عطاء المحسن شاہ صاحب نے دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان سے شائع کیا ہے۔ قیمت ۱۲۵/=
- حضرت مولانا سندھی کے شاگرد مولانا محمد علی سعید آبادی کی کتاب "اصل حقیقت" شائع کردہ تحریک خدام صحابہؓ کراچی۔ قیمت ۱۰/=
- اسی کتاب کا خلاصہ اور علماء کرام کے فتوے۔ قیمت ۲/=
- "لعل شاہ کی حقیقت" شائع کردہ بالاکوٹ اکیڈمی کراچی۔ قیمت ۱۰/=

ناشر

# فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ (جلد ثانی)

الحمد للہ الحق المبین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین

وسید المرسلین محمد وعلیٰ اصحابہ وازواجہ وذریتہ

وعلیٰ من تبعہ الیٰ یوم الدین

امّا بعد : اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اظہار حقیقت جلد ثانی بھی طباعت کے مرحلے میں پہونچ گئی۔ بعض ناگزیر موانع کی وجہ سے اس کی تالیف میں تاخیر ہوئی اس کے بعد طباعت میں تاخیر کے اسباب بھی پیدا ہوتے رہے۔ یہ تاخیر میرے لئے بھی تکلیف دہ ہوئی اور ان حضرات کے لئے بھی جو جلد اول دیکھنے کے بعد اس کے منتظر تھے۔ اور زبانی یا خطوط کے ذریعہ جلد ثانی کی اشاعت کا تقاضا کر رہے تھے۔ ان سب حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔ اسباب تاخیر کی تفصیل غیر ضروری اور فضول ہے۔ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس کام کے لئے وقت مقدر یہی تھا۔

جلد اول کی طرح جلد ثانی کے مباحث میں بھی صرف جواب دینا پیشِ نظر نہیں۔ بلکہ تحقیقِ حق اور اظہارِ حقیقت بھی مقصود ہے۔ ناظرین مباحث کا مطالعہ فرماکر خود اندازہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کتاب کو ذریعہ ہدایت اور میرے لئے وسیلۂ نجاتِ آخرت وسعادت دارین بنا دیں۔ (آمین)

یہ جلد مشاجرات صحابہ کے بارے میں مسلک اہلسنت کی توضیح پر ختم ہوگئی۔ بقیہ مباحث کے لئے ناظرین کو جلد ثالث کا انتظار کرنا پڑے گا۔ میری

کوشش یہ ہے کہ وہ بھی بہت جلد منظر عام پر آجائے۔

محب محترم مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب زید بت فیوضہم کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے جلد ثانی کی طباعت و اشاعت کی کفالت فرمائی اور اس کے لئے زرِ کثیر صرف فرمایا۔ فجزاہ اللہ عنا و عن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

## استدراک

اظہار حقیقت جلد اوّل میں، میں نے عمرو بن الحمق کی وفات کے بارے میں اختلاف روایات کا تذکرہ بحوالہ لسان المیزان کیا ہے۔ یہ حوالہ غلط ہے۔ یہ روایتیں لسان میں نہیں ہیں بلکہ تہذیب التہذیب میں مذکور ہیں وہیں ملاحظہ فرمائی جائیں۔ معلوم نہیں یہ غلطی کیسے ہوگئی۔ ایک مدت کے بعد اس کا احساس ہوا۔ مگر کتاب طبع ہو کر خاصی تعداد میں نکل چکی تھی۔ اصلاح کی کوئی صورت نہ تھی۔ مزید یہ کہ میں نے عمرو بن الحمق کو صحابی سمجھ کر ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا تھا۔ کیونکہ کتب رجال میں ان کا شمار صحابہ میں کیا گیا ہے مگر ان کا کردار ان کی صحابیت کی نشاندہی کرنے کے بجائے اس کے خلاف شہادت دے رہا ہے۔ پھر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہ قول بھی بہت وزنی ہے کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے والوں میں کوئی صحابی نہ تھا۔ امام موصوف کا زمانہ اس شہادت کبریٰ کے زمانہ کے بہت قریب ہے اس کے ساتھ ان کے علم کی وسعت و فراوانی پر نظر کرتے ہیں تو ان کا قول بعد کے جملہ علماء رجال کے قول پر بھاری معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے میری رائے میں یہ صحابی نہ تھے جن حضرات نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ان سے اس بارے میں تسامح ہوا ہے۔ فقط

احقر محمد اسحاق صدیقی عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# باب اول

## شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

"دوسرا مرحلہ" کا عنوان قائم کر کے مودودی صاحب نے سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا تذکرہ کیا ہے اور نظام حکومت کو نظام ملوکیت تک پہنچنے میں جو راستہ طے کرنا پڑا، اس کا دوسرا مرحلہ اسی شہادت کبریٰ کو قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس حادثۂ فاجعہ کو وہ اہمیت تو نہیں دی جو از روئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اسے حقیقۃً حاصل ہے۔ تاہم اس پر رنج و افسوس کے اظہار میں وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے، مگر اس موقع پر بھی بنو امیہ اور سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو کد انھیں ہے۔ اسے ظاہر کرنے پر مجبور و مضطر ہو گئے ہیں، عبارت منقولہ ذیل میں مرثیہ کے ساتھ طعن و طنز کا امتزاج ملاحظہ ہو۔

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے ظلم کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ انھیں تشدد کی راہ اختیار کرنے کے بجائے اکابر مہاجرین و انصار کو بیچ میں ڈال کر اصلاح کی کوشش کرنا چاہیئے تھی، اسی ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

> "چنانچہ اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوشش شروع بھی کر دی تھی اور حضرت عثمان نے اصلاح کا وعدہ بھی کر لیا تھا[1]"

---

[1] بحوالہ الطبری ص ۱۱۸ ج ۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۳

گویا واقعی باغیوں اور مفسدوں کا الزام صحیح تھا۔ جب ہی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اصلاح کا وعدہ فرمایا تھا۔ یہی وہ بات ہے، جسے کہنے کے لئے مودودی صاحب نے کئی سطریں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار افسوس میں تحریر کی ہیں۔ اس طنز آمیز مرثیے کو دیکھ ... شعر یاد آجاتا ہے ؎

اور میری لاش پہ منہ ڈھانک کے رونیوالے
سچ بتا گریہ ہے طاری کہ ہنسی آئی ہے

عہ جہاں تک اصلاح کے وعدے والی اس روایت کا تعلق ہے جس کا حوالہ موصوف نے دیا ہے، اس کے متعلق عرض ہے کہ وہ بالکل موضوع اور من گھڑت روایت ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ اس کا مدار واقدی پر ہے، جس کا وضاع اور کذاب ہونا کئی بار مذکور ہو چکا ہے۔ اس لئے بحیثیت سند یہ روایت بالکل غیر معتبر ہے۔ مزید یہ کہ اس معاملے میں واقدی کی روایتوں کے بارے میں خود طبری نے بھی دبی زبان سے بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے، چنانچہ اس روایت کو نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| واما الواقدی فانه ذکر فی | واقدی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے |
| سبب مسیر المصریین الی | پاس مصریوں کے آنے کے سبب اور ذاخشب |
| عثمان ونزولهم ذا خشب | میں ان کے اترنے کے بارے میں بہت سی باتیں |
| امورا کثیرة منها ما | ذکر کی ہیں۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ گذر چکا اور |
| قد تقدم ذکره ومنها | بعض ایسی باتیں ہیں، جن کے تذکرے سے |
| ما اعرضت عن ذکره کراهیة | میں نے قصداً احتراز کیا اس لئے کہ وہ بہت |
| منی بشاعته۔ ومنها ما ذکر | گھناؤنی تھیں، اور ان میں سے ایک یہ |
| ان عبد الله بن جعفر حدث الخ | روایت ہے جو واقدی نے عبد اللہ بن جعفر سے |
| | نقل کی ہے۔ الخ |

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

گویا خود طبری بھی اس سلسلے میں واقدی کی روایتوں پر پورا اعتماد نہیں رکھتے اور بعض روایتوں کو رد کر دینے پر مجبور ہیں اگرچہ وہ صاف صاف بے اعتمادی کا اظہار نہیں کرتے۔

سند سے قطع نظر درایت کے اعتبار سے بھی یہ روایت بالکل موضوع، من گھڑت اور سراپا کذب و دروغ معلوم ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ وہ کونسا فساد تھا، جس کی اصلاح کا دعوہ خلیفۃ المسلمین کرتے۔ "وعدے" کی یہ حکایت سراپا لغو اور بے اصل ہے۔

۲۔ دوسری قابل نظر بات یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سبائی مفسدوں کے ہم نوا نہیں، تو بعض الزاموں کو صحیح سمجھتے تھے اور جب انھوں نے اس کا اظہار کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ناگواری ظاہر فرمائی، اس وجہ سے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سخت مخالف ہو گئے اور فلسطین چلے گئے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے موصوف کے خلاف کھل کر پروپیگنڈا بھی شروع کر دیا۔ ان کی مخالفت کا یہ عالم تھا کہ اپنے قصر میں بیٹھے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن جو شخص شہادت عثمانؓ کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ ——— کے طرز عمل پر نظر کرے گا۔ وہ یقیناً اس قصے کو سراپا کذب و دروغ سمجھے گا۔ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لئے جس طرح انھوں نے حضرت معاویہؓ کے شانہ بشانہ جدوجہد کی اور دونوں حضرات کے تعلقات جس قدر خوشگوار رہے، ان پر نظر کرنے کے بعد کوئی سمجھدار آدمی انھیں حضرت عثمانؓ کا مخالف نہیں کہہ سکتا، انھیں سیدنا ذی النورینؓ کا مخالف کہنا، ان پر بہتان و افترا ہے اور یہ روایت واقدی یا اور کسی سبائی کذاب کی ذہنی اختراع، مزید یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، جو حضرت عثمانؓ

کا قصاص لینے کے لئے کھڑے ہوئے اور مخالفین سیدنا حضرت عثمانؓ کے سخت مخالف تھے، انھوں نے ہمیشہ حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنا دست راست سمجھا، کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف بھی ہوں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دوست بھی۔ فیا للعجب۔ ایسی کھلی ہوئی غلط بیانی ظاہر ہونے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس روایت کو صحیح سمجھے تو اس کے طرز عمل کو ایک حیرت انگیز کج فہمی یا ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے ؟

ع‍ ۳ اس روایت کے موضوع اور جعلی ہونے کا تیسرا قرینہ یہ ہے کہ طبری میں اسی موقعہ پر (یعنی ۳۵ھ کے احوال میں) سیف بن عمر کی روایت مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سبائی مفسدوں اور اُن کی فساد انگیز تحریک کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے یہ مشورہ دیا کہ ان کے ساتھ سختی برتی جائے اور اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کی نرم پالیسی سے اختلاف کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ان مفسدوں اور بلوائیوں کی شکایتوں کو بالکل غلط سمجھتے تھے، واقدی کی زیر بحث روایت اس کے بالکل خلاف ہے، اس تعارض کو دور کرنے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں پہلی صورت ترجیح کی ہے اور دوسری شکل یہ ہے کہ "اذا تعارضا تساقطا" کے اصول پر عمل کر کے دونوں کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے۔ دوسری صورت میں مودودی صاحب کا مدعا عنقا ہو جاتا ہے، اس لئے کہ جب روایت ہی سرے سے ساقط الاعتبار ہو تو وعدہ وغیرہ کیسے ثابت ہوگا۔ ترجیح کی صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت کو کیوں ترجیح دی جائے ؟ سیف کی روایت کو کیوں نہ ترجیح دی جائے ؟ مودودی صاحب کی عداوت صحابہ ملاحظہ ہو کہ اُنھوں نے سیف

کی روایت کو نظر انداز فرمایا اور واقدی کی اس روایت کا تذکرہ فرمایا، صرف اس لئے کہ اس جھوٹی اور من گھڑت روایت سے حضرت عثمان و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر اعتراض کا موقعہ ملتا ہے، کیا خوب شان تحقیق ہے۔

**چہارم**:۔ یہ کہ اس روایت کے ابتدائی حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے بجھانے سے بلوائی چلے گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے کہنے سے مسجد میں جا کر خطبہ دیا اور اس میں یہ ظاہر فرمایا کہ بلوائیوں کے دعوے باطل اور غلط تھے، اس لئے وہ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے، کسی ندامت یا وعدۂ اصلاح کا اس میں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن وسطی حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوائیوں کے چلے جانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کہنے سے حضرت عثمانؓ نے خطبہ دیا اور اس میں اپنی غلطیوں کا اقرار اور ان سے توبہ کا اظہار کیا، نیز وعدۂ اصلاح فرمایا۔ یہ کھلا ہوا اختلاف بیان ہے جو راوی کی غلط بیانی کی کھلی ہوئی دلیل اور روایت کے من گھڑت ہونے کی روشن برہان ہے۔

**پنجم**:۔ روایت کے جعلی اور موضوع ہونے کا پانچواں قرینہ بھی ملاحظہ ہو:۔ اس کا ابتدائی حصہ بتاتا ہے کہ بلوائیوں کے چلے جانے اور حضرت علیؓ سے وعدۂ اصلاح کرنے کے بعد خلیفۃ المسلمین ایک دن تک اپنے مکان سے باہر نہیں نکلے، دوسرے دن حضرت مروانؓ نے انھیں آمادہ کیا کہ وہ اپنے وعدے سے پھر جائیں اور خطبہ دیکر لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ بلوائی جھوٹے ثابت ہوئے اس لئے واپس چلے گئے۔ لیکن آخر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مروانؓ نے یہ مشورہ انھیں ان کے اس خطبے کے بعد دیا ہے، جس میں انھوں نے اظہار توبہ کیا تھا۔ یہ بھی کھلا ہوا اختلاف بیان ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ روایت سرتاپا کذب و دروغ

اور حضرت عثمانؓ اور حضرت مروانؓ پر افترا و بہتان ہے۔

ششم :- یہ کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے اور خود مودودی صاحب نے زیر تبصرہ کتاب کے صفحہ ۱۱۷ پر نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ایک ایک اعتراض کا جواب دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پوزیشن صاف کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر اعتراضات صحیح تھے تو پوزیشن کیسے صاف کردی؟ کیا باطل کی حمایت کی؟ یا غلط بیانی سے کام لیا؟ اور اگر غلط تھے تو اصلاح کی کوشش اور وعدے کے کیا معنی؟ اس سے بھی اس روایت کا جعلی اور سراپا کذب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

ہفتم :- ان سب قرائن سے قطع نظر اس روایت کے موضوع اور باطل ہونے پر سو قرینوں کا ایک قرینہ یہی ہے کہ اس میں جو تصویر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیش کی گئی ہے۔ وہ کسی ایسے شخص کے نزدیک صحیح نہیں ہوسکتی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ و رسالت پر پختہ ایمان رکھتا ہو، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تربیت و تزکیہ پر اسے صحیح معنی میں اعتقاد ہو ــــــ دشمنانِ صحابہ سبائیوں، نیز واقدی وغیرہ۔ ان کے پانچویں کالم نے اس قسم کی روایتوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہر طرح خلافت کے لئے ناموزوں ثابت کرنے نیز مفسدوں کے جرائم کو تا بہ امکان ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس روایت کو شروع سے آخر تک دیکھ جائیے۔ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ معاذ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے عمال کی بے جا حمایت کرتے تھے وہ وعدہ خلاف اور بدعہد تھے۔ خلافت کی اہلیت ان میں مفقود تھی اور وہ حضرت مروانؓ وغیرہ کے ہاتھوں میں (معاذ اللہ) کھلونا بنے ہوئے تھے لہ ان ذا اللہ من ھذہ والبھتوا

لہ اس سلسلے میں سبائیوں نے ایک خط کا افسانہ بھی گھڑا ہے۔ کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ سمجھا نے
بقیہ صفحہ ۱۵ پر

کیا کوئی سُنی مسلمان اِن سراپا کذب و دروغ باتوں کو تسلیم کر سکتا ہے اور
کیا کوئی ایسا شخص، جو قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ میں سیدنا حضرت عثمان
کرم اللہ وجہہٗ کے فضائل و مناقب، لسانِ نبوت سے ان کی خلافتِ راشدہ کی

---

(بقیہ صفحہ ۱۴) بھانے سے جب بلوائی واپس گئے تو راستے میں انھیں ایک شتر سوار ملا
جو حضرت عثمانؓ کا غلام تھا۔ تلاشی لینے پر اس کے قبضے سے اُن کا ایک خط اپنے گورنر کے
نام ملا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ جب یہ لوگ وہاں پہنچیں تو فلاں فلاں بلوائی لیڈروں کو
بید زنی اور تشہیر کی سزا دے کر قید کر دیا جائے۔ اِس خط کو دیکھ کر بلوائی واپس آ گئے اور
خلیفۃ المسلمین کو شہید کر دیا۔ یہ قصہ جانے بوجھے کذّاب واقدی کا بیان کردہ ہے، اِس جھوٹے
قصہ گو اور سیہ قلب منافق کا نام ہی اِس بات کی ضمانت ہے کہ قصہ سراپا کذب ہے۔ اگر اس
کی کوئی اصل ہے تو یہ ہے کہ یہ خود سبائی بلوائیوں یعنی قاتلانِ عثمانؓ کی جعل سازی تھی ایک
روایت میں مذکور ہے کہ :۔

وقد تخلف بها من الناس الا شتر وحکیم بن جبلہ (طبری ج ۵ ص ۲۰۵، تذکرہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ)

ان بلوائیوں میں سے مالک اشتر اور حکیم بن جبلہ دونوں مدینہ میں رہ گئے (واپس نہیں گئے)۔

یہ سب کارروائی انھیں دونوں بد باطن فتنہ پرداز منافقوں کی تھی۔ حضرت عثمان رضی
اللہ عنہ نے اس کا یہی جواب دیا کہ غلام میری مرضی کے خلاف بھاگ گیا ہے، خط اور مہر بالکل
جعلی ہیں۔ ان کے اس جواب کے بعد کوئی گنجائش اس افسانے کے صحیح سمجھنے کی نہیں رہ جاتی۔
سبائی پارٹی کے لیڈروں کے لئے غلام کو ملا لینا، اونٹ چرا لینا، جعلی خط و مہر تیار کر لینا کوئی
مشکل کام نہ تھا۔ علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں: "صحابہ کرام کے نام سے بہت سے جعلی خطوط
لکھے گئے تھے (یعنی انھیں سبائیوں نے لکھے تھے) ان باغیوں نے جس طرح اپنے بیوقوف

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

پیشین گوئی اور اس کا عند اللہ و عند الرسول پسندیدہ ہونا پایا جاتا ہو۔ ان کے متعلق ایسے پست کیریکٹر کا ادنیٰ تصور بھی کرسکتا ہے یہی نہیں بلکہ کوئی سمجھدار اور منصف مزاج انسان جو سیدنا ذی النورین کے حالات زندگی سے واقف ہو، خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، ان ممدوح کے متعلق اس قسم کی مہمل اور لغو باتوں کو باور نہیں کرسکتا، مندرجہ بالا دلائل واضحہ کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ زیر بحث روایت، اور اس قسم کی سب تاریخی روایتیں محض جعلی، بے اصل، سراپا کذب و دروغ اور من گھڑت ہیں، جو سبائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور ان کے عمال صحابہ نیز خاندان بنو امیہ کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی ہیں۔ روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد کوئی سمجھدار اور منصف مزاج شخص انھیں قبول نہیں کرسکتا۔

افسوس ہے کہ مودودی صاحب کا سرمایہ تحقیق اسی قسم کی بے اصل روائتیں ہیں، لیکن انھیں اصرار ہے کہ ان کو ضرور قبول کرلیا جائے۔ خواہ قرآن وحدیث سے صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ سیرت مقدسہ کی جو پاکیزگی و بلندی ثابت ہورہی ہے، اس پر حرف ہی کیوں نہ آجائے اور تواتر سے جو ان کے پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ کارنامے ثابت ہیں انھیں مشکوک ہی کیوں نہ قرار دینا پڑے۔ ان کے نزدیک کسی صحابی کے دامن تقدس کو داغدار سمجھ لینا تو جائز ہے، مگر واقدی، سیف، جابر جعفی وغیرہ کذابوں کی طرف کذب کی نسبت کرنا حرام ہے، کیا خوب اصول تحقیق ہے ؎

کس طرح اس نگہ ناز سے جینا ہوگا ۔۔۔ زہر دے اس پہ یہ اصرار کہ پینا ہوگا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) اور فریب خوردہ ساتھیوں کو مطمئن کرنے کے لئے حضرات علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ کی طرف سے جعلی خطوط لکھے، جن کا حضرات مذکورہ نے بعد کو انکار کیا۔ اسی طرح یہ خط بھی بالکل جعلی تھا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے تیار کرلیا گیا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷) علامہ ابن خلدون نے بھی اسی طرح کی رائے کا اظہار کیا ہے۔

# باب دوم

## خلافت مرتضویؓ

سرتاجِ اولیاء اللہ۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق جنت ـ خلیفۂ برحق ـــ اُمت کے تسبیح اعظم ـــ سیّدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہٗ وارضاہ کی شہادت تاریخِ اُمت کا بہت ہی ہولناک اور دردانگیز حادثہ ہے، جس نے اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر شدید نقصان پہنچایا کہ اس کی تلافی آج تک نہ ہوسکی، نہ قیامت تک ہوگی۔ جب مفسدوں نے بلدِ رسولؐ میں ظلم و عدوان کا نہایت مکروہ اور قابل نفرت مظاہرہ کرکے اس عظیم شخصیت کو کئی دن بے آب و دانہ بھوکا رکھ کر شہید کر ڈالا، تو ان مٹھی بھر خونخوار سبائیوں کو چھوڑ کر پوری اُمت مسلمہ پر عالم غم و اندوہ طاری ہوگیا اور اس کا اندیشہ پیدا ہوگیا کہ اُمت کا یہ بندھا ہوا شیرازہ انتشار کا شکار نہ ہوجائے۔ بجا طور پر اس بات کی فکر سب سے زیادہ صحابۂ کرام کو ہونا چاہیئے تھی ـــــ مدینہ طیبہ میں جو صحابۂ کرام موجود تھے، اُنھوں نے کوشش کی کہ جلد از جلد ہنگامی طور پر کسی شخصیت کو منصب خلافت کے لئے منتخب کرلیا جائے، تاکہ اُمت کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پائے، دوسری طرف خود قاتلین عثمانؓ کو بھی جب یہ خبریں ملیں کہ مختلف اطراف وجوانب سے فوجیں خلیفۃ المسلمین کی اعانت وامداد کے لئے آرہی ہیں، تو انھوں نے بھی چاہا کہ جلد از جلد کسی خلیفہ کا انتخاب ہوجائے تاکہ ہم ان کے زیرِسایہ محفوظ رہنے کی کوشش

کر سکیں اور پھر یکا یک ہم پر حملہ کرنے کی جرأت کس کو ہو سکے۔ مقاصد کے اختلاف کے باوجود نفسِ مصلحت میں متفق ہونے کی وجہ سے باغی اور اہلِ مدینہ انتخاب خلیفہ پر متفق ہو گئے اور تاجِ خلافت سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر رکھا گیا۔

الحمد للہ کہ ان سطور کا راقم زُمرۂ اہل سنت والجماعت میں داخل ہے۔ اسی پر جینا اور اسی پر مرنا اس کی سب سے بڑی خواہش ہے اور اسی پر استقامت کو اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھتا ہے، اس لئے اس کا پختہ عقیدہ ہے کہ سیدنا علیؓ کی خلافت صحیح خلافت تھی اور بے شک وہ خلیفۂ برحق ہیں۔ یہ بھی میرا عقیدہ ہے کہ مربی اعظم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت نے ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے قلب کو حبِ دنیا کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ سے بھی پاک کر دیا تھا، چہ جائیکہ حضرت علیؓ جن کا شمار اکابر صحابہ میں ہے اور جو اس مقدس گروہ کی افضل ترین جماعت میں شامل ہیں۔ اس لئے بلا شبہ اپنے پیش رو خلفاء کی طرح اُن میں بھی خلافت و حکومت کی کوئی طلب نہ تھی، اور اگر تھی بھی، تو وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور بارگاہِ قدس میں قرب حاصل کرنے کے لئے، خدمتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے شوق کی وجہ سے۔ دُنیا تو ان کے قریب ہو کر بھی نہ نکلی تھی۔ خاص کر اس موقع پر تو وہ منصب خلافت سے گریزاں تھے اور اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے، دوسرے اکابر صحابہؓ مہاجرینؓ و انصارؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر دین کی مصلحت کے پیش نظر انھوں نے اس منصب کو قبول فرما لیا اور حق یہ ہے کہ پوری اُمت پر اُن کا یہ احسان عظیم ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیرا۔

ان تصریحات کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے سلسلے میں مجھے مودودی

صاحب سے کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے اس پر کسی بحث کی حاجت نہیں لیکن مختصر طریقے سے ان حالات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے، جن میں سیدنا حضرت علیؓ مسندآرائے خلافت ہوئے تھے، تاکہ آئندہ بحثوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ کیونکہ بعد کے واقعات مثلاً جمل و صفین ان حالات سے قوی ربط رکھتے ہیں ——— اور انھیں پیشِ نظر رکھنے کے بعد ان مباحث کا سمجھ لینا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں باغی یعنی قاتلین سیدنا عثمانؓ بھی شریک تھے اور نہ صرف شریک تھے، بلکہ انتخاب کے لئے اہل مدینہ پر دباؤ بھی ڈال رہے تھے، خود مودودی صاحب نے اس کا اقرار فرمایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جن حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے دو ہزار شورشی دارالخلافہ پر مسلط تھے، خلیفۂ وقت کو قتل تک کر گزرے تھے، خود دارالخلافہ میں بھی ایک اچھی خاصی تعداد اُن کی ہم خیال موجود تھی[1] خلیفہ کے انتخاب میں وہ لوگ یقیناً شریک ہوئے اور ایسی روایات بھی بلاشبہ موجود ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا تو ان لوگوں نے بعض حضرات کو زبردستی بھی بیعت پر مجبور کیا تھا" (خلافت و ملوکیت ص ۳۳۵)

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب صرف اہل مدینہ اور ان باغیوں نے کیا تھا، جن کے متعلق مودودی صاحب کو بھی اقرار ہے کہ وہ کہیں کے

---

[1] اچھا ہوتا کہ مودودی صاحب ان لوگوں کی نشاندہی فرما دیتے، اس کے بغیر تو یہ ایک مغالطہ اور اہل مدینہ پر ایک بہتان ہی سمجھا جائے گا۔

نمائندے نہ تھے ، اسلامی مملکت کے کسی دوسرے حصے کا کوئی نمائندہ اس انتخاب
میں شریک نہ تھا ۔ یہی نہیں بلکہ خود مدینہ منورہ میں رہنے والے مہاجرین وانصار کی
ایک خاصی تعداد وہاں موجود نہ تھی ۔ ملاحظہ ہو ، اس سوال کا جواب دیتے ہوئے
کہ صحابہ کرام و دیگر اہل مدینہ کی موجودگی میں صرف دو ہزار باغی شہر پر کیسے مسلط
ہو گئے اور خلیفہ وقت کو کیونکر شہید کر سکے ۔ علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں :-

الثالث ان هولاء الخوارج لما اغتنموا غيبة كثير من اهل المدينة فى ايام الحج ولم تقدم الجيوش من الآفاق للنصرة بل لما اقترب مجيئهم انتهزوا فرصتهم قبحهم الله وصنعوا ما صنعوا من الامر العظيم ۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ ان باغیوں نے ایام حج میں اہل مدینہ کی کثیر تعداد کی عدم موجودگی کو غنیمت سمجھا اور اب تک دوسرے ممالک سے امداد کے لئے فوج بھی نہ پہنچی تھی بلکہ جب ان افواج کی آمد قریب ہوئی تو انھوں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھا (اور قتل خلیفہ میں عجلت کی) اللہ تعالیٰ انہیں برباد کریں کہ انھوں نے ایسے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ۔-

(البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۹۰ ج ۷)

* * * * * * *

اسی طرح چوتھی توجیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

لان الناس كانوا فى الثغور وفى الاقاليم فى كل جهة

اس لئے کہ لوگ ہر طرف قلعوں اور دوسرے ملکوں میں تھے ۔

تیسری چیز یہ ہے کہ اہل مدینہ میں بھی بعض اکابر صحابہؓ نے بھی خلافت کے بارے
میں اپنے حق رائے دہی کو استعمال نہیں کیا تھا اور اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ
رہے تھے ۔ اس تاریخی حقیقت کا اقرار خود مودودی صاحب نے بھی صفحہ ۱۲۳ میں کیا
ہے اور اس کے دور رس اثر کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے ۔" دوسرے بعض

اکابر صحابہؓ کا حضرت علیؓ کی بیعت سے الگ رہنا یہ طرزِ عمل اگرچہ اُن بزرگوں نے انتہائی نیک نیتی کے ساتھ محض فتنے سے بچنے کی خاطر اختیار فرمایا تھا لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس فتنے سے وہ بچنا چاہتے تھے، اس سے بدرجہا زیادہ بڑے فتنے[1] میں ان کا یہ فعل اُلٹا مددگار بن گیا، وہ بہر حال اُمت کے نہایت بااثر لوگ تھے۔ اُن میں سے ہر ایک ایسا تھا، جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا، ان کی علیحدگی نے دلوں میں شک ڈال دیئے۔" (خلافت و ملوکیت ص۱۲۴)

چوتھی بات یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منصب خلافت قبول کرنے کی درخواست صرف حضرت علیؓ سے نہیں کی گئی تھی، بلکہ ان سے پہلے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے کی جاچکی تھی، جب اُنھوں نے کسی طرح منظور نہ فرمائی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی۔ ملاحظہ ہو۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ہشتم۔

---

[1] یہ مودودی صاحب کی خوش فہمی ہے۔ ان حضرات کا طرزِ عمل خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مبنی تھا۔ متعدد حدیثیں واضح کر رہی ہیں کہ فتنے سے بے تعلق رہنے کی وصیت صحابہ کرام کو آنحضور نے خود فرمائی تھی اور باتفاق محدثین اس سے یہی فتنہ یعنی مشاجرات صحابہ کا فتنہ مراد تھا۔ (دیکھئے کتاب الفتن صحیح بخاری) افسوس ہے کہ جس روش کی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت فرمائیں وہ مودودی صاحب کے نزدیک نامناسب ہو! ذہن کی سبائیت زدگی کی یہ بہت نمایاں علامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان غیر جانبدار حضرات کی غیر جانبداری سے اُمت کو بہت فائدہ پہنچا اور باوجود افتراق کے ان کا شیرازہ بکھرنے نہیں پایا، ان کا طرزِ عمل یقیناً بالکل صحیح اور سراپا مصلحت تھا۔ مودودی صاحب وہی چاہ رہے ہیں جو اُس وقت سبائی چاہتے تھے، یعنی پوری اُمت میں شدید افتراق پیدا ہو کر اس کا شیرازہ

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

یہ واقعات ہیں جو سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے وقت پیش آئے تھے، جن کا پیش نظر رکھنا آئندہ مباحث کے سمجھنے میں معاون ہوگا، ان کے تذکرے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا نخواستہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی صحت میں کوئی شک ہے یا معاذاللہ ان کے انتخاب پر کوئی اعتراض ہے۔ میں اس بارے میں اپنا عقیدہ آغازِ بحث میں ذکر کر چکا ہوں۔

## حضرت علیؓ سے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور ایک گروہ صحابہ کا اختلاف

مشاجرات صحابہؓ کی بحث راقم السطور کے لئے بہت تکلیف دہ ہے، مگر وجہ تسکین صرف یہ ہے کہ مسلک اہلسنت روشن کرنے سے بہت سی گمراہیوں کی ظلمتیں دور ہو جائیں گی اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے چشم بصیرت کے ساتھ عدل و انصاف کی نعمت بھی عطا فرمائی ہے، وہ ہدایت حاصل کریں گے رہے معاندین تو ان کی ہدایت کی ذمہ داری کوئی نہیں لے سکتا۔

یہی چیز ہے جو احقر کے لئے اس بحث کو آسان بنا دیتی ہے، خصوصاً جب یہ افسوسناک واقعہ سامنے آتا ہے کہ مودودی صاحب یا ان کے ایسے لوگ ہی نہیں، بلکہ اہلسنت کی ایک کثیر تعداد جن میں بہت سے علماء بھی شامل ہیں، اس مسئلہ میں مسلک اہل سنت والجماعت سے ہٹ گئے ہیں۔ ایسی صورت میں لازم ہو جاتا ہے کہ بحث کو صاف کر کے صحیح راستہ واضح کیا جائے۔

یوں تو یہ موضوع بہت پامال ہو چکا ہے، لیکن مودودی صاحب نے اتنی جدت پیدا کی کہ اس کا رشتہ نظام خلافت کی قلب ماہیت سے جوڑا اور اپنی اصطلاحی ملوکیت کو اس درخت کا ثمرہ قرار دیا، چنانچہ ان اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے جنہوں نے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) بالکل بکھر جاتے اور خون مسلم سے پوری کی زمین لالہ زار بن جانے، ان حضرات صحابہ کے طرز عمل سے ان کے اس الزام پر اوس پڑ گئی اور ان کی تمنا صرف جزوی طور پر پوری ہو سکی۔

خلافت کا رُخ ملوکیت کی طرف موڑ دیا اور جن کی وجہ سے حضرت علیؓ باوجود خلیفۂ وقت ہونے کے اس کے رُخ کو پھیر نہ سکے، لکھتے ہیں:" تیسرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ، اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ (ص ۱۲۴)

مودودی صاحب نے یہ بات نہیں واضح کی کہ آیا قصاص عثمانؓ کا نفس مطالبہ ہی ناجائز تھا؟ یا بعد کو جو جنگ و جدل ہوئی وہ ناجائز تھی اور وہی ملوکیت کے آنے کا سبب بنی؟ اگر نفس مطالبہ ناجائز تھا تو گویا بقول مودودی صاحب، اسلامی دستور کا قانون یہ ہے کہ اگر خلیفہ کو کوئی قتل کر ڈالے، تو اس کے قصاص کا مطالبہ معینہ مدت تک ملتوی کیا جائے اور جب جدید حکومت اجازت دے، اسی وقت یہ مطالبہ کیا جائے، خواہ اس مدت میں شہادتیں مٹ جائیں، ثبوت کا مواد غارت ہو جائے، قاتل حکومت کی دسترس سے باہر ہو جائیں، اگر یہی مطلب ہے تو براہِ کرم ہمیں بتایا جائے کہ آخر اسلامی دستور کی یہ دفعہ کہاں درج ہے؟ اور کتاب و سنت کی کس عبارت سے ثابت ہے؟ اور اگر ان کے نزدیک یہ مطالبہ اس لئے مذموم تھا کہ اس کا نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں ظاہر ہوا تو انھیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اِن دونوں باتوں میں لازم و ملزوم کا تعلق تھا اور اس مطالبے کا نتیجہ جنگ و جدل ہی کی شکل میں ہو سکتا تھا، یعنی عقلاً ایسی کوئی صورت نہیں نکل سکتی تھی کہ یہ مطالبہ ہوتا اور جنگ نہ ہوتی، اس ضروری بات کا نہ انھوں نے کوئی ثبوت دیا ہے اور نہ دے سکتے ہیں اور اس کے بغیر مطالبہ قصاص پر ان کا اعتراض بالکل بے وزن ہے۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:" اِن دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالت قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی

حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جاسکتی۔" (صد ۱۲۴)

اس اعتراض کو ثابت کرنے کے لئے لکھتے ہیں: " یہ ایک باقاعدہ حکومت تھی، جس میں ہر دعوے کے لئے ضابطہ اور قانون تھا، خون کا مطالبہ لے کر اٹھنے کا حق مقتول کے وارثوں کو تھا، جو زندہ تھے اور وہیں موجود تھے۔" (صد ۱۲۴)

مودودی صاحب کو اس مقام پر سخت مغالطہ ہوا ہے۔ انھوں نے دعوے اور مطالبے کے فرق کو نظر انداز کر دیا، دعوے کے لئے کوئی متعین مدعیٰ علیہ ہونا چاہیے مذکورہ بالا فریقوں نے کوئی مدعیٰ علیہ متعین نہیں فرمایا تھا، بلکہ قاتلین سیدنا حضرت عثمانؓ کو تلاش کر کے انھیں سزا دینے کا بار حکومت پر رکھنا چاہتے تھے، انھوں نے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ حکومت سے کیا تھا۔ قاتلوں کے خلاف عدالت میں کوئی دعویٰ نہیں دائر کیا تھا، جس کے لئے وارث مقتول ہونا شرط ہے۔ اس غلط فہمی کی وجہ سے موصوف کے قلم سے یہ عبارت بھی نکلی:" تاہم اگر رشتے داری کی بنا پر حضرت معاویہؓ اس مطالبے کے مجاز ہو بھی سکتے تھے تو اپنی ذاتی حیثیت میں نہ کہ شام کے گورنر کی حیثیت میں۔" (صد ۱۲۴)

چند سطروں کے بعد واضح ہو جائے گا کہ مطالبے کی بنیاد رشتے داری پر نہیں تھی اور بحیثیت گورنر شام، وہ اس مطالبے کے زیادہ مستحق تھے۔ افسوس ہے کہ سبائی پروپیگنڈے کے فریب میں آکر ہمارے بہت سے مؤرخوں نے بھی اس واقعے کو ایسے طرز سے بیان کیا ہے، جس سے خواہ مخواہ یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے محض خاندانی محبت کی بنا پر یہ مطالبہ کیا تھا۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور بہت سے اکابر صحابہؓ کیوں ان کے شریک و معاون ہو گئے۔ حالانکہ ان میں سے بکثرت ایسے تھے جن کا رشتہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے برابر کا تھا۔ بلکہ بعض تو

حضرت علیؓ کے زیادہ قریبی رشتے دار تھے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ رشتے داری اس مطالبے کی محرک نہیں تھی اور اصلی محرک کوئی دوسری ہی چیز تھی۔ وہ کیا تھی؟ اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر مودودی صاحب دستورِ اسلامی کا مطالعہ غائر نظر سے کرتے، یا جو خود انھوں نے اس کتاب میں لکھا ہے، اسی کو بغور ملاحظہ فرماتے تو اس مغالطہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتے اور اصل محرک تک ان کے ذہن کی رسائی ہو جاتی۔ موصوف نے اس واقعہ کو خود شرح فقہ اکبر مولفہ علامہ ملّا علی قاری سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: "رہی یہ بات کہ حضرت علیؓ نے حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو قتل نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ (محض قاتل نہ تھے بلکہ) باغی تھے۔ باغی وہ ہوتا ہے، جس کے پاس طاقت بھی ہوتی ہے اور اپنے فعل بغاوت کی تاویل بھی" (صفحہ ۳۴)

انھیں باغی تسلیم کر لینے کے بعد تعجب ہے کہ مودودی صاحب کو قرآن مجید کی یہ آیت کیوں فراموش ہو گئی۔

| | |
|---|---|
| فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات) | پس اگر (مسلمانوں کا) ایک گروہ دوسرے کے متعلق حد سے گزر جائے تو باغی گروہ سے اس وقت تک قتال کرو، جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع نہ کرے |

یہ آیت موصوف کو حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تو فوراً یاد آ گئی، مگر قاتلینِ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق جن کے باغی ہونے میں کسی کلام کی گنجائش نہیں، اس سے بالکل ذہول ہو گیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ موصوف کو ذہول و نسیان ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ام المومنین اور حضرت معاویہؓ نیز ان کے دیگر رفقاء و ہم خیال صحابہ کی پوزیشن آئینی لحاظ سے کم۔ ورنہ کہیں تو یہ ان کے ذہن

کی کمزوری اور ان کی فہم کی غلطی ہے۔

ہر وہ شخص جو دستور اسلامی سے گہری واقفیت رکھتا ہے، اس کے ساتھ انصاف کی صفت سے بھی متصف ہے، یہی کہے گا کہ اُم المومنینؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہم کا مطالبۂ قصاص اس فرض کو ادا کرنے کی ایک شکل تھی جو مندرجہ بالا آیت مقدسہ ان پر عائد کر رہی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ مطالبہ کرنا خود ان کی امن پسندی اور صلح جُوئی کی دلیل ہے، اس آیت کی بنا پر —— اُنھیں پورا حق تھا کہ وہ ان باغیوں کی سرکوبی اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنی فوجیں لے کر مدینہ طیبہ پہنچ جاتے، لیکن چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو چکے تھے۔ اس لئے انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ اس حملے کو خود خلیفۃ المسلمین پر حملے کے مرادف نہ سمجھا جائے اور خود ان سے آویزش نہ ہو جائے۔ اس خانہ جنگی سے بچنے کے لئے اُنھوں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ وہ قاتلین کو گرفتار کر کے ان سے قصاص لیں، غور فرمایئے کہ یہ مطالبہ کتنے کم درجے کا ہے، کیا باغیوں کے متعلق اسلامی قانون یہی ہے کہ ان میں سے صرف ان لوگوں کو مجرم سمجھا جائے، جنہوں نے اپنے ہاتھ سے خلیفہ کے قتل کا ارتکاب کیا ہو؟ اور اس کے متعلق زمانہ امن کی طرح قانونی اور عدالتی کارروائی کی جائے؟ صرف اسلامی آئین ہی نہیں، دُنیا کے کسی نظام سیاسی کے آئین میں کیا باغیوں کے لئے وہی قانون اور ضابطہ ہوتا ہے، جو پُرامن شہریوں کے لئے مقرر ہوتا ہے؟

عداوتِ صحابہؓ نے مودودی صاحب کے ذہن پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ اپنا لکھا ہوا بھی فراموش فرما گئے۔ صہ۴۹ پر زیرِ عنوان "باشندوں پر حکومت کے حقوق" خود لکھتے ہیں۔ (ب) "یہ کہ وہ قانون کے پابند ہوں اور نظم میں خلل نہ ڈالیں"۔

اسی کے ذیل میں بطور دلیل یہ آیت نقل کی ہے:-

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا الآیۃ (المائدہ پ۶)

"جو لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا صلیب دیئے جائیں۔"

اس کے متعلق حاشیہ میں ابوبکر جصاص حنفیؒ سے نقل کرتے ہیں

"فقہا کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد دراصل وہ لوگ ہیں جو رہزنی اور ڈاکہ زنی کریں یا مسلح ہو کر ملک میں بدامنی پھیلائیں"

میں پوچھتا ہوں کہ سبائی باغیوں کی یہ جماعت جس نے مدینہ طیبہ پر قبضہ کر لیا اہل مدینہ کو قتل کی دھمکی دے کر خلیفۃ المسلمین کی اعانت و اطاعت سے روکا۔ خلیفۃ المسلمین کا کھانا پانی بند کیا، بالآخر انہیں شہید کر کے اپنی دانست میں نظام خلافت کو تباہ کر دیا، ان کے مال کو لوٹا، ام المؤمنین حرمۃ رسولؐ حضرت ام حبیبہؓ علیٰ زوجہا المصطفیٰ علیہا الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بے ادبی کی، کیا وہ اس سزا کے مستحق نہ تھے جسے یہ آیت بیان فرما رہی ہے؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو ان حضرات کے مطالبۂ قصاص کو غیر آئینی کہنا کیسی افسوسناک جسارت ہے۔

مودودی صاحب نے صفحہ ۲۰۸ پر وہ حدیثیں نقل کی ہیں جن میں اہل مدینہ کو ظلماً خوف زدہ کرنے والے پر آنحضورؐ نے لعنت فرمائی ہے، اور اس کے اعمالِ صالحہ کے نامقبول و مردود ہو جانے کی وعید سنائی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ اس موقع پر موصوف کو یہ حدیثیں بالکل یاد نہ آئیں، اور جس گروہ کو لسان رسالت ملعون قرار دے رہی ہے اس کے چند افراد کو سزا دینے کا مطالبہ اگر حکومت سے کیا جائے تو مودودی صاحب کے نزدیک یہ مطالبہ غیر آئینی ہے۔

حق یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنینؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے اگر یہ مطالبہ کیا

جاتا کہ ان باغیوں کی پوری جماعت کو گرفتار کر کے اسلامی احکام کے ماتحت سزا دی جائے اور ان کی قوت و طاقت کا بالکل استیصال کر دیا جائے تو بالکل بجا مطالبہ ہوتا لیکن شاید انھوں نے کچھ تو یہ دیکھ کر کہ خلافت کے پاس ابھی اتنی قوت و طاقت نہیں ہے کہ اتنا بڑا قدم اُٹھا سکے۔ اور کچھ اس لیے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے دستِ مُبارک پر بیعت کر چکے ہیں اور اس وقت "شیعانِ علی" کی شکل میں بظاہر ان کے حامی و ناصر بنے ہوئے ہیں اگر ان سب کے استیصال کا مطالبہ کیا گیا تو یہ لوگ خلیفۃ المسلمین کے سامنے معاملہ کو دوسرے رنگ میں پیش کریں گے اور اس مطالبہ کو خود آں ممدوح کے خلاف ایک تدبیر ظاہر کر کے نوبت خانہ جنگی تک پہنچا دیں گے، اپنے مطالبہ کو کم کر دیا اور تنزل کر کے صرف قاتلین سیدنا عثمان کی گرفتاری اور اُن سے قصاص لینے کے مطالبہ پر اکتفا کیا، اُنھوں نے تو پوری کوشش کی کہ خانہ جنگی نہ ہونے پائے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی کوشش سبائیوں کے مکر و فریب کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئی اور خانہ جنگی ہو کر رہی۔

"مطالبہ کو غیر آئینی" کہنا بہت افسوسناک جدت طرازی ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس مطالبہ کو، باوجود منظور نہ کرنے کے، غیر آئینی نہیں فرمایا۔ آں ممدوح نے مطالبۂ قصاص کو پورا نہ کرنے کا جو عذر فرمایا ہے اسے مودودی صاحب ہی کے الفاظ میں انہیں کی کتاب سے نقل کرتا ہوں :-

> حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما چند دوسرے اصحاب کے ساتھ ان سے ملے اور کہا کہ ہم نے اقامتِ حدود کی شرط پر آپ سے بیعت کی ہے، اب آپ ان لوگوں سے قصاص لیجئے جو حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے، حضرت علیؓ نے جواب دیا "بھائیو جو کچھ آپ جانتے ہیں اس سے میں بھی ناواقف نہیں ہوں مگر میں

ان لوگوں کو کیسے پکڑوں جو اس وقت ہم پر قابو یافتہ ہیں نہ کہ ہم ان پر۔ کیا آپ حضرات اس کام کی گنجائش کہیں دیکھ رہے ہیں جسے آپ کرنا چاہتے ہیں؟" سب نے کہا: "نہیں" اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا "خدا کی قسم میں بھی وہی خیال رکھتا ہوں جو آپ کا ہے۔ ذرا حالات سکون پر آنے دیجئے تاکہ لوگوں کے حواس برجا ہو جائیں خیالات کی پراگندگی دور ہو اور حقوق وصول کرنا ممکن ہو جائے"۔ (ص ۱۲۷ و ۱۲۸ بحوالہ طبری) (نیز دیکھئے ص ۳۹)

ملاحظہ ہو حضرت علیؓ ان کے مطالبہ کو غیر آئینی نہیں فرماتے، نہ یہ فرماتے ہیں کہ تم کو اس مطالبہ کا حق نہیں، بلکہ ورثاء مقتول کو عدالتی چارہ جوئی کرنا چاہیئے، اس کے بجائے وہ اس مطالبہ کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے تاخیر کے لئے اپنا عذر پیش کرتے ہیں کہ بحالات موجودہ باغیوں کی طاقت اتنی زیادہ ہے کہ ان میں سے بعض قاتلین عثمانؓ کو گرفتار کرنا اور سزا دینا غیر ممکن ہے اگر یہ مطالبہ "غیر آئینی" اور "ناحق" تھا تو حضرت علیؓ نے اسے کیوں "آئینی" اور "حق" تسلیم فرما کر معذرت فرمائی؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ جواب تو اس کے آئینی اور حق ہونے کی سند ہے جس کے بعد علامہ جصاص[1] یا اور کسی کا کوئی قول قابل التفات نہیں رہتا۔ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ آئین اسلام کو

---

[1] مودودی صاحب نے اس سلسلہ میں علامہ ابوبکر جصاص حنفی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ بھی ان حضرات کو اس مطالبہ کا حق دار نہیں سمجھتے تھے اور عدالتی چارہ جوئی لازم سمجھتے تھے۔ علامہ موصوف کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ ان سے اس مقام پر سخت لغزش ہوئی ہے تعجب ہے کہ علامہ خود ان لوگوں کو باغی کہتے ہیں اور اس کے بعد ان کے ساتھ

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

سمجھتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور ان حضرات میں جو قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے کوئی فقہی اختلاف نہ تھا حکم شرعی دونوں کے نزدیک ایک ہی تھا دونوں اس بات پر متفق تھے کہ باغیوں کی سرکوبی کرنا واجب ولازم اور ان مفسدوں کو سزا دینا فرض ہے۔ اختلاف صرف اس مسئلہ میں تھا کہ اس فریضہ کو کس طرح ادا کیا جائے؟ اور مصلحتِ امت کا تقاضا کیا ہے؟ آیا فوراً اس شرعی حکم کا نفاذ کر دیا جائے جو آیۂ مقدسہ انما جزاؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ الآیۃ سے ثابت ہو رہا ہے۔ یا کچھ دنوں کے لئے اسے مؤخر کیا جائے۔ خلیفۃ المسلمین کا موقف یہ تھا کہ مرکز خلافت میں یہ مفسد سبائی باغی کثیر تعداد میں موجود ہیں، اگر اس وقت قصاص پر زور دیا گیا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) ہُر امن شہریوں جیسا طرزِ عمل اختیار کرنا لازم قرار دیتے ہیں۔ خود ہی یہ آیت فقاتلوا التی تبغی نقل کرتے ہیں جس کے مخاطب عام مسلمان ہیں (نہ کہ مخصوص طور پر حکومت) اس کے بعد حضرت معاویہؓ وغیرہ کے لئے مطالبۂ قصاص کا حق بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس سے پہلے جو دلائل ہم نقل کر چکے ہیں ان کے مقابلہ میں محض علامہ جصاص کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو خود حضرت علیؓ کا مندرجہ بالا قول ہی علامہ کی غلطی واضح کرنے کے لئے کافی تھا، ظاہر ہے کہ وہ حضرت علیؓ سے زیادہ تو آئینِ اسلامی کو نہیں سمجھ سکتے تھے، یہ بھی واضح رہے کہ یہ علامہ کی ذاتی رائے ہے مذہب اہلسنت والجماعت کی ترجمانی نہیں ہے۔ اس لئے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ احکام القرآن میں "لا ینال عہدی الظالمین" (بقرہ) کی تفسیر کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس مسموم فضا سے خاصے متاثر تھے جو شیعی خیالات کی اشاعت سے پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک فقیہ ہیں، مورخ نہیں۔ ان کی یہ رائے تاریخی روایات پر مبنی ہے اور چونکہ ان کی گہری نظر نہیں تھی ان امور کا لحاظ کیجئے تو ان کی یہ رائے بالکل بے وزن معلوم ہو گی

(باقی صفحہ ۳۱ پر)

تو یہ لوگ خلافتِ مرتضوی رضؓ کے خلاف بھی عَلَم بغاوت بلند کر دیں گے اس صورت میں اول تو اہلِ مدینہ کی تعداد اتنی نہ تھی کہ وہ مفسدین کے اس منظم گروہ کا مقابلہ آسانی کے ساتھ کر سکتے۔ دوسرے اگر وہ مقابلہ کرتے تو خواہ مقابلہ صرف اہلِ مدینہ کرتے یا ان حضرات سے بھی اعانت لیتے جو مطالبہ قصاص کر رہے تھے، دونوں صورتوں میں بلد رسولؐ میدانِ جنگ بنتا۔ یہی وہ چیز تھی جس سے سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے احتراز فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ جان دینا گوارا کیا، مگر مدینۃ الرسول میں خونریزی اور ہنگامہ کو گوارا نہیں فرمایا، اسی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بچنا چاہتے تھے، اور اس بنا پر قصاص کو مؤخر فرمانا چاہتے تھے، یہ رائے اپنی جگہ بالکل صحیح تھی اور اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

دوسری طرف سیدتنا ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف یہ تھا کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔ ایک تو خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا کسی عام شہری کو قتل کرنے سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی بھی ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر یہ باغی گروہ بالکل صاف چھوٹ جاتا ہے تو اسلامی دستورِ حکومت میں ایک نئی دفعہ کا اضافہ ہو جاتا ہے جس کا اضافہ اس کی تحریف کے مرادف ہے۔

یہ اجنبی دفعہ کیا تھی؟ اسے سمجھنے کے لئے باغیوں کے طریق کار پر ایک سرسری نظر ڈال لینا کافی ہے۔ اُنھوں نے سیدنا حضرت عثمانؓ ذی النورین کے خلاف ممالک محروسہ میں شورش برپا کرانا چاہی، لیکن اس میں ناکام رہے، اس لئے کہ عوام الناس

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) اور اگر اس استدلال کو صحیح سمجھا جائے کہ علاوہ جصاص فروع میں حنفی لیکن عقائد میں معتزلی تھے تو ان کی رائے قابل توجہ بھی نہیں رہتی۔ منہ

خلیفۃ المسلمین اور ان کے عمال سے خوش اور مطمئن تھے اور وہ کسی طرح ان مٹھی بھر فتنہ پردازیہود کے ایجنٹوں کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوتے۔

انقلاب کے اس راستہ کو بند پاکر انھوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ خود مرکز پر قبضہ کر لیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کو معزولی پر مجبور کیا جائے اگر نہ مانیں تو انہیں شہید کر دیا جائے۔ اور کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کر کے اسے تا بہ امکان اپنی گرفت میں اس طرح لے لیا جائے کہ وہ ہماری مرضی کے مطابق کام کرے، اور بلطائف الحیل کلیدی اور اہم مناصب پر اپنی پارٹی کے آدمیوں کو مقرر کرا دیا جائے۔ اس طرح اس کے زیر سایہ رہ کر اسلامی ممالک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر اور اپنے فاسد و خلاف اسلام خیالاتِ باطلہ کی اشاعت کر کے مسلمانوں کو گمراہ کیا جائے۔ مکرر عرض کرتا ہوں کہ یہ پوری اسکیم یہودی ذہن کی پیداوار تھی جس میں مٹھی بھر مسلمانوں کی حیثیت محض آلہ کار کی تھی۔

اگر اس جماعت کو کم از کم آئینی سزا نہ دی جاتی کہ ان میں سے ان لوگوں کو چن چن کر قتل کیا جاتا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل میں اہم حصہ لیا تھا۔ تو دستورِ حکومت اسلامیہ میں "انقلاب" کا یہ غلط طریقہ بھی جواز کا درجہ حاصل کر لیتا یعنی ایک قانون یہ ہو جاتا کہ اگر کوئی جماعت، خواہ وہ اقلیت میں ہو اور عوام کی اغلب اکثریت اس کے خلاف ہو، مرکزی حکومت پر قبضہ کر کے خلیفہ سابق کو معزول یا قتل کر دے اور کسی دوسرے خلیفہ کا انتخاب کرے تو یہ صورت بالکل جائز ہوگی، یہ طریقِ انقلاب بھی صحیح سمجھا جائے گا اور اس قتل و فساد کو جرم نہیں سمجھا جائے گا، نہ اس کے مرتکبین کو کوئی سزا دی جا سکے گی۔

جو شخص قرآن و حدیث اور فقہ سے ذرا بھی مس رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ یہ اصول بالکل اسلام کے خلاف اور اسلامی تعلیمات سے نسبتِ

تناقض و تضاد رکھنے والا ہے رہی نہیں بلکہ شاید دنیا کا کوئی آئین جس میں جمہوریت کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو اور رائے عامہ کو کوئی وزن دیا جاتا ہو، اس غلط اصول کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ ام المومنین سیدتنا حضرت عائشہ علیٰ زوجہا و علیہا السلام، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ سمجھ رہے تھے کہ جس قدر دن گذرتے جائیں گے اسی قدر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دینا دشوار ہوتا جائے گا۔

اول تو اس لئے کہ مرور ایام سے جرم کی شہادت اور اس کا ثبوت روز بروز دھندلا ہو کر ایک دن بالکل مخفی اور ناقابل دسترس ہو جائے گا، دوسرے مرکزی حکومت میں اہم درجہ حاصل کر کے اور کلیدی مناصب پر قابض ہو کر باغی اپنی قوت کو برابر بڑھاتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کی پوزیشن اتنی مضبوط ہو جائے گی کہ ان سے قصاص لینا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔[1] اور اگر قصاص نہ لیا گیا تو یہ چیز آئندہ زمانہ میں باغیوں کے اس غیر آئینی طریق انقلاب کی عملی تصویب سمجھی جائے گی اور اسے

---

[1] واقعات شاہد ہیں کہ ان حضرات کا خیال بالکل صحیح تھا۔ کچھ مدت کے بعد یہ سبائی مکر و فریب سے کام لے کر اور اپنے خباثت کو تقیہ کی چادر سے پوشیدہ کر کے بہت سے اہم عہدوں پر فائز ہو گئے۔ قوت حاصل کر کے انھوں نے اپنے عقائد باطلہ اور افکار فاسدہ کی تا بہ امکان خوب اشاعت کی اور ناواقف مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو گمراہ کرنے اور اپنی سراپا فساد و تخریب تحریک میں شریک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی تکنک کو سمجھنے کے لئے موجودہ زمانہ کے واقعات کو سامنے لانا مفید ہے ہندوستان میں ایک مدت تک مرکز کے علاوہ ہر صوبہ میں کانگرس برسر اقتدار رہی ماضی قریب کے الیکشن میں مخالف پارٹیوں نے اس کے خلاف متحدہ محاذ بنایا اور بعض صوبوں میں کامیابی حاصل کی۔ اور متعدد صوبوں میں انہیں وزارت پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ یوپی اور بہار [illegible]

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

قانونی (۷۹۶ ۶۷۷) بنا دے گی۔ اس طرح آئین اسلام میں تحریف ہو گی جو فی نفسہ منفسدہ ہونے کے علاوہ آئندہ بہت سے مفسدوں کا سبب بنے گی۔ مزید براں ان ملحد باغیوں کی گمراہی اور گمراہ کن روش بھی ان سے پوشیدہ نہ تھی یہ بھی اس تعجیل کی محرک تھی۔ یہی وجہ تھی جس کی بناء پر یہ حضرات قصاص لینے کا مطالبہ شدت کے ساتھ کر رہے تھے اور اس میں امکانی تعجیل کے خواہاں تھے۔ انہیں نہ حضرت علیؓ کی خلافت سے کوئی اختلاف تھا۔ نہ ان سے کوئی پرخاش تھی۔ نہ خود زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش تھی۔ جو کچھ یہ کر رہے تھے وہ محض اسلامی دستور و آئین کی حفاظت اور اُمت کو گمراہی سے بچانے کے لئے کر رہے تھے۔ ان کی رائے بھی اپنی جگہ بالکل صحیح تھی اس پر بھی کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت علیؓ نے ان کے اس مطالبہ کو غیر آئینی یا غلط نہیں فرمایا بلکہ فی نفسہ اس کے صحیح ہونے کا اعتراف فرمایا۔ افسوس ہے کہ مورخین اور بہت سے علماء نے ان حضرات کے معاملہ کی بہت غلط تصویر کھینچی ہے اور اس کی صحیح توجیہ معلوم کرتے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) برسر اقتدار آئیں ان میں اکثریت جن سنگھ کی تھی۔ اپنی اکثریت کی وجہ سے اس نے اہم وزارتی قلمدانوں پر قبضہ کر لیا۔ یوپی کے وزیر اعلیٰ اگرچہ جن سنگھ کے ممبر نہ تھے لیکن انہیں اس کی اطاعت پر مجبور کر دیا گیا۔ اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر جن سنگھ نے ہر محکمہ میں آر ایس ایس کے رضاکاروں کو بھر دیا خصوصاً کلیدی عہدوں پر تا بہ امکان انہیں لوگوں کو مقرر کر دیا بہار میں بھی جن سنگھ نے یہی طریقہ اختیار کیا کیرالا میں کمیونسٹوں کا طرز عمل بھی یہی ہے۔ پاکستان میں سر ظفر اللہ قادیانی نے اپنے زمانۂ اقتدار میں محکمہ خارجہ کو قادیانیوں سے بھر دیا تھا۔ اسی طرح سکندر مرزا نے اپنے زمانۂ صدارت میں شیعوں کو ہر محکمہ میں مسلط کر دیا تھا۔ ان واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سبائیوں کا منصوبہ کیا تھا پاکستان میں شیعوں نے تاریخ اپنا سبق دہرا چکی ہے۔ حکومت اور ملازمتوں نیز معاشیات پر شیعہ اسی طرح مسلط

(بقیہ صفحہ ۳۵ پر)

کے لیئے غور و فکر سے مطلقاً کام نہیں لیا۔ اوپر کی سطروں سے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ اور ان حضرات میں نفس مقصد کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہ تھا نہ حکم شرعی میں کوئی اختلاف تھا۔ اختلاف محض مصلحت کے بارے میں تھا حضرت علیؓ کے نزدیک تاخیرِ قصاص میں مصلحت تھی اور ان حضرات کے نزدیک تعجیلِ قصاص میں۔ دونوں مخلص اور نیک نیت تھے۔ دونوں کا مقصد اسلام کی سربلندی، اُمت کی خیرخواہی اور رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ دونوں کے پاس اپنی اپنی رائے کے بارے میں قوی دلیل تھی۔ اور حق یہ ہے کہ دونوں کی دلیلوں کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ ناممکن ہے کہ کس کی رائے زیادہ صحیح تھی، بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ دونوں حق پر تھے۔ حضرت علیؓ کی رائے بھی اپنی جگہ صحیح تھی اور اُنھوں نے جو کچھ کیا اُسے شرعی اعتبار سے کوئی غلط اقدام نہیں کہا جا سکتا۔

آخر میں ہم اس بلے اوبانہ وگستاخانہ عبارت کے متعلق بھی دو کلمے کہنا چاہتے ہیں جو زیرِ تبصرہ کتاب میں اس مسئلہ کے سلسلہ میں سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"انہیں کوئی حق نہ تھا کہ جس خلیفہ کے ہاتھ پر باقاعدہ آئینی طریقہ پر بیعت ہو چکی تھی ۔۔۔ اور ٹھیٹھ جاہلیت قدیمہ کے طریقہ پر یہ مطالبہ کرتے کہ قتل کے ملزموں کو عدالتی

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴) ہو گئے ہیں کہ پاکستان شیعہ سلطنت بن چکا ہے جو کچھ ہوا وہ سُنیوں کی غفلت، بے حسی، بے حمیتی اور نامردی کا نتیجہ ہے۔ جسے اللہ تعالےٰ نے ذرا بھی بصیرت عطا فرمائی ہے وہ ان واقعات کو دیکھ کر اس دور کی سبائی تکنیک اور اس زمانہ کے واقعات کی حقیقت کا اندازہ کر سکتا ہے۔

کاروائی کے بجائے مدعی قصاص کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ خود ان سے بدلہ لے" (ص ۱۲۵، ۱۲۶)

گویا معاذ اللہ ان کا یہ طرز عمل ٹھیٹھ جاہلیت پرستی پر مبنی تھا۔ حق یہ ہے کہ مودودی صاحب کے یہ فقرے خود ان کی "حمیت جاہلیۃ" کی دلیل ہیں ان جیسے لوگوں کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا فیصلہ ملاحظہ ہو:۔

| | |
|---|---|
| اے برادر معاویہ تنہا دریں معاملہ نیست بلکہ نصفے از اصحاب کرام کم وبیش دریں معاملہ بادے شریک اند۔ پس محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دین میخیزد کہ از راہ تبلیغ ایشاں بما رسیدہ است، و تجویز نکند ایں معنی را مگر زندیقے کہ مقصودش ابطال دین است۔ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۵۱ | اے بھائی! حضرت معاویہؓ اس معاملہ میں تنہا نہیں ہیں، بلکہ کم وبیش نصف صحابۂ کرامؓ اس معاملہ میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ پس حضرت علیؓ سے جن حضرات کی جنگ ہوئی اگر وہ کافر یا فاسق ہوں تو آدھے دین سے، جو ان حضرات کی تبلیغ کے راستہ سے ہم تک پہنچا ہے اعتماد اٹھ جاتا ہے، اور اس امر کو تجویز نہیں کرے گا۔ مگر وہ زندیق جس کا مقصود دین اسلام کو باطل قرار دینا ہے۔ |

ان کے مطالبہ کی صحت ہم ثابت کر چکے ہیں۔ تکرار کی حاجت نہیں۔

---

# جنگِ جمل

جی نہیں چاہتا کہ اس اندوہ ناک واقعہ کا تذکرہ کیا جائے جسے تاریخ اسلام میں "جنگ جمل" کے نام کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے اس لئے کہ واقعہ اس قدر اندوہناک اور تکلیف دہ ہے کہ قلب اس کی یاد سے پیدا ہونے والی اذیت کو برداشت کرنے

کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا۔ مگر مودودی صاحب نے اس قدر غلط انداز اور گمراہ کن عنوان سے اس حادثہ جانکاہ کا تذکرہ کیا ہے کہ بادلِ نخواستہ کلیجہ پر پتھر رکھ کر اس کا ذکر کرنا پڑتا ہے تاکہ مودودی صاحب نے اُم المؤمنین اور اکابر صحابہ کے بارے میں جو گمراہ کن اور زہریلے خیالات پھیلائے ہیں ان کے اثر کو زائل کیا جائے دیکھئے تو کس بے باکی سے لکھتے ہیں :۔

"اس سے بھی زیادہ غیر آئینی طریق کار یہ تھا کہ پہلے فریق نے بجائے اس کے کہ وہ مدینہ جا کر اپنا مطالبہ پیش کرتا۔ جہاں خلیفہ اور مجرمین اور مقتول کے ورثاء سب موجود تھے۔ اور عدالتی کارروائی کی جا سکتی تھی، بصرے کا رُخ کیا اور فوج جمع کر کے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ایک خون کی بجائے دس ہزار مزید خون ہوں اور مملکت کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ شریعت الٰہیہ تو درکنار کسی آئین و قانون کی رو سے بھی اسے جائز کارروائی نہیں مانا جا سکتا" (صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵)

مودودی صاحب نے حقائق کو نظر انداز فرما کر اُم المؤمنین سیّدۃ المسلمین حرمۃ رسول اللہ حضرت عائشہ صدیقہ علیٰ زوجہا المصطفیٰ وعلیہا الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے رفقاء پر کئی الزام عائد کئے ہیں جن پر ہم آئندہ سطروں میں نمبر وار بحث کریں گے۔

الزامات درج ذیل ہیں :۔

۱۔ جنگ جمل کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے اور دس ہزار خون ان کی وجہ سے ہوئے (معاذاللہ) اس لئے کہ

۲۔ اُنھوں نے قصاص لینے کے لئے آئینی طریقہ نہیں اختیار فرمایا۔ یعنی مدینہ شریف جا کر عدالتی چارہ جوئی نہیں کی۔

۳۔ ان کا لشکر جمع کر کے بصرے کی طرف رُخ کرنا غیر آئینی طریقہ تھا۔

ان الزاموں کو سامنے رکھ کر ہم اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جنگ جمل کیسے بپا ہوئی؟ اور اس کے بپا ہونے کی ذمہ داری کن افراد یا کس جماعت پر عائد ہوتی ہے؟

امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے جب کہ مدینہ طیبہ پر باغیوں کا تسلط تھا اور آں ممدوح محصور تھے۔ حضرت ام المؤمنین علی زوجہا و علیہا السلام مع صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئیں۔ اس شہادت کبریٰ کی اطلاع انہیں وہیں ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ اور دوسری امہات المؤمنین علیٰ زوجہن المصطفےٰ و علیہن الصلوٰۃ والسلام مکہ معظمہ ہی میں مقیم تھیں کہ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور بہت سے دوسرے اکابر صحابہ و تابعین بھی مدینہ طیبہ سے وہاں پہنچ گئے۔ یہ کیوں چلے گئے؟ ملاحظہ ہو:۔

"جب حضرت علیؓ کے دست مبارک پر بیعت ہوگئی اور حالات کے تقاضے کی وجہ سے قاتلین عثمانؓ کو اقتدار حاصل ہوا، حالانکہ حضرت علیؓ ان کا اقتدار نہیں چاہتے تھے، بلکہ ان سے نفرت کرتے تھے ان کے ادبار کے منتظر اور اس بات کے خواہشمند تھے کہ ان سے حق اللہ لینے پر قدرت حاصل ہوجائے، لیکن جب حالات ایسے ہوگئے اور وہ لوگ اس قدر حاوی ہوگئے کہ حضرت علیؓ کے پاس اکابر صحابہ کی آمد و رفت بھی انھوں نے مسدود کردی تو بنو اُمیہ اور اُن کے علاوہ دوسرے لوگوں کی ایک جماعت یہ رنگ دیکھ کر مکہ معظمہ چلی گئی۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ نے بھی حضرت علیؓ سے عمرہ کی اجازت چاہی اور مکہ معظمہ روانہ ہوگئے، ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مکہ معظمہ چلی گئی [1]"

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ہفتم ص ۲۲۹ واقعہ جمل۔

حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ نیز بعض دوسرے اکابر صحابہ نے جب حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ فرمایا تو حضرت علیؓ — نے جواب میں جو عذر فرمایا وہ ہم نقل کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت باغیوں کی طاقت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ان پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہے۔

اس عذر کی مزید تفصیل مندرجہ ذیل روایت میں ملتی ہے۔

"جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت مسلم ہوگئی تو حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ اور دیگر رؤساء صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے پاس گئے اور ان سے حدود قائم کرنے اور قصاص عثمانؓ لینے کا مطالبہ فرمایا۔ موصوف نے یہ عذر فرمایا کہ ان باغیوں کے بہت سے معاون ومددگار ہیں اور اس وقت انہیں سزا دینا یا ان سے قصاص لینا ممکن نہیں ہے۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے کوفہ اور حضرت طلحہؓ نے بصرے کی گورنری کی درخواست کی تاکہ وہاں سے لشکر لاکر باغیوں کی سرکوبی کی جائے۔ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے اس معاملہ میں کچھ مہلت دو تاکہ میں معاملہ پر غور کرلوں[1]۔

ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھئے تو آپ مندرجہ ذیل نتائج تک پہنچیں گے۔

۱۔ قاتلین سیدنا عثمانؓ یا بالفاظ دیگر باغیوں اور سبائیوں کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ سیدنا حضرت علیؓ انہیں سزا دینے پر قدرت نہ رکھتے تھے۔

۲۔ امور سلطنت پر بھی یہ لوگ بڑی حد تک حاوی ہو چکے تھے۔ اور خلیفۃ المسلمین کو امور سلطنت انجام دینے میں دشواریاں پیش آتی تھیں یہاں تک کہ وہ اکابر صحابہؓ اور رؤساء مدینہ منورہ کو خلیفۃ المسلمین سے ملاقات بھی نہ کرنے دیتے تھے تاکہ ان کا مکروفریب کھلنے نہ پائے۔ اور حضرت علیؓ رؤساء مدینہ اور صحابہؓ سے ربط قائم

---

[1] البدایۃ والنہایۃ صفحہ ۲۲۸ جلد ہفتم ذکر بیعۃ علی رضی اللہ عنہ بالخلافۃ۔

کر کے ان سبائیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکیں ۔ اور ان کی خفیہ تدبیروں کا توڑ نہ ہو سکے ۔ یہ واقعہ صرف اسی روایت سے نہیں بلکہ بکثرت روایات اور واقعات سے ثابت ہے ۔ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔ خود مودودی صاحب نے حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کے مطالبہ قصاص کا جو جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جسے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ۔ اس سے بھی یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ سبائیوں نے انہیں بالکل بے دست وپا بنا دیا تھا ۔ اور وہ معاذ اللہ ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے ۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سبائی یہی چاہتے تھے ان کا منصوبہ ہی یہ تھا کہ کسی شخص کو اپنی قوت سے خلیفہ بنا دیا جائے اور اس کے گرد وپیش ہوشیاری کے ساتھ حصار قائم کر کے ساری قوت اپنے ہاتھ لے لی جائے اور اُسے عملاً شاہ شطرنج بنا کر پالیسی ڈکٹیٹ کرائی جائے ۔ اس طرح اس کی شخصیت اور اس کے نام سے فائدہ اُٹھا کر اپنے ناپاک مقاصد پورے کئے جائیں ۔ لیکن حضرت علیؓ کے اعلیٰ تدبر اور ان کی قابلیت ، دانشمندی اور فراست نے ان لوگوں کو مکمل طور پر کامیاب نہ ہونے دیا اگرچہ وہ بالکل ناکام بھی نہیں رہے بلکہ خاصی حد تک کامیاب ہوئے ۔ واقعات وروایات پر نظر کرنے سے صورت حال یہ نظر آتی ہے کہ یہ لوگ معاملات خلافت پر بڑی حد تک حاوی ہو چکے تھے لیکن علیؓ کی عظیم شخصیت پر حاوی نہ ہو سکے تھے ۔ ممدوح انہیں مفسد اور بد باطن سمجھتے تھے ان سے متنفر اور انہیں سزا دینے کے لئے وقت اور موقع کے منتظر تھے ۔ اس وقت ان لوگوں کی اتنی جرأت تو نہ تھی کہ کھلم کھلا احکام خلیفہ کی خلاف ورزی کریں یا خلیفۃ المسلمینؓ کی بات کو ان کے روبرو رد کر دیں[1] ۔ لیکن طرح طرح کی خفیہ تدبیروں اور فریب کا ریوں

---

[1] یہ اس وقت کا حال تھا کچھ مدت کے بعد تو ان بدباطنوں کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ بعض وقت (باقی صفحہ ۴۱ پر)

سے یہ حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہونے تھے اور اس کا رخ موڑنے میں کامیاب ہوجاتے تھے[1] فریب آمیز تدبیروں اور شیطانی مکائد سے کام لے کر ان لوگوں نے مخلصین پر قدغن کر دیا تھا کہ وہ تا بہ امکان حضرت علیؓ کے پاس نہ پہنچنے پائیں۔ خلیفۃ المسلمین کو یہ لوگ غلط اور جھوٹی خبریں پہنچاتے تھے اور سچی خبروں کو بھی توڑ مروڑ کر اپنے ناپاک مقاصد کے سانچے میں ڈھال کر ان کے سامنے پیش کرتے تھے خود آں ممدوح کی جانب غلط احکام و اقوال کا انتساب کرتے تھے یہ تو اس حد تک ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ جن

---

البقیہ حاشیہ بقیہ صفحہ ۴۰ کھلم کھلا خلیفہ کے احکام سے روگردانی کرتے تھے، اور آں ممدوح کے احکام ماننے سے انکار کر دیتے تھے۔

البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے:

| | |
|---|---|
| واستقر امر العراقیین علی مخالفۃ علیؓ فیما یامرھم بہ وینھاھم عنہ والخروج علیہ والبعد عن احکامہ واقوالہ وافعالہ لجھلھم وقلۃ عقلھم وجفاءھم وغلظتھم وفجور کثیر منھم (جلد ہفتم احوال ۳۸ھ) | عراقیوں کا یہ طریقہ ہو گیا تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے احکام اوامر و نواہی کی مخالفت کرتے تھے اور ان کے احکام نیز اقوال و افعال سے دور رہتے تھے۔ ان کا یہ طرز عمل ان کی جہالت۔ کم فہمی بے حسی اور کند ذہنی نیز ان میں سے بہتوں کے فسق و فجور کا رہین منت تھا۔ |

سیدنا حضرت علیؓ اور ان کے بعد سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہما آخر تک ان بدباطن سبائیوں کے شاکی رہے جو ان حضرات کے دوست نما دشمن تھے۔ منہ

[1] اس حالت کا اندازہ موجودہ زمانہ کی ایک مثال سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ آج امریکہ یا برطانیہ یورپین طاقتوں کی سیاست پر یہودی چھائے ہوئے ہیں اور ان کی پالیسی کا رخ متعین کرنے میں سب سے زیادہ دخل انہیں کو ہے۔ اگر یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ یہ حکومتیں یہود کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہیں (باقی صفحہ ۴۲ پر)

کے فقہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فقہ کا خاصا اثر ہے۔ حضرت موصوف کی نسبت سے صرف وہ روائتیں قبول کرتے ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ان کے پاس پہنچی ہیں بقیہ روایات کو رد کر دیتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ حضرت علیؓ پر سبائیوں نے بہت افترا کیا ہے اور ان کی طرف بکثرت غلط باتیں منسوب ہیں۔ امام بخاریؒ، امام ابن سیرین کی رائے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی طرف نسبت کرکے جو روائتیں بیان کی جاتی ہیں وہ عام طور پر جھوٹی ثابت ہوتی ہیں لہ

آئندہ صفحات میں مناسب مواقع پر انشاء اللہ ان کے حرکات کے نمونے آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ اس مکار اور جعل ساز گروہ کا طریقہ یہ بھی تھا کہ یہ تقیہ، ریا کاری اور خوشامد سے کام لے کر اکابر رجال کے دلوں میں اپنا اعتبار قائم کر لیتا تھا۔ اور بعض اوقات ان حضرات کی مروت و شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا یہ بات پھر مستحضر کر لیجئے کہ اس پوری جماعت کی اصل قیادت یہود کے ہاتھ میں تھی۔ بلکہ بعض یہود تو منافقانہ طور پر اس میں خود شریک تھے۔ اور بہت سے مسلمان غیر شعوری طور پر ان کا آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ دیہات کے جاہل اور دین سے ناواقف مسلمانوں کو خاص طور پر یہ لوگ اپنی تخریبی تحریک اور اپنے گروہ میں شامل کرتے جاتے تھے۔ حضرت علیؓ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے اثر سے بری تھے۔ یہ خلیفۃ المسلمین کو پالیسی ڈکٹیٹ نہیں کرا سکتے تھے۔ لیکن اپنی اس کمزوری کی تلافی اس گیا دار مفسد گروہ نے اس طرح کر لی تھی کہ یہ اپنے مکر و فریب سے کام لے کر ایسے حالات پیدا کر دیتے تھے یا حالات کی ایسی تصویر ان حضرات کے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱) تاہم واقعہ یہ ہے جب ہر باخبر شخص تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ یہ حکومتیں مجبور ہونے کے باوجود یہود کے زیر اثر ہیں۔ اور ان کی پالیسی کو یہ مکار قوم اپنی حسب مرضی رخ دیتی رہتی ہے۔ منہ

لہ بخاری شریف جلد ا مناقب علیؓ۔

سامنے پیش کرتے تھے کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ اور اقدام کریں اور حکومت کی پالیسی ان کی خواہش کے مطابق ہو جائے۔ دوسری طرف اپنی قوت و طاقت بڑھاتے رہتے تھے۔ تاکہ فریب آشکارا ہونے پر خلیفۃ المسلمین ان کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکیں۔ یہ نازک حالات تھے جن سے خلافت اس وقت گزر رہی تھی۔ ان حالات میں ام المومنین اور ان کی جماعت کا مدینہ طیبہ کا رُخ کرنا اور وہاں پہنچکر قصاص کا مطالبہ کرنا کیا مفید ہو سکتا تھا؟ ام المومنین کو ان سب حالات کی اطلاع معتبر ذرائع سے مکہ معظمہ میں ہو گئی تھی۔ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما بھی وہاں پہنچ گئے اُنھوں نے

---

لہ انہیں اور ان کے بعد کے حالات کو دیکھ کر بعض لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت علی رض میں خلافت و حکومت کی صلاحیت کم تھی۔ یہ رائے محض سطحی اور قلت فہم کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حالات میں جس طرح حضرت علیؓ نے خلافت کے وقار کو سنبھالا اور کانٹوں کے درمیان اس گلِ تر کی حفاظت کی وہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ حضرت موصوف اعلیٰ درجہ کے مدبر اور حکمران تھے۔ اگر ان کی جگہ کوئی ایسا شخص خلیفہ ہوتا جو خلافت کی اہلیت میں ان سے کم ہوتا تو یقیناً مدینہ سے خلافت کا خاتمہ ہو جاتا اور اس کی جگہ سبائیوں کی فاسق اور گمراہ سلطنت قائم ہو جاتی۔ جو حالات سبائیوں نے پیدا کر دیے تھے ان میں جتنا کام اُنھوں نے کیا اور جس حد تک اُنھوں نے اس مفسد گروہ کے شر سے اُمت کو محفوظ رکھا اس سے زائد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور بلا شبہ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے جو ان کے اعلیٰ درجہ کے تدبر اور تدبیر مملکت و حکمرانی میں ان کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت و صلاحیت کی روشن دلیل ہے۔ باقی یہ بات صحیح ہے کہ جس طرح فضیلت عند اللہ کے اعتبار سے ان کے پیش رو خلفائے ثلثہ کا مرتبہ ان سے بلند ہے اسی طرح تدبیر مملکت کی صلاحیت (STATESMANSHIP) کی حیثیت سے بھی وہ حضرات حضرت علیؓ سے بہت بلند و برتر نظر آتے ہیں۔

حالات کا تذکرہ کیا۔ دیگر صحابہ جو حالات دیکھ کر مکہ معظمہ چلے گئے تھے ان سے بھی اس کی مزید تصدیق ہوئی۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات قصاص کا مطالبہ کرکے کئی مہینہ تک اس کے پورے ہونے کا انتظار بھی کر چکے تھے یہی نہیں بلکہ حضرت علیؓ کو کوفہ و بصرہ سے فوج لاکر امداد کرنے کی پیش کش بھی کر چکے تھے جسے انہوں نے قبول نہیں فرمایا۔

مندرجہ ذیل روایات ملاحظہ ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنینؓ کو کیا خبریں مل رہی تھیں ام المومنین حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ کا قصد فرما چکی تھیں۔ بلکہ مکہ معظمہ سے نکل چکی تھیں کہ راستہ میں ان کے ننھیالی رشتہ دار حضرت عبید بن ابی سلمہ ملے۔ انہوں نے مدینہ کے متعلق استفسار پر بتایا۔

اخذوا اهل المدينة بالاجتماع على عليؓ والقوم الغالبون على المدينة[1]

باغیوں نے اہل مدینہ پر زور دے کر حضرت علیؓ کی بیعت پر مجتمع کر دیا ہے۔ اور قوم (یعنی باغی) مدینہ طیبہ پر مسلط ہیں

دوسری روایت بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ ام المومنین سے عرض کرتے ہیں:-

فقالا: انا تحملنا بقلتنا هرابا من المدينة من غوغاء واعراب وفارقنا قوما حيارى لا يعرفون حقا ولا ينكرون باطلا ولا يمنعون انفسهم

ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ اپنی قلت کی وجہ سے وہاں سے (مدینہ سے) بھاگ آئے ہیں اور ایسی قوم (باغیوں) کو چھوڑ کر آئے ہیں جو متحیر ہیں نہ حق کو پہچانتے ہیں نہ باطل کا انکار کرتے ہیں اور نہ اپنے نفس کو روکتے ہیں

ان اطلاعات کے بعد کون سمجھدار شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ام المومنینؓ کو مدینہ کا رخ کرنا

---

[1] طبری جلد ۳ حوادث ۳۶ھ

چاہیے تھا؟ اور وہاں آکر سیدنا عثمان رضی شہید کا قصاص طلب کرنا چاہیے تھا!

ظاہر بات ہے کہ ان حالات میں اس مقصد سے ان کا مدینہ شریف آنا بالکل بیکار اور غیر مفید ہوتا خصوصاً جب حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور دوسرے صحابہ کا تجربہ بھی سامنے تھا جو مدینہ میں رہ کر مطالبہ قصاص پیش کر چکے تھے لیکن باوجود اصرار بسیار اور وعدہ اعانت و امداد یہ جائز بلکہ واجب مطالبہ پورا نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ وہ خوب سمجھتی تھیں کہ باغیوں کا اس قدر غلبہ ہے کہ خود خلیفۃ المسلمین بھی اسوقت ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ وہ لوگ خوشی سے یا مرعوب ہو کر قاتلین عثمانؓ کو ہمارے یا حکومت کے سپرد نہ کر دیں گے بلکہ آمادہ جنگ ہوں گے۔ مندرجہ بالا حالات کو دیکھ کر ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ جنگ کے لئے قوت و طاقت کی ضرورت تھی۔ اس وقت ام المومنینؓ کے ساتھ جو جمعیۃ تھی وہ تعداد یا سامان جنگ کسی اعتبار سے بھی اتنی طاقتور نہ تھی کہ مدینہ میں باغیوں کا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ جب مکہ معظمہ میں ام المومنینؓ نے مشورہ فرمایا کہ کہاں چلنا چاہیئے تو۔

فقال بعضهم ليس لكم طاقة باهل المدينة ولكنا نسير حتى ندخل البصرة [1] — ان میں سے بعض نے کہا کہ تم میں اہل مدینہ سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اس لئے ہم بصرہ جائیں گے۔

تیسرا مانع یہ تھا کہ ام المومنینؓ یا ان کے رفقاء کو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تو کوئی پرخاش تھی نہیں نہ یہ حضرات ان سے جنگ کرنا چاہتے تھے لیکن سبائیوں کی فطرت اور حالات کو دیکھتے ہوئے وہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر مدینہ طیبہ جا کر مطالبہ قصاص کیا گیا تو سبائیوں کا گروہ مزاحمت کرے گا۔ یہی نہیں بلکہ

---

[1] طبری جلد ۳ حوادث ۳۶

وہ اپنی فریب کاریوں اور دجالی تدبیروں سے ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقابلہ پر آجائیں گے۔ یہ وہ چیز تھی جس سے یہ حضرات کامل احتراز کرنا چاہتے تھے لے ان حالات کے پیش نظر کوئی سمجھدار اور منصف مزاج آدمی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ ام المومنین علیٰ زوجہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کو مدینہ منورہ کا رخ کرنا چاہیئے تھا۔ ان حضرات کے ساتھ عناد مودودی صاحب کے قلم سے یہ اعتراض تحریر کروا رہا ہے، ورنہ یہ مواقع اور اسباب اس قدر واضح ہیں کہ تاریخ کا معمولی طالب علم بھی انہیں بیک نظر سمجھ سکتا ہے اور اگر بالفرض یہ امور ان کی سمجھ میں نہ آئے تھے تو ان حضرات کے مرتبہ عالی کا مطالبہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ حسن ظن سے کام لیا جاتا اور یہ سمجھا جاتا کہ یہ حضرات یعنی ام المومنین حضرت طلحہ و زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم معاذ اللہ نہ تو مفسد تھے اور نہ کم فہم۔ انھوں نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ کسی مصلحت و ضرورت پر مبنی ہوگا۔ مگر مودودی صاحب کو تو ان حضرات پر اعتراض کرنے کی خواہش تھی۔ جس کی شدت کی وجہ سے نہ انھوں نے فہم سے کام لیا اور نہ حسن ظن سے۔

## امّ المومنین اور اُن کے رفقاء کے مقاصد حسنہ:

ان واقعات کو سطحی انداز سے دیکھنے کی وجہ سے ام المومنین اور ان کے تابعین

لے طبری جلد چہارم احوال ۳۶ھ میں مندرجہ بالا فقرہ ان الفاظ سے مذکور ہے۔ قالوا یا ام المومنین دعی المدینۃ فان من معنا لا یقومون لتلک الغوغاۃ التی بہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے ام المومنین مدینہ کی طرف نہ جائیے اس سے ہماری جمعیۃ ان شورش پسند دل رباغیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو وہاں مقیم ہیں (یعنی ہماری جماعت کی تعداد ان لوگوں سے بہت کم ہے۔ ان روایت سے (باقی صفحہ ۴۷ پر)

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زیر بحث اقدام کے وہ مقاصد عالیہ نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے جو ان کے پیش نظر تھے، اور جن کی اہمیت کو سامنے رکھنے کے بعد ان حضرات کا یہ اقدام امت مسلمہ پر ان کا احسان اور عظیم الشان کارنامہ نظر آتا ہے۔ ان واقعات کو پیش کرنے والے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سوا قصاص عثمانؓ کی طلب اور جذبہ انتقام کی تسکین کے اور کوئی مقصد اس اقدام کا نظر نہیں آتا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت اور ان کے منصب خلافت کا لحاظ کیجئے تو یہ مقصد بھی اپنی جگہ بہت مستحسن اور قابل تعریف قرار پاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر اس سے بلند تر اور عظیم تر مقاصد تھے جنہیں مورخین کی بد سلیقگی اور مطالعہ کرنے والوں کی سطح بینی نے نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ ہم ان روایات کی روشنی میں جنہیں طبری کا تشیع بھی چھپانے کی جرأت نہ کر سکا۔ ان عظیم ہستیوں کے مقاصد عالیہ کو پیش کرتے ہیں انھیں دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر مندرجہ ذیل مقاصد تھے۔

مقصد اول :- باغیوں کی سرکوبی کرنا اور قاتلین سیدنا عثمانؓ کو سزا دینا۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے جس پر سب روایتیں متفق ہیں کسی خاص روایت کو نقل کرنے کی حاجت نہیں۔

مقصد دوم :- محض قصاص لینا ہی نصب مطلوب نہ تھا بلکہ اصل مقصد خلافت اسلامیہ کے وقار اور اس کی عظمت کو باقی رکھنا تھا۔ اس مقصد کی عظمت و اہمیت بیان سے مستغنی ہے۔ رہا یہ امر کہ اس حادثہ فاجعہ سے عظمت و خلافت کو کیا نقصان پہنچا تھا اگرچہ محتاج وضاحت نہیں لیکن چونکہ سبائیوں اور ان سے متاثر ہونے

---

ابن حق منخدہ ۴۵۹) معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ حضرات مدینہ جاتے تو ان کا مقصد باغیوں کی سرکوبی کرنا ہوتا نہ کہ حضرت علیؓ سے لڑنا۔

والوں نے اس کی اہمیت کو کم کرنے کی مستقل کوشش کی ہے۔ اس لئے اسکی قدرے توضیح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وھو ھذا

خیال تو فرمایئے کہ جمہور امت کی مرضی کے خلاف مفسدوں کا ایک گروہ اجو نہ عقل رکھتا ہے نہ رائے۔ نہ عوام مسلمین میں اس کا کوئی وقار ہے نہ وہ کسی کا نمائندہ ہے) اٹھتا ہے اور خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلد رسول ہی میں شہید کر دیتا ہے اور اس کے بعد حکومت پر چھا جانے کی کوشش کرتا ہے اور مرکز پر قابض ہو جاتا ہے کیا یہ خلافت کی انتہائی توہین و تذلیل نہیں ؟

واقعہ اور بھی شنیع اور بھیانک نظر آتا ہے جب ہم اس تاریخی حقیقت پر بھی نظر کرتے ہیں کہ اس گروہ کی اصل قیادت اسلام کے بدترین دشمنوں یعنی یہود کے ہاتھ میں تھی، جن کا مقصد محض اسلام کی ترقی کو روکنا اور نظام خلافت کو پراگندہ کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔ بعض یہود تو پس پردہ قیادت کر رہے تھے اور بعض (مثلاً ابن سبا) نفاق کی چادر میں مستور ہو کر کھلم کھلا اس ناپاک تحریک کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک تعداد ان گمراہ اور مبتدع لوگوں کی تھی جنہوں نے اسلام میں جاہلیت کے لیے جگہ نکالی تھی اور یہود کے گمراہ کن مکائد کا شکار ہو گئے تھے۔ اس جماعت کا تیسرا حصہ ان مسلمانوں پر مشتمل تھا جو اپنی جہالت یا کم فہمی کی وجہ سے یہود کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ ان میں بہت سے دیہاتی گنوار اور پست فطرت غلام شامل تھے۔ اس گروہ کے ہوتے ہوئے غیر آئینی انقلاب پر سکوت کرنے اور ان مفسدوں کو سزا نہ دینے کے معنی یہ ہونے کہ اسلامی سیاست یہود کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے اور وہ جب چاہیں اس

میں تغیر کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام خلافت اور مسلم قوم کی ناقابلِ برداشت توہین تھی۔ اس توہینِ خلافت پر اگر مسلمانوں میں اشتعال نہ پیدا ہوتا تو تعجب تھا اُم المومنین اور اُن کے تبعین کا اس پر مشتعل ہونا ہرگز تعجب خیز نہیں، بلکہ غیرتِ ملی کا تقاضا تھا جس کی تحسین و ستائش ہر صاحب عقلِ سلیم کرے گا۔ مندرجہ ذیل روایت اُم المومنین اور اُن کے رفقاء کے اس مقصد کو واضح کر رہی ہے۔ بصرے کے راستہ میں جب اُم المومنین کے لشکر کا گذر ایک صاحب حضرت ملیح بن عوف السلمی پر ہوا انھوں نے حضرت زبیرؓ سے ملاقات کی اور لشکر کشی کا سبب دریافت کیا جواب میں حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں :-

عُدِیَ علی امیر المومنین رضی اللہ عنہ فقتل بلا ترۃ ولا عذر۔ قال ومن؟ قال الغوغاء من الامصار ونزّاع القبائل وظاهرهم الاعراب والعبید۔ قال فتریدون ماذا؟ قال ننهض الناس فیدرک بهذا الدم لئلا تبطل فان فی ابطاله توهین سلطان اللہ بیننا ابدا اذ لم یفطم الناس عن امثالهم لم یبق امام الا قتله

(حضرت زبیرؓ نے فرمایا) کہ امیر المومنین کو بے قصور ظلماً شہید کر دیا گیا انھوں نے پوچھا کہ کس نے قتل کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اِدھر اُدھر کے شورش پسندوں اور بعض قبائلی اجانب نے جن کی امداد بعض گنواروں اور غلاموں نے کی (امیر المومنین کو شہید کیا ہے) انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ہم عوام مسلمین کو ان مفسدوں کے خلاف کھڑا کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس خون کا انتقام لیا جائے اسے یونہیں چھوڑنے میں ہمارے اس سلطان اللہ کی ہمیشہ توہین ہوا کرے گی اس لئے اگر یہ لوگ اس قسم

هٰذا النصر[1] — کے کام سے روکے نہ گئے تو ہمارا ہرا مام اسی طرح قتل کر دیا جائے گا۔

اس روایت سے آفتاب کی طرح روشن ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر حضرت عثمان رضؓ کا شخصی معاملہ نہ تھا بلکہ خود منصب خلافت کی عزت اور اس کے مستقبل کا مسئلہ بھی تھا۔ وہ بالکل بجا طور پر سمجھتے تھے کہ اگر اس طرح انقلاب کو گوارا کر لیا گیا تو خلافت کا وقار ہمیشہ کے لئے زائل ہو جائے گا اور یہ اتنا بڑا نقصان ہو گا جس کی تلافی کبھی نہ ہو سکے گی یعنی خلافت بازیچۂ اطفال بنی رہے گی اور ایک مفسد پارٹی بادشاہ گر کی حیثیت اختیار کر کے اسلامی سیاست پر حاوی ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو روایتیں بھی قابل ذکر ہیں۔

(۲) لما اجتمع الی مکۃ بنو امیۃ ویعلی بن امیۃ وطلحۃ والزبیر ائتمروا امرھم واجمع ملؤھم علی الطلب بدم عثمان وقتال السبئیۃ حتی یثاروا وینتقموا (طبری حوالہ بالا ص۳۵۷)

جب مکہ میں بنو امیہ اور حضرت یعلی بن امیہ اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم جمع ہوئے تو مشورہ کیا اور سب کا اتفاق اس بات پر ہوا کہ حضرت عثمان کا قصاص طلب کیا جائے تاکہ حضرت عثمانؓ کا قصاص اور انتقام لیا جا سکے۔

یہ روایت بھی پہلی روایت کی تائید کر رہی ہے یعنی ان حضرات کا مقصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا اور سبائی گروہ کی سرکوبی کر کے ان کی کمر توڑنا تھا۔ جنہوں نے بالکل غیر آئینی طریقہ سے نظام خلافت پیدا کرنے کی ناجائز اور انتہائی مذموم کوشش کی تھی اور جو اسلام کو نقصان عظیم پہنچانا چاہتے تھے

---

[1] طبری جلد چہارم احوال ۳۶ھ

بلکہ پہنچا رہے تھے ۔

(۲) دوسری روایت بھی ملاحظہ ہو یہ اُمّ المومنین علیٰ زوجہا المصطفیٰ وعلیہا الصلوۃ والسلام کی اس بلند پایہ تقریر کا ایک اقتباس ہے جو آں معظمہ نے سیدنا عثمانؓ کی خبر شہادت سُن کر مکہ معظمہ واپس آنے کے بعد سب سے پہلے فرمائی تھی۔ ارشاد فرماتی ہیں :-

فلما لم يجدوا حجة ولا عذرا خلجوا وبادوا بالعدوان ونبا فعلهم عن قولهم فسفكوا الدم الحرام واستحلوا البلد الحرام والخلد والمال الحرام واستحلوا الشهر الحرام والله لاصبع عثمانؓ خير من طباق الارض امثالهم فنجاة من اجتماعكم عليهم حتى ينكل بهم غيرهم ويشرد من بعدهم

(طبری جلد رابع احوال ۳۶ھ، ص۴۴۹)

ان ظالموں کو جب ان کے (حضرت عثمانؓ) کے خلاف کوئی دلیل نہ ملی تو وہ جھنجھلا کر ظلم وستم اور قول کے بجائے فعل پر اُتر آئے چنانچہ اُنھوں نے قتل حرام کیا اور ترکِ احترامِ مکان و زمان کے مرتکب ہوئے خدا کی قسم حضرت عثمانؓ کی ایک انگلی ان کے ایسے پوری زمین بھر افراد سے بہتر ہے ان لوگوں کے خلاف تمہارے اجتماع کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے ان کا بُرا انجام دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور ان کے بعد والے منتشر ہو جائیں ۔

یہ روایت بھی بتا رہی ہے کہ اس لشکر کشی کا مقصد یہ تھا کہ سبائی مفسدوں کو پیس کر دوسرے مفسدوں کے لئے سُرمۂ عبرت و بصیرت بنا دیا جائے اور ان کے مرکز بصرے میں ان کی قوت کو شکست دے کر دوسرے مقامات (مثلاً مدینہ طیبہ) میں جو مفسدین ہیں ان میں پراگندگی پیدا کر دی جائے تاکہ انہیں کامل شکست دینا اور ان کی ناپاک تحریک کا استیصال کر دینا آسان ہو جائے۔

## مقصدِ سوم :-

اُمّ المؤمنین سیدتنا صدیقہ علیٰ زوجہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے مقدس لشکر کا تیسرا مقصد اس سے بھی بلند و برتر اور مقدس و مطہر تھا۔ اس عظیم الشان مقصد کا عنوان شریعتِ اسلامیہ یا دستورِ اسلامی کی حفاظت مقرر کیا جا سکتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر یہاں اس کے متعلق کچھ مزید تفصیل کرتے ہیں۔

خلافتِ اسلامیہ کا وجود قوم کے اربابِ حل و عقد اور عام مسلمانوں کے نمائندوں کے مشورے اور اُن کی اکثریت کی رائے سے ہوتا ہے اگر حکومت میں انقلاب پیدا کرنا ہو تو اس کا طریقہ از روئے آئینِ اسلام یہ ہے کہ انہیں اربابِ حل و عقد کی اکثریت خلیفہ کو معزول کر دے۔ کسی ایسی جماعت کا جو عام مسلمانوں کے نمائندوں پر مشتمل نہ ہو۔ اور تعداد کے اعتبار سے بھی اقل قلیل ہو خلیفہ کو معزول یا قتل کر دینا غیر آئینی طریقہ ہے جس کی شریعتِ اسلامیہ اور دستورِ اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کا کوئی آئین و دستور بھی اسے صحیح اور درست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

اگر ان لوگوں کو جنہوں نے انقلابِ حکومت کا یہ غیر آئینی غیر جمہوری اور سراسر ناجائز و حرام راستہ اختیار کیا تھا کوئی سزا نہ دی جاتی اور ان کے اس فعل کے عدمِ جواز کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی واضح نہ کیا جاتا تو آئینِ اسلام میں ایک نئی دفعہ کا اضافہ ہو جاتا۔ یعنی انقلابِ حکومت کا یہ مذموم اور غلط طریقہ بھی جائز اور آئینی قرار پاتا۔ بلاشبہ یہ شریعتِ اسلامیہ اور آئینِ اسلام میں تحریف ہوتی جس کا حرام اور قبیح ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس ناجائز طریقِ انقلاب پر جماعتِ صحابہ کا سکوت اس کے جواز کی دلیل بن جاتا اور یقیناً یہ دلیل اتنی

توی ہوتی جس کا کوئی جواب نہ ہوسکتا۔ یہ کہنا کہ یہ اقدام تو خلیفۃ المسلمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کرتے اس کے لئے اُم المومنینؓ اور اُن کے رفقاء کو اقدام کرنے کی ضرورت نہ تھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت علیؓ باغیوں کو سزا دینے سے اپنی معذوری ظاہر فرما چکے تھے عذر یہ تھا کہ باغیوں کی قوت زیادہ ہے اس وقت ان کے خلاف کوئی اقدام ممکن نہیں۔ لیکن یہ حضرات (اُم المومنینؓ وغیرہ) دیکھ رہے تھے کہ باغیوں کی قوت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اگر انہیں مہلت دی گئی تو ان پر قابو پانا دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا۔ یقیناً اقدام میں اُن کی یہ عجلت بالکل جائز اور نہ صرف جائز بلکہ فرض علی الکفایہ کی ادائیگی اور نتیجہ کی خوبی کی وجہ سے لائق صد تحسین وستائش تھی اسے خطاء اجتہادی کہنا یقیناً خطا اور غلط ہے۔

یہ بھی ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ سبائیوں نے شریعتِ اسلامیہ کے آئین میں تحریف کرنے اور نظام خلافت کو کمزور کرنے کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بہت ہوشیاری کے ساتھ تیار کیا گیا تھا ان کے یہودی دماغ نے انہیں ایسی راہ دکھائی تھی جس نے اصلاح کرنے والوں کی راہ میں سخت رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں۔ انہوں نے کھلم کھلا بغاوت کی اور اصلاح کے نام پر فسادِ عظیم برپا کیا۔ لیکن جمہور مسلمین کے غصہ اور انتقام سے بچنے کے لئے نئے خلیفہ کے انتخاب کی تحریک کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ بلاشبہ حضرت علیؓ کا انتخاب بالکل صحیح اور مناسب تھا۔ اور وہ اس کے اہل تھے۔ لیکن ان باغیوں نے اِن کا نام اِن کے ساتھ کسی عقیدت کی بناء پر نہیں پیش کیا تھا۔ اِسی طرح انھوں نے جو آں ممدوح کو منتخب کرانے میں سرگرمی دکھائی یہاں تک کہ بعض حضرات صحابہؓ کو بیعت پر بزورِ شمشیر مجبور کیا۔ وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی عقیدت یا اُن کی

اہلبیت کے اعتراف پر مبنی نہ تھی بلکہ ان سب باتوں کا منشاء یہ تھا کہ بیعت کر کے اپنی باغیانہ حیثیت پر پردہ ڈال دیا جائے اور حضرتِ علیؓ کا حامی بن کر ان کے سایہ میں پناہ لی جائے۔ تاکہ اگر کوئی ان پر حملہ کرے اور ان کے جرم بغاوت و فتنہ انگیزی کی سزا دینی چاہے تو اسے آسانی کے ساتھ حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی شکل میں پیش کر کے بارگاہِ خلافت کی حمایت حاصل کی جاسکے۔ البدایہ والنہایہ کی مندرجہ ذیل روایت پر نظر فرمایئے :-

"مدینہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد پانچ دن تک غافقی بن حرب[1] کے قبضہ میں رہا۔ باغی تلاش کر رہے تھے کہ کسے خلیفہ بنایا جائے۔ مصری حضرتِ علیؓ (سے قبول خلافت) کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ مگر وہ اس سے گریز فرما رہے تھے بصری حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ مگر انھوں نے یہ منصب قبول نہیں فرمایا۔ کوفی حضرت زبیرؓ کو منتخب کرنا چاہتے تھے مگر وہ بھی روپوش ہوگئے بسب سے مایوس ہوکر انھوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے سامنے یہ منصب پیش کیا مگر انھوں نے بھی انکار فرما دیا پھر ان لوگوں (باغیوں) نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ :-

ان نحن رجعنا بقتل عثمان من غیر امرۃ اختلف الناس فی امرھم ولم نسلم۔

ترجمہ :- (یعنی) اگر ہم حضرتِ عثمانؓ کو شہید کر کے بغیر انتخاب خلیفہ کے اپنے وطنوں کو واپس چلے گئے تو لوگ امر خلافت میں اختلاف کریں گے اور ہم محفوظ نہ رہیں گے۔ اس کے

---

[1] یہ بھی سبائی اور قاتلین عثمانؓ میں سے تھا۔

بعد وہ سب حضرت علیؓ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اس قدر اصرار کیا کہ اُنھوں نے منصبِ خلافت قبول فرما لیا۔ (جلد ہفتم تذکرہ خلافت علویؓ)

یہ روایت دو باتوں کا انکشاف کر رہی ہے :۔

اوّل :۔ ان مفسدوں اور باغیوں کو بحیثیت مجموعی حضرت علیؓ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ تھی اگرچہ ان میں ایسے لوگوں کی بھی خاصی تعداد تھی جو حضرت علیؓ کے متعلق ایسے باطل عقیدے رکھتی تھی جو شیعہ مذہب کی بنیاد بن گئے لیکن بحیثیت مجموعی ان مفسدوں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ وہ خلیفہ ہوتے ہیں یا کوئی دوسرا نہیں تو ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو اپنی عظمت اور مسلمانوں میں مقبولیت کی وجہ سے خلافت کے لیے موزوں ہو سکے۔

دوم :۔ ان کا مقصد انتخاب خلیفہ سے صرف یہ تھا کہ وہ خود اس کے زیرِ سایہ عام مسلمانوں کے غیظ و غضب سے محفوظ ہو جائیں اگر ان کے خلاف اقدام کرنے میں ذرا بھی سستی کی جاتی یا اس پر سکوت کیا جاتا تو ایک طرف تو ان کی پوزیشن زیادہ مستحکم ہو جاتی ، دوسری طرف یہ احتمال یقین سے بدل جاتا کہ انقلاب حکومت کا وہ طریقہ جو ان بدباطن سبائیوں نے اختیار کیا تھا صحیح ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ تو انہیں سزا دینے سے معذور رہا اور اُن کے اس فعلِ قبیح کے بارے میں سکوت پر مجبور تھے۔ دوسرے حضرات صحابہؓ بھی سکوت کرتے تو آئندہ نسلوں کے لیے یہ چیز حجت ہو جاتی اور انقلاب کا یہ طریقہ شرعی اور آئینی قرار پاتا۔ گویا شریعت اسلامیہ اور آئینِ اسلامی میں تحریف ہو جاتی۔ ملحوظ رہے کہ ایسے مواقع پر محض قولی مذمت اور نکیر کافی نہیں ہوتی۔ اس کی بہت سی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ باغیوں کے خلاف عملی کارروائی نہ کرنے کا یہ نتیجہ یقینی تھا کہ دین میں تحریف مذکور ہو جاتی خواہ زبان سے ان پر لعنتوں کے انبار کر دیے جاتے۔ اس زبانی نکیر و مذمت سے زیادہ سے

زیادہ بعد کو آنے والے مسلمان اس طریقہ کی کراہت تنزیہی کے قائل ہو جاتے لیکن اگر اس طریقے سے کوئی انقلاب پیدا کیا جاتا تو اس کی مخالفت میں تلوار لے کر کھڑے ہونے کو کوئی بھی جائز نہ سمجھتا۔

بطور مثال فرض کیجئے کہ ایک اسلامی حکومت قائم ہے اور اس کا نظام شریعت کے مطابق چل رہا ہے اس مملکت میں ایک کمیونسٹ پارٹی بھی ہے جو اس قدر اقلیت میں ہے کہ ایک جمہوری نظام میں اس کی تعداد غیر معتد بہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ پارٹی یکایک چھاپہ مار کر سربراہِ مملکت کو قتل کر دیتی ہے اور حکومت کا تختہ الٹ دیتی ہے۔ کئی دن تک ملک بغیر سربراہ کے رہتا ہے۔ اس کے بعد یہ جماعت کوشش کرتی ہے کہ کسی ذی اثر شخص کو سربراہ بنایا جائے تاکہ وہ عام مسلمانوں کی زد سے محفوظ ہو جائے۔ کچھ صالح لوگ بھی محض اس خیال سے کہ مملکت کا شیرازہ پراگندہ نہ ہونے پائے اس کی تائید کرتے ہیں اور کسی صالح قابلِ اعتماد شخص کو سربراہ منتخب کرتے ہیں اور نئی حکومت قائم ہو جاتی ہے کیا اس طریقِ انقلاب کو جائز کہا جا سکتا ہے؟[1]

سوال سربراہِ مملکت کی شخصیت کا نہیں بلکہ مسئلہ طریقِ انقلاب کا ہے۔ اگر انتخاب کسی ایسی شخصیت کا ہوا ہے جسے قبولِ عام حاصل ہے تو لوگ اس شخصیت کو سرآنکھوں پر بٹھائیں گے۔ لیکن اس کمیونسٹ پارٹی یا بالفاظِ دیگر باغیوں کو سزا

---

[1] اس وقت کمیونسٹ اور امریکی سرمایہ پرست دوسرے ممالک میں انقلاب پیدا کرنے کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ رائے عامہ کے علی الرغم فوج کے ایک طبقہ اور اوباشوں کے ایک گروہ کو ملا کر حکومت پر قبضہ کر لیتے ہیں اور کسی مقبول شخصیت کو شاہ شطرنج بنا کر سربراہ مملکت بنا دیتے ہیں۔ اس طرح باوجود اقل قلیل ہونے کے اکثریت پر حکومت کرتے ہیں۔ کیا مودودی صاحب اس طریقہ کو صحیح سمجھتے ہیں؟

دینے اور کچلنے کی بھی کوشش کریں گے اور اسے اپنا فریضہ سمجھیں گے۔ اس لیے کہ ان کی یہ حرکت بہرحال غیر آئینی یقیناً ناجائز اور مفسدانہ تھی اور یقیناً ان کا طریق انقلاب شرعاً معصیت کبیرہ اور حرام تھا۔

اگر سیدنا عثمانؓ کے معاملہ میں اُم المومنینؓ اور دیگر صحابہؓ کرام نے سکوت فرمایا ہوتا یا تاخیر فرمائی ہوتی تو یقیناً مثال مذکور میں اس طریقِ انقلاب کو ناجائز کہنے والا اور اس کے خلاف شمشیر بکف ہونے والا آج کوئی نہ ہوتا۔ اور اس طریق انقلاب سے مفسدین نہ معلوم کتنی سلطنتوں پر قابض ہو کر انہیں برباد کرتے۔ اُم المومنین عائشہ صدیقہ علی زوجہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کا اُمت پر کتنا بڑا احسان ہے اور یہ ان کی کتنی عظیم الشان دینی خدمت ہے کہ انھوں نے اور ان کے متبعین مثلاً حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعیدؓ بن العاص حضرت مروانؓ وغیرہم نے آئینِ اسلام اور شریعت محمدیہ علیہ الف الف تحیہ کو تحریف و بدعت سے بچا لیا۔ اور ایسی اعلیٰ نظیر قائم کردی جو قیامت تک اُمت کے لئے نہ صرف مشعل راہ بلکہ تحفظِ شریعت و خلافت کے لئے اِن کی حرارتِ ایمانی میں انعاش پیدا کرنے والی ہے۔ ان حضرات کے احسان و اخلاص اور ان کی اعلیٰ درجہ کی فقاہت و

---

لہ جب مصطفیٰ کمال اور اُن کی پارٹی اتحاد و ترقی نے خلافت ترکیہ کا خاتمہ کردیا تو پورے عالم اسلامی میں ہیجانِ عظیم پیدا ہوگیا اور جمہور علماء و عوام مسلمین نے اتحاد و ترقی کی اس کارروائی کو بالکل ناجائز قرار دیا۔ عدم جواز کی دلیل یہ تھی کہ خلافت کا مسئلہ پورے عالم اسلامی سے تعلق رکھتا ہے ایک پارٹی کو اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے باوجودیکہ یہ پارٹی کسی حد تک ترکی عوام کی نمائندگی بھی کرتی تھی۔ لیکن چونکہ اس مسئلہ میں مسلمانِ ترکی کی اکثریت بھی ان کے خلاف تھی اس لئے ان کی نمائندگی کو بھی کالعدم سمجھا گیا اور اُن کے اس ناجائز اقدام پر غم و غصہ

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

حکمت اور فقید المثال دانشمندی کی تعریف نہ کرنا سخت ناانصافی ہے۔ اور اُسے اجتہادی غلطی کہنا تو ان مقدس ہستیوں پر سراسر زیادتی ہے۔ تعجب ہے کہ ان حضرات کا یہ مقصد عظیم ان کے الزام کو خطاء اجتہادی کہنے والوں کی نظر سے مخفی ہوگیا۔ اُنھوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہی دستورِ اسلامی کی حفاظت کا مقصدِ عظیم تھا، جس کے لئے سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے اپنی جان قربان کردی اور اسلام میں اس نوعیت کی قربانی کی پہلی مثال پیش کی۔ آئندہ سطروں سے واضح ہوگا کہ جس حکمت و دانائی اور تدبر و دانشمندی کے ساتھ اُم المؤمنین اور اُن کے رفقاء نے حفاظتِ آئینِ دینِ متین کی خدمت انجام دی ہے اس کے نظائر شاذ و نادر ہی دستیاب ہوسکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل روایت ان حضرات کے اس مقصد کو بیان کررہی ہے۔ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا حج سے فراغت کے بعد بعزم مدینہ طیبہ، مکہ معظمہ سے باہر تشریف لا چکی تھی کہ اُن سے مکہ معظمہ کے ایک ننھیالی رشتہ دار ملتے ہیں اور اطلاع دیتے ہیں کہ ؎

| | |
|---|---|
| قتل عثمان واجتمع الناس علی | حضرت عثمانؓ ظلماً شہید کر دیئے گئے لوگ |
| علی۔ قالت ما اظن ذلک تامًا ردونی | حضرت علیؓ کی خلافت پر متفق ہوگئے ہیں لیکن |
| ما اظن ذلک تامًا ردونی ۔ | شورش پسندوں کا تسلط ہے۔ اس پر |
| فانصرفت راجعۃ الی مکۃ | اُم المؤمنین نے فرمایا کہ مجھے یہ توقع نہیں ہے |

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷) کا اظہار ہر طرف سے کیا گیا احتجاج کرنے والوں میں تلوار سے مقابلہ کرنے کی طاقت و استطاعت نہ تھی ورنہ غالباً وہ مصطفیٰ کمال اور اُن کی پارٹی کے خلاف شمشیر بکف ہو جاتے۔ اسی ہیجان نے تحریک خلافت کو وجود عطا کیا جس سے مسلمانانِ ہند کی سیاسی بیداری کی ابتداء ہوئی۔ غور کیجئے کہ اگر اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا اور ان کے رفقاء کا اسوۂ حسنہ سامنے نہ ہوتا تو یہ سب کچھ کیسے ہوتا اور مسلمانوں میں اس موقعہ پر حرارتِ ایمانی کیسے پیدا ہوتی؟

حتیٰ اذا دخلتھا اتاھا عبد اللّٰہ بن عامر الحضرمی وکان امیر عثمانؓ علیھا فقال ما ردّک یا امّ المؤمنین؟ قالت ردّنی ان عثمانؓ قتل مظلوماً۔ وان الامر لا یستقیم وبھذا الغوغاء امروا طلبوا بدم عثمانؓ تعزّ والاسلام۔

(طبری جلد رابع صفحہ ۴۳۹ احوال ۳۶ھ)

کہ یہ کام (خلافت) پورا ہو سکے۔ مجھے مکہ واپس لے چلو۔ چنانچہ وہاں سے مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئیں۔ مکہ میں داخل ہوئیں تو اُن کی خدمت میں حضرت عبد اللہ بن عامر الحضرمی جو حضرتِ عثمانؓ کی طرف سے امیرِ مکہ مقرر ہوئے تھے حاضر ہوئے اور پوچھا کہ اے اُمّ المؤمنینؓ آپ واپس کیوں تشریف لے آئیں۔ اُنھوں نے جواب میں فرمایا کہ میں اس وجہ سے واپس آ گئی کہ حضرتِ عثمانؓ ظلماً شہید کر دیے گئے اور یہ امر (یعنی انقلابِ حکومت) مستقیم یعنی صحیح طریقہ پر نہیں ہے اور غلبہ شوروشر پسندوں کا ہے تم لوگ حضرت عثمانؓ کا قصاص طلب کر کے اسلام کو غالب کرو (یا عزت دو)

روایت کو ذرا غور سے پڑھیے۔ پہلے "ان الامر لا یستقیم" کے فقرے پر غور فرمایئے کہ "الامر" سے کیا مراد ہے؟ سیاق بتا رہا ہے کہ اس سے مراد وہ واقعہ ہے جو ہو چکا تھا۔ یعنی سیّدنا عثمانؓ کو شہید کر کے حکومت میں انقلاب پیدا کر دینا۔ اُمّ المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ انقلابِ حکومت کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے یعنی غیر آئینی ہے یہ ملحوظ رہے کہ اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد صحیح نہیں۔ یہ بات روایت کے کسی لفظ سے بھی ظاہر نہیں ہوتی نہ سیاق وسباق عبارت میں اس کا کوئی نشان ملتا ہے بلکہ اس کے خلاف ایک قرینہ تو یہ ہے کہ

اگر ام المومنین کو خلافت علویؓ کی صحت سے انکار ہوتا تو صاف صاف فرمائیں کہ یہ خلافت منعقد نہیں ہوئی۔ یہ کیوں فرمائیں "الامر لا یستقیم" یعنی یہ کام صحیح طریقہ سے نہیں ہوا ہے۔ یا بالفاظ دگر جادۂ شریعت سے ہٹا ہوا ہے۔ "لا یستقیم" کا لفظ اور "الامر" کا عموم صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ اعتراض انہیں طریق انقلاب پر ہے نہ کہ نفسِ انقلاب یعنی حضرت علیؓ کی خلافت پر۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اگر ام المومنین کو حضرت علیؓ کی خلافت پر اعتراض ہوتا تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مکہ ہی میں کسی دوسرے کو خلیفہ بنانے کی تحریک فرمائیں۔ لیکن آپ نے اس قسم کا نہ کوئی اقدام فرمایا نہ کوئی ایسا لفظ فرمایا۔ جس سے آپ کا یہ خیال ظاہر ہوتا۔ بلکہ قاتلین سیدنا عثمانؓ کی سرکوبی کا حکم فرمایا۔ حضرت علیؓ کی خلافت سے اختلاف کرنے سے اسے کیا تعلق ہے فقرہ مذکورہ کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ خلافت کا کام صحیح طریقہ سے نہ ہو سکے گا اور حکومت قوی نہ ہوگی۔ اس سے بھی وہی بات معلوم ہوتی ہے یعنی چونکہ اہل ضلال نے انقلاب کا غلط طریقہ اختیار کیا اور انھیں کا غلبہ ہے اس لئے خلافت مستحکم اور مفید نہ ہوگی۔ روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ام المومنینؓ اور اُن کے متبعین کو حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم تھی اور اس سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ اختلاف جو کچھ تھا باغیوں کے غیر آئینی رویہ سے تھا۔ جو یقیناً خلاف شریعت اور سراسر تحریف کے مرادف تھا اس لئے انہیں سزا دے کر وہ دستور اسلامی کو تحریف سے بچانا چاہتی تھیں۔ دوسرا فقرہ "تعز والاسلام" قابل غور ہے۔ حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لے لینے سے اسلام کی عزت یا اس کے غلبہ کے کوئی معنی ہی نہیں۔ خلیفۂ شہید کی شخصیت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو لیکن اسلام کی عزت یا غلبہ کسی امتی کی شخصیت کے ساتھ تو وابستہ نہیں ہے۔ اسلام پر جس چیز کا اثر پڑا وہ باغیوں کا غیر آئینی اور خلاف شریعت طریق انقلاب تھا جس سے اسلام

کی توہین اور شریعت میں تحریف ہو رہی تھی۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ اور اُن کے رفقاء کا ایک بہت بڑا مقصد اسلامی دستور کی حفاظت کرنا اور اسے تحریف سے بچانا اور اس تحریکِ اضلال کو مٹانا تھا جو سیاسی انقلاب کے پردے میں سبائیوں کی طرف سے خاکم بدہنِ اسلام کو مٹانے کے لئے چلائی جا رہی تھی۔ اس مقصد کی وضاحت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے ہم چند سطریں پہلے نقل کر چکے ہیں جن میں آں ممدوح فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| فان فی ابطالہ توھین سلطان | اُسے (شہادتِ عثمانؓ کو) یوں ہی چھوڑ دینے |
| اللہ بیننا ابدا۔ اذلم یعظم | میں ہمارے سُلطان کی ہمیشہ توہین رہو گی |
| الناس فحوا مثالھا لم یبق | اس لئے کہ اگر لوگ اس قسم کے کام سے روکے |
| امام الا قتلہ ھذا الضرب | نہ گئے تو ہمارے ہر امام کو اس قسم کے لوگ قتل کر دیں گے |

روایت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اُمّ المؤمنین کا لشکر صرف اس لئے بصرے کی طرف جا رہا تھا کہ باغیوں کی سرکوبی کر کے انہیں ان کی غیر آئینی حرکت کی سزا دے اور اس طریقِ انقلاب کی غلطی کی حرمت و شناعت واضح کر کے آئندہ کے لئے اس کا سدِّ باب کر دے۔ اس طرح دستورِ اسلامی اور شریعت محمدیہ علیہ الف الف تحیہ سے تحریف و بدعت کو مٹا کر آئندہ کے لئے اس کا راستہ بند کر دے۔ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا مع اپنے فرزندوں کے بصرے کے قریب پہنچتی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کئے ہوئے بصرہ کے گورنر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ دو آدمیوں کو مقصدِ سفر دریافت کرنے کے لئے آں معظمہ کی خدمت میں بھیجتے ہیں۔ ان کے سوال کرنے پر اُمّ المؤمنینؓ اپنی تشریف آوری اور لشکر کشی کا مقصد اس طرح بیان فرماتی ہیں:۔

إن الغوغاء من اهل الامصار ونزاع القبائل غزوا حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم واحدثوا فيه الاحداث، وآووا فيه المحدثين، واستوجبوا فيه لعنة الله ولعنة رسوله مع ما نالوا من قتل امام المسلمين بلا ترة ولا عذر. فاستحلوا الدم الحرام فسفكوه. وانتهبوا المال الحرام واحلوا البلد الحرام. والشهر الحرام ومزقوا الاعراض والجلود. واقاموا فى دار قوم كانوا كارهين لمقامهم ضارين مضرين. غير نافعين ولا متقين لا يقدرون على امتناع ولا يأمنون فخرجت فى المسلمين اعلمهم ما اتى هولاء القوم وما فيه الناس وراءنا. وما ينبغى لهم ان ياتوا فى اصلاح هذا. وقرأت "لا خير فى كثير من نجواهم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بين الناس"

ننهض فى الاصلاح من امر الله عزوجل وامر رسول الله صلى الله عليه وسلم الصغير والكبير والذكر والانثى فهذا شأننا إلى معروف نامركم به ونحضكم عليه ومنكر ننهاكم عنه. ونحثكم على تغيره (طبری جلد چہارم احوال ۳۶ھ)

ترجمہ :۔ مختلف شہروں اور قبائل کے شورش پسند اور فتنہ پرداز لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر پر حملہ کیا اور وہاں بدعتیں ایجاد کیں اور بدعت طرازوں کو اس میں پناہ دی اور اللہ تعالیٰ اور اُن کے رسولؐ کی لعنت کے مستحق بنے۔ اس کے ساتھ امام المسلمین کے خونِ ناحق کے مرتکب ہوئے۔ اس حرام قتل کو انھوں نے حلال بنا لیا۔ ناجائز طریقے سے مال لوٹا۔ اور شہر و ماہ کی حرمت کو

پامال کیا اور لوگوں کی عزت اور ان کی کھالوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ایسے لوگوں کے وطن میں قیام کیا جو اُن کے قیام کو ناپسند کرتے تھے، ان کے ساتھ ان کے لئے باعث ضرر و تکلیف بنے نہ اُنھیں کوئی نفع پہنچایا نہ اللہ سے تقویٰ اختیار کیا۔ لیکن وہ لوگ (اہل مدینہ) نہ ان لوگوں کی حرکات شنیعہ روکنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ اُن کے شر سے مامون ہیں۔ میں مسلمانوں کو یہ بتانے کے لئے نکلی ہوں کہ اس قوم نے کیا کیا ہے اور ہمارے پس پشت لوگ کس حالت میں مبتلا ہیں اور اُنہیں اصلاح حالات کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ اس کے بعد اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ آیتیں تلاوت فرمائیں :-

"ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے البتہ ان لوگوں کی سرگوشیوں میں بھلائی ہے) جو صدقہ یا کسی اچھے کام یا لوگوں کے درمیان اصلاح کو کہیں" ہم اصلاح کے لئے ہر اس شخص کو آمادہ کریں گے جسے اس کار اصلاح کا حکم اللہ تعالیٰ اور اُن کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے یعنی ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت کو۔ پس ہم تمہیں معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے منع کرتے ہیں اور تمہیں اُسے (منکر کو) بدلنے پر آمادہ کرتے ہیں ؛

یہ "احداث" یعنی بدعات کیا تھے جو ان باغیوں نے ایجاد کئے تھے؟ تاریخ شاہد ہے کہ اس اقل قلیل گروہ کا جو کسی کا نمائندہ نہ تھا خلیفہ سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ منصب خلافت سے دست بردار ہو جائیں آئین اسلام میں ایک بدعت تھی۔ اسی طرح انھیں معزول کر دینا اور شہید کر دینا سب امور بدعت اور تحریف شریعت میں داخل تھے۔ اُم المومنینؓ ان مبتدعین کو ان احداث (بدعات) اور تحریفوں کی سزا دینا اور آئین اسلام کو تحریف سے بچانا چاہتی تھیں۔ انقلاب کا یہ غیر آئینی طریقہ وہ "منکر" تھا جسے ... لئے یہ آں معظمہ اپنے فرزندوں کو آمادہ کر رہی

تھیں تا کہ آئینِ اسلام اور دستورِ شرعی تحریف و تبدیلی سے محفوظ رہے۔

روایت سے اتنی ہی بات نہیں معلوم ہوتی ہے بلکہ لفظ "احداث" بصیغہ جمع بتا رہا ہے کہ ام المؤمنین حضرتِ طلحہؓ و زبیرؓ اور ان کے لشکر کے دوسرے سربرآوردہ حضرات کو علم ہو گیا تھا کہ اس سبائی گروہ کا مقصد صرف سیاسی انقلاب نہیں ہے بلکہ اسلام کو مٹانا اور گمراہی پھیلانا ان کا حقیقی مقصد ہے۔ اور یہ سازش حضرت ذی النورین کے خلاف نہیں بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ہے جس کی جڑیں بہت دور تک پھیل چکی ہیں، اور پھیلتی جا رہی ہیں۔ اس شجرہ خبیثہ کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دینے میں انتہائی عجلت سے کام لینا چاہیئے۔ اس روایت سے پہلے ہم ایک روایت نقل کر چکے ہیں جس میں اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے "نحرو الاسلام" کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں۔ وہ بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انہیں اور ان کے تبعین کو سبائیوں کی اس خوفناک تحریک کا علم ہو گیا تھا۔ اور روایت میں لفظ "احداث" کے تحت مذکورہ بالا تحریفِ آئین کے علاوہ ان باطل عقائد و افکار کی اشاعت بھی داخل ہے جو سبائی تحریک کا فکری سرمایہ تھے اور جنھیں میں طبری سے عبداللہ بن سبا کی نسبت سے نقل کر چکا ہوں۔

## مقصدِ چہارم:-

اُمّ المؤمنینؓ، حضرتِ طلحہؓ، حضرتِ زبیرؓ اور ان کے مقدس لشکر کا چوتھا مقصد اس لشکر کشی سے خود حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی اعانت اور امداد کرنا اور خلافت پر ان کی گرفت کو مضبوط کرنا تھا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ سبائیوں کی قوت کا ٹوٹنا حضرتِ علیؓ کے حق میں مفید اور نافع تھا۔ مفسدوں کا یہ گروہ اتنا طاقتور ہو چکا تھا کہ خلیفۃ المسلمین اس پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ سیدنا عثمانؓ کا قصاص نہیں لے سکے

گزشتہ صفحات میں ہم کسی جگہ حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ کا مکالمہ نقل کر آئے ہیں۔ اس میں قصاص نہ لینے کی وجہ آں ممدوح نے بیان فرمائی ہے کہ باغی ابھی اتنے طاقتور ہیں کہ انہیں کیفرِ کردار کو پہنچانا غیر ممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انہیں امورِ خلافت انجام دینے میں بسا اوقات دقت پیش آتی ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ پیش آتی تھی۔ اس طرح مقاصدِ خلافت کے حصولِ کامل میں سبائیوں کا گروہ حائل تھا۔ اسی حقیقت کو اُمّ المؤمنینؓ نے ایک بلیغ جملے میں بیان فرما کر اس کے لئے اپنی فکر مندی کا اظہار فرمایا ہے انقلاب کی خبر سُن کر فرماتی ہیں۔

ما اظن ذٰلک تامًا (طبری) مجھے توقع نہیں ہے کہ یہ امر (امرِ خلافت) پورا ہو سکے۔

جو روایت ہم چند سطریں پہلے طبری سے نقل کر چکے ہیں یہ اُسی کا ایک ٹکڑا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت کے مقاصد (مثلاً قیامِ امن) ان باغیوں کی قوت اور مدینہ پر ان کے تسلط کی وجہ سے پورے طور سے حاصل نہ ہو سکیں گے[1]

---

[1] اس کا یہ مطلب لینا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد مکمل نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ اول تو غیر مکمل یا غیر تام انعقاد کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ منصبِ خلافت ایسی چیز نہیں ہے جس کا تجزیہ کیا جائے اور کامل و ناقص کے درجات میں اسے تقسیم کیا جائے۔ دوسرے ام المؤمنینؓ اور اُن کے رفقاء کے بعد کے طرزِ عمل سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں حضرت علیؓ کی خلافت سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ اگر یہ حضرات خلافتِ علویؓ کے خلاف ہوتے تو کوئی متوازی خلافت قائم کر لیتے۔ مزید یہ کہ یہی لفظ حضرت علیؓ ہی کی خلافت کے لئے ایک دوسرے موقع پر بھی استعمال ہوا ہے طبری میں ایک روایت ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؓ سے حضرت طلحہؓ نے بیعت کی۔ ان کا ایک ہاتھ شل تھا اور اسی سے انھوں نے بیعت کی۔ اس پر ایک شخص نے کہا:- (باقی صفحہ ۶۶ پر)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغیوں کی سرکوبی کر کے خلافت علوی کو "تام" بنانا بھی اُم المؤمنین رضؓ کا ایک اہم مقصد تھا۔

## آئین اسلام، اور اُم المؤمنین اور اُن کے متبعین کا اقدام

مودودی صاحب نے اس مقدس جماعت کے اقدام کو غیر آئینی بتا کر "بعضک الشئ یعمی دیصم" کی ایک مکروہ مثال پیش کی ہے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ قاتلانِ حضرت عثمانؓ باغی تھے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ خلیفہ وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ان باغیوں کو سزا دینے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ وہ خود اس آیت کو متعدد مقامات پر نقل کرتے ہیں۔

"فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ" (الحجرات)

"پس باغی گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی جانب رجوع کرے"

اور اس کے بعد اُم المؤمنینؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور اُن کے لشکر کے اقدام کو غیر آئینی قرار دیتے ہیں۔ فیا للعجب۔

محترم! اُم المؤمنین اور اُن کے متبعین نے اسی آیت پر عمل فرمایا اور آئین اسلام کی یہی دفعہ جسے آیت بیان فرما رہی ہے۔ مسلمانوں پر یہ فرض علی الکفایہ عائد کر رہی تھی کہ وہ باغیوں کی سرکوبی کریں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیں۔ اسی فرض شرعی و آئینی کو ادا کرنے کے لئے ان مقدس ہستیوں نے باغیوں

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) "لا یتم ھذا الامر" (طبری احوال ۳۵ھ) مطلب یہ ہے کہ اس خلافت کو ایسی قوت حاصل نہ ہوگی کہ مقاصد خلافت پورے طور پر حاصل ہو سکیں یہی مطلب اُم المؤمنینؓ کے قول کا سمجھا جائے گا۔

کے خلاف لشکر کشی فرمائی تھی۔ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف جو لشکر کشی کی تھی اس کے مذکرے میں تو آپ کی نظر فوراً اس آیت کریمہ پر پہنچی۔ مگر اس موقعہ پر آپ کی نگاہ سے یہ روشن آیت اوجھل ہوگئی۔ اس کی وجہ سوا اس کے اور کیا سمجھی جائے کہ آپ کو ام المومنین افضل النساء، حرم رسول اللہ سیدتنا و امنا حضرت عائشہ صدیقہ علی زوجہا و علیہا الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے رفقاء حضرت طلحہؓ۔ حضرت زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ۔ حضرت مروان وغیرہم رضی اللہ عنہم کے ساتھ جو عداوت ہے۔ وہ آیت کے اور آپ کی نظر کے درمیان حجاب بن گئی۔

مسئلہ کی مزید توضیح یہ ہے کہ آیت مذکورہ فقاتلوا التی تبغی میں مخاطب عام مسلمان ہیں۔ یعنی جب حکومت اسلامیہ کے خلاف کوئی گروہ بغاوت کرے تو مملکت کے سب مسلمان شہریوں پر علی الکفایہ فرض ہوجاتا ہے کہ وہ خلافت کی اعانت کریں اور باغیوں سے جدال و قتال کر کے ان کی قوت و شوکت کو توڑ دیں۔ یہاں تک کہ وہ خلافت کے مطیع ہوجائیں۔ اگر اس فریضہ کو مسلمانوں کی معتد بہ جماعت جو باغیوں کو شکست دے سکتی ہو۔ ادا کردے تو یہ سب کی طرف سے ادا ہوجائے گا اور اگر معتد بہ جماعت نے اس کی ادائیگی کی طرف توجہ نہ کی تو ان لوگوں کے سوا جو اسے ادا کر رہے ہوں۔ سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔

یہ غلط فہمی نہ ہونا چاہیئے کہ اس آیت میں خطاب صرف حکومت کو ہے۔ اول تو اسلوب کلام ہی اس مفہوم سے ابا کر رہا ہے۔ دوسرے حکومت کو جس کے خلاف بغاوت کی گئی ہے باغیوں سے قتال کا حکم دینے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ وہ تو طبعاً اس اقدام پر مجبور ہے۔ حکم تو ان لوگوں کو دینا ہے جن کا غیر جانب دار ہوجانا بھی ایسے موقع پر محتمل ہے۔

تیسرے اگر اسے حکومت کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر حکومت باغیوں کے مقابلہ میں کمزور ہو تو عوام مسلمین کو خاموش بیٹھ رہنا جائز ہے۔ اور حکومت کی امداد و حفاظت کے لئے باغیوں سے جنگ کرنا فرض نہیں ہے؟ حالانکہ نہ اس کا کوئی قائل ہے اور نہ یہ صورت عقلاً یا نقلاً صحیح سمجھی جاسکتی ہے۔ بات بالکل صاف ہے اس میں خطاب عام طور پر سب مسلمانوں کو ہے۔ خصوصاً جب حکومت کمزور ہو جائے تو یہ فریضہ اور زیادہ قوت و شدت کے ساتھ مسلم پبلک پر عائد ہوتا ہے۔ زیرِ بحث معاملہ میں یہی صورت تھی۔ باغی اتنے طاقتور تھے کہ خلیفۃ المسلمین ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مرکز پر ان کا خاصی حد تک تسلط تھا۔ اہلِ مدینہ ان کے رویہ سے پریشان تھے اس کے ساتھ ان کی ناپاک سازش پھیل رہی تھی اور روز بروز طاقت پکڑتی جاتی تھی۔ جاہل گنوار اور دین سے ناواقف نومسلم اس مفسد گروہ کے فریب کا شکار ہو کر اس میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ ان حالات میں سیّدہ مطہرہ اُمّ المؤمنینؓ اور اُن کے متبعین نے اس مفسد اور بد باطن گروہ کے کچلنے اور اُن کی ناپاک خفیہ تحریک و سازش کو تباہ کرنے کے لئے جو عاجلانہ اقدام فرمایا وہ بلاشبہ بالکل برمحل ضروری اور انتہائی دانشمندانہ تھا۔ یہ حضرات اپنی فراستِ ایمانی سے سمجھ گئے تھے کہ اس بغاوت کے پس منظر میں اسلام کے خلاف ایک بہت خوفناک خفیہ تحریک ہے جسے کچلنے میں امکانی عجلت سے کام لینا چاہیئے اور جسے مہلت دینا بہت خطرناک ہے۔ یقیناً ان کی رائے بالکل صحیح تھی۔ اسی طرح آیۂ شریفہ ۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ الآیۃ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان مفسدوں کو سزا دی جائے اور اُن کے فساد کا استیصال کیا جائے۔

اس آیت پر بھی اُمّ المومنین اور اُن کے متبعین نے عمل فرمایا۔

## بصرے کا رخ :-

مندرجہ بالا پاکیزہ مقاصد کے پیشِ نظر اُمّ المؤمنین رضؓ نے جو جنگی تدبیر (STRATEGY) اختیار فرمائی ۔ وہ نہایت مدبرانہ اور دانشمندانہ تھی ۔ انھوں نے بصرے کا رُخ فرمایا جو سبائیوں کا ایک بہت بڑا مرکز تھا ۔ شہادت ذوالنورین رضؓ کے بعد وہاں مفسد گروہ کے افراد مخفی (UNDER GROUND) ہوگئے تھے اور چپکے چپکے اپنی ناپاک تحریک کو وسیع کرنے کی مذموم کوشش کررہے تھے ۔ اس مرکز کے ٹوٹنے سے مدینہ طیبّہ میں جو سبائی ٹولی جمع تھی وہ اس کی طاقت کا کمزور ہونا ناگزیر تھا ۔ توقع تھی کہ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ ان پر قابو پالیں گے ۔ بصرے کے سبائیوں کو بچانے کے لئے دارالخلافہ سے سبائیوں کا نکلنا متوقع تھا ۔ اس لیے یہ خیال بجا تھا کہ اُن کی قوت تقسیم ہوکر کمزور پڑ جائے گی ۔ اور اہل مدینہ کو ان کے خلاف تیاری کا موقع مل جائے گا ۔ جب تک یہ سبائی بصرے پہنچیں گے اس وقت تک وہاں کے سبائیوں کا قلع قمع ہوچکے گا ۔ وہاں سے حضرت طلحہ رضؓ کے زیر اثر نیز خود اُمّ المؤمنین رضؓ کی تکلیف فرمائی کی وجہ سے خاصی امداد و اعانت حاصل ہوگی ۔ مدینہ سے نکلنے والے سبائیوں کو اس طرف سے پیش کر کچلے گا ۔ دوسری طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں دبائیں گے ۔ اس طرح ان مفسد اور بدباطن باغیوں کا استیصال ہوجائے گا ۔ اور ان کی منحوس تحریک ہمیشہ کے لئے موت کے پاؤں کے نیچے پس کر رہ جائے گی ۔ اگر سبائی مدینہ سے نہ نکلیں گے تو جیسا کہ حضرت طلحہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ سے کہا تھا ۔ بصرے سے فوج بلا کر مدینہ میں باغیوں کا قلع قمع کیا جائے گا ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مندرجہ بالا مقاصد جنگ سے کوئی اختلاف نہ تھا ۔ سیدنا حضرت عثمان رضؓ کا قصاص لینا خلافتِ اسلامیہ کے وقار اور اسلامی دستور کا تحفظ

علی بذاالن باغیوں کا قلع قمع کرنے خلافت خصوصاً مرکز پر سے ان کے دباؤ کو دور کرنا اور مقاصدِ خلافت حاصل کرنے کے راستہ میں جو یہ باغی گروہ رکاوٹیں ڈال رہا تھا ان سے نجات حاصل کرنا۔ ان کی گمراہ کُن تحریک کو کچلنا۔ یہ سب امور ان کے بھی پیشِ نظر تھے اور جہاں تک مقاصد کا تعلق ہے اُمّ المومنین رضؓ۔ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور اُن کی جماعت اور حضرت علیؓ کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ پورا اتفاق تھا۔ اِسی کے پیشِ نظر اول الذکر حضرات نے ان کے لئے باغیوں پر قابو پانے اور اپنی خلافت کو مضبوط بنانے کا بہترین موقع فراہم کر دیا تھا۔

یہ تو ہے حقیقت واقعہ لیکن مودودی صاحب کے قلم شیعیت رقم کی گلرہی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں :-

" لیکن کسی حکومت سے انصاف کے مطالبے کا یہ کونسا طریقہ ہے اور شریعت میں کہاں اس کی نشان دہی کی جا سکتی ہے کہ آپ سرے سے اس حکومت کو جائز حکومت ہی اس وقت تک نہ مانیں جب تک وہ آپ کے اس مطالبہ کے مطابق عمل درآمد نہ کر دے۔ حضرت علیؓ اگر جائز خلیفہ تھے ہی نہیں تو پھر ان سے اس مطالبہ کے آخر معنی کیا تھے کہ وہ مجرموں کو پکڑیں اور سزا دیں۔ کیا وہ کوئی قبائلی سردار تھے جو کسی قانونی اختیار کے بغیر جسے چاہیں پکڑ لیں اور سزا دے ڈالیں " صـ۱۳۴

معلوم نہیں " انصاف " کے مطالبہ سے مودودی صاحب کی مُراد کیا ہے؟ اگر وہ یہ سمجھے ہیں کہ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کا مطالبۂ قصاص عدالتی چارہ جوئی کی نوعیت کا تھا تو یہ ان کی غلط فہمی ہے ان کا مطالبہ حضرت علیؓ کے عادلانہ اختیارات (JUDICIAL POWERS) سے نہیں تھا بلکہ ان کے حاکمانہ اختیارات (EXICUTIVE POWERS) سے تھا کہ وہ ان سے کام لے کر باغیوں کی

سرکوبی کریں۔

افسوس ہے کہ مودودی صاحب ان دونوں کا فرق نہیں سمجھ سکے۔ یہ مطالبہ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں آیۂ مقدسہ فقاتلوا التی تبغی الآیۃ اور آیۂ کریمہ انما جزاء الذین الآیۃ پر مبنی تھا۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اسم گرامی اس سلسلہ میں ذکر کرنا صحیح نہیں۔ اُنھوں نے تو کوئی مطالبہ ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ باغیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے صریح حکم اور مسئلہ شرعی کے بموجب بنفسِ نفیس اقدام فرمایا تھا۔ جس سے ان کے اور اُن کے رفقاء حضرت طلحہؓ و زبیرؓ و دیگر اہلِ عسکر کے مقاصد وہی تھے جن کی توضیح ہم اوپر کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک مقصد خود حضرتِ علیؓ کی اعانت و امداد کرنا بھی تھا۔ معلوم نہیں مودودی صاحب نے کس مستند روایت کی روشنی میں یہ انکشاف فرمایا ہے کہ یہ حضرات حضرت علیؓ کی حکومت کو جائز حکومت نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے تو کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ یہ حضرات (اُم المومنین وغیرہ) خلافتِ علوی کے منکر تھے۔ یہ مودودی صاحب کی ذہنی اختراع ہے جس کا نام عرفاً بہتان و افترا ہے۔ غور تو کیجیے کہ اگر ان حضرات کو حضرتِ علیؓ کی خلافت پر اعتراض ہوتا یا اُن کی حکومت کو جائز تسلیم کرنے میں تامل ہوتا تو یہ مکہ ہی میں متوازی حکومت قائم کر لیتے۔ وہاں تو بنو امیہ بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ جو بقول مودودی صاحب حضرت علیؓ کے مخالف تھے اور اقتدار کے خواہشمند تھے اُم المومنینؓ سیدنا عثمانؓ کا قصاص لینے کے لئے عامۃ المسلمین کو آمادہ کرتی ہیں۔ اور اس کے لئے تقریر فرماتی ہیں۔ اس تقریر میں حضرت علیؓ کی مخالفت یا ان کی خلافت کے ناجائز ہونے کی طرف اشارۃً تک نہیں ملتا۔ بصرے پہنچ کر بھی ان حضرات کے کسی قول یا فعل سے اس چیز کا ثبوت تو کیا، وہم بھی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ حضرت علیؓ کی

خلافت و حکومت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ یا ان کے خلاف کوئی محاذ تیار کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اس کے برخلاف اُم المومنینؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور اُن کے متبعین کا طرزِ عمل واضح طریقہ سے بتا رہا ہے کہ وہ حضرت علیؓ یا ان کے گورنر عثمان بن حنیفؓ سے کسی قیمت پر بھی جنگ کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور صرف قاتلان حضرت عثمانؓ یعنی سبائیوں کو سزا دینا چاہتے تھے۔ آئندہ صفحات میں انشاء اللہ آپ اس کی تفصیل پڑھیں گے۔

اس موضوع پر تیسری دلیل مندرجہ ذیل روایت ہے۔ جو صاف و صریح طور پر اس بہتان کی تردید کر رہی ہے۔ روایت کا پس منظر یہ ہے کہ اُم المومنینؓ کا مقدمہ لشکر بصرے پہونچتا ہے۔ اور حضرت عثمان بن حنیفؓ گورنر بصرہ آمد کا سبب دریافت کرنے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجتے ہیں۔ وہ اُم المومنینؓ سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ سے سبب آمد دریافت کرتے ہیں۔ وہ بھی ام المومنین کی طرح قصاص سیدنا عثمانؓ کو لشکر کشی کا سبب بیان فرماتے ہیں۔ اس پر حضرت طلحہؓ سے سوال کیا جاتا ہے۔ الم تبایع علیاً؟ کیا آپ نے حضرت علی سے بیعت نہیں کی تھی؟

مطلب یہ تھا کہ جب آپ ان سے بیعت کر چکے ہیں تو ان کی پالیسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ یعنی جس طرح اُنھوں نے سردست قصاص خلیفہ کو ملتوی کر دیا ہے، آپ کو بھی ملتوی کر دینا چاہیئے۔ حضرت طلحہؓ جواب دیتے ہیں۔

"قال. بلی والسیف علی عنقی وما استقیل علیاً۔ ان هو لم یحل بیننا وبین قتلة عثمانؓ" [1]

---

[1] طبری جلد رابع احوال ۳۶ھ

"حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ ہاں میں نے بیعت کی تھی مگر اس حالت میں کہ تلوار میری گردن پر تھی۔ (لیکن باوجود اس کے) میں حضرت علیؓ سے بیعت نہیں توڑوں گا۔ جب تک وہ ہمارے اور قاتلین حضرت عثمانؓ کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔"

اسی روایت میں ہے کہ یہی جواب حضرت زبیرؓ نے بھی دیا۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ان حضرات نے حضرت علیؓ سے بیعت بھی نہیں توڑی تھی۔ چہ جائیکہ ان کی خلافت کو ناجائز خلافت سمجھتے یا ان کے خلاف جنگ کا ارادہ کرتے [1]

اُم المؤمنین حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اپنے لشکر کے ساتھ بصرے پہنچتے ہیں۔ وہاں کے گورنر حضرت عثمان بن حنیفؓ انہیں بصرے میں داخل ہونے سے روکنا اور لشکر کو واپس کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے ایک خطبہ دے کر بصرے کے عوام کو اپنی امداد و اعانت پر برانگیختہ کرتے ہیں۔ تو حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہو کر کہتا ہے :۔

اومن عهوا الا قتلة عثمان — کیا ان لوگوں یعنی اُم المومنینؓ وغیرہ نے

---

[1] ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب طبری کی اس روایت کا سہارا لیں جس میں مذکور ہے کہ مکہ میں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور دیگر حضرات اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے گھر میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور اس کے بعد کہا فقالوا نصیر الی علیؓ فنقاتلہ۔ انھوں نے کہا کہ ہم حضرت علیؓ کی طرف جائیں اور ان سے جنگ کریں۔ جواب یہ ہے کہ اول تو اس میں "قالوا" کے قائل کا نام مذکور نہیں بہت سے لوگ جمع تھے معلوم نہیں کس نے یہ بات کہی حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو اس کا قائل قرار دینا بالکل بے دلیل ہے۔ دوسرے جو قرائن اور روائتیں اوپر ہم نے ذکر کی ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے یہ روایت بالکل موضوع اور من گھڑت معلوم ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہی مشورہ کا

(باقی صفحہ ۷۴ پر)

رضی اللہ عنہ فما تمافزعوا الینا یستعینون بنا علی قتلۃ عثمان منا ومن غیرنا "

(طبری احوال ۳۶ھ)

یہ کہا ہے کہ ہم حضرت عثمانؓ کے قاتل ہیں؟ "بلکہ وہ تو صرف قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہم سے امداد حاصل کرنے کے لئے ہمارے پاس آئے ہیں. خواہ وہ قاتلینِ حضرت عثمانؓ ہم میں سے ہوں یا ہمارے علاوہ دوسرے میں سے۔"

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُم المومنینؓ. حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کا ارادہ صرف قاتلین سیدنا عثمانؓ کی سرکوبی کرنے کا تھا. خلافتِ علوی کے جواز کو چیلنج کرنے کا خیال ہی ان کے ذہن میں نہ تھا. یہاں تک کہ بصرے کے لوگ بھی ان کے تشریف لانے اور لشکر کشی کرنے کا مقصد صرف اتنا ہی سمجھتے تھے اور باغیوں کے علاوہ دوسرے لوگ ان کی لشکر کشی کو اپنے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ طبری ہی نے احوال ۳۶ھ کے اسی سلسلہ میں محدثین کی مندرجہ ذیل روایت بھی بیان کی ہے. جو ان حضرات کے ارادے کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر رہی ہے۔ سیدنا حضرت عثمانؓ محصور ہیں۔ اور باغیوں کا غلبہ ہے۔ ان کے تیور دیکھ کر حضرت احنف بن قیسؓ کو یقین ہو گیا کہ خلیفۃ المسلمینؓ کو ضرور شہید کر دیا جائے گا۔ اس واقعہ کو ذکر کرکے وہ فرماتے ہیں:۔

"قال الاحنفؓ فلقیت طلحۃؓ والزبیرؓ" (حضرت احنفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳) واقعہ متعدد طریقوں سے متعدد روایتوں میں مروی ہے لیکن کسی میں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ یہ حضرات حضرت علیؓ سے جنگ کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس سے بھی اس روایت کا باطل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ منہ۔

فقلت فمن تامرانی به
وترضیانه لی۔ فانی لا اری
هذا الرجل الا مقتولا
قال علیؓ فقلت اتامرانی
به وترضیانه لی۔ قالا نعم
فانطلقت حتی قدمت
مکة نبینا نحن بها
اذا اتانا قتل عثمانؓ وبها
عائشة اُم المؤمنینؓ فلقیتها
فقلت فمن تامرینی ان
ابایعها قالت علی۔ قلت
اتامرینی به وترضینه لی۔
قالت نعم فمررت علی
علیؓ بالمدینة فبایعته"

(طبری احوال ۳۶ھ)

"حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ سے ملاقات کی اور
کہا کہ میری رائے میں یہ بزرگ "حضرت عثمانؓ"
ضرور قتل کر دیے جائیں گے تو آپ مجھے کس
سے بیعت کرنے کی رائے دیتے ہیں اور کس
کی حکومت میرے لئے پسند کرتے ہیں؟ تو
دونوں حضرات نے فرمایا کہ حضرت علیؓ۔ میں
نے کہا کہ کیا آپ ان سے بیعت کرنا میرے لئے پسند فرماتے
ہیں اور اسکا مجھے حکم دیتے ہیں؟ تو دونوں حضرات نے
فرمایا کہ ہاں۔ پھر میں مکہ معظمہ چلا گیا وہاں
اُم المومنین حضرت عائشہؓ تشریف فرما تھیں
وہاں پہنچتے ہی مجھے حضرت عثمانؓ کی شہادت
کی اطلاع ملی تو میں اُم المومنین کی خدمت
میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کا کیا حکم ہے
میں کس سے بیعت کروں اُم المومنینؓ نے
فرمایا کہ حضرت علیؓ سے میں نے عرض کیا کہ کیا
آپ مجھے اس کا حکم دیتی ہیں اور میرے لئے
اسے پسند فرماتی ہیں؟ جواب میں آں معظمہؓ
نے فرمایا کہ ہاں۔ چنانچہ میں حضرت علیؓ کے
پاس مدینہ منورہ آیا اور ان سے یعنی حضرت
علیؓ سے بیعت کی۔"

اس روایت سے عیاں ہے کہ اُم المومنینؓ، حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کو ذرہ

برابر بھی مخالفت حضرت علیؓ کے ساتھ نہ تھی۔ وہ خود انہیں خلیفہ تسلیم کرتے تھے۔ ان کی حکومت کو بالکل جائز حکومت سمجھتے تھے یہاں تک کہ دوسروں کو بھی ان سے بیعت کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

مندرجہ بالا عقلی و نقلی دلائل سے بالکل واضح ہو گیا کہ ام المومنینؓ و حضرت طلحہؓ و زبیرؓ حضرت علیؓ کی خلافت کو بالکل جائز سمجھتے تھے اور ان کی لشکر کشی ہرگز حضرت علیؓ کی مخالفت کے لئے نہیں تھی۔ بلکہ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے ان کی اعانت کے لئے تھی۔ ان پر یہ الزام کہ وہ حضرت علیؓ کی حکومت جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بالکل بے بنیاد افترا اور بہتان ہے۔ اس واقعہ کو بھی پیش نظر رکھئے کہ ام المومنینؓ نے تو حضرت علیؓ سے قصاص خلیفہ شہیدؓ کا مطالبہ ہی نہیں کیا اس لئے کہ وہ مدینہ طیبہ میں موجود نہ تھیں۔ انھوں نے تو خبر شہادت سنتے ہی باغیوں کے خلاف براہ راست اقدام فرمایا۔ البتہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے مدینہ طیبہ سے نکلنے سے قبل یہ مطالبہ حضرت علیؓ سے کیا تھا۔ لیکن ان کا مطالبہ بحیثیت ایک شہری کے تھا۔ اور بالکل مسلمہ واقعہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی حکومت کو جائز سمجھتے تھے اور ان کے مطیع و منقاد تھے[1] اس کے بعد وہ مدینہ طیبہ سے چلے گئے۔ اور ام المومنینؓ کے ہمرکاب ہو کر انھوں نے سبائیوں کے خلاف خود اقدام فرمایا۔ حضرت علیؓ سے قصاص کا مطالبہ نہیں فرمایا۔ پھر یہ کہنے کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے کہ انھوں نے مطالبہ اس

---

[1] مطالبہ کر کے انھوں نے اس کے پورا ہونے کا کئی ماہ انتظار بھی فرمایا۔ فوجی امداد کی پیشکش بھی کی۔ مگر مطالبہ پھر بھی پورا نہ ہوا تو وہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ورثاء حضرت عثمانؓ نے بھی حضرت علیؓ کے عادلانہ اختیارات سے دادرسی کی درخواست کی تھی۔ مگر دعویٰ خارج کر دیا گیا۔

طریقے سے کیا تھا کہ "جب تک ہمارا مطالبہ پورا نہ ہوگا اس وقت تک ہم اس حکومت کو جائز حکومت ہی نہ سمجھیں گے"!

لطیفہ یہ ہے کہ مودودی صاحب نے یہ کہہ کر کہ جب وہ جائز حکومت ہی نہ تھی۔ تو اس سے مطالبہ کیسے صحیح تھا؟ خود اپنے دعوے کی تردید فرما دی ہے۔ واضح بات ہے کہ مطالبہ کرنا تو اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ حضرات حضرت علیؓ کی حکومت کو جائز تسلیم کرتے تھے۔ مودودی صاحب کے غلط دعوے اور بہتان طرازی کی قلعی تو کھل گئی۔ لیکن یہاں پہنچ کر قاری کے ذہن میں یہ سوال فطری طور پر پیدا ہونا چاہئے کہ جب اُم المومنینؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور ان کے متبعین میں سے کسی کا ارادہ حضرت علیؓ کی مخالفت کا نہ تھا۔ نہ یہ حضرات اُن کی خلافت کے منکر تھے تو آخر جنگ جمل کیوں ہوئی؟ اور جب حضرت علیؓ بصرے پہنچتے ہیں تو دونوں جماعتیں دو مخالف کیمپوں میں کیوں نظر آتی ہیں؟ اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ ہے۔ نہ صرف اس لئے کہ یہ ناظرین کے ذہنی خلجان کا باعث ہو سکتا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ اس کے صحیح و تحقیقی جواب سے ایک سخت اور نقصان رساں غلطی کا انشاء اللہ ازالہ ہو جائے گا۔ جو صدیوں سے عوام ہی میں نہیں بلکہ بہت سے کبار علماء کے ذہن پر بھی چھائی ہوئی ہے۔ اور سبائیوں کے مکر و فریب اور اُن کے پروپیگنڈے کی کامیابی کی ایک حیرت انگیز مثال ہے۔ عام طور پر جو تصویر جنگ جمل اور اُس کے ماقبل کے واقعات کی کھینچی جاتی ہے۔ اس میں یہ منظر سامنے آتا ہے کہ ان واقعات و حوادث کا مجموعہ حضرت علیؓ کی خلافت سے ناراضگی کا رہین منت اور اُن کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے مترادف ہے۔ یہ تصویر درحقیقت سبائی قلم کی صناعی اور نظر فریبی کا نمونہ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اہل سنت کا ایک طبقہ بھی ان کے فریب میں مبتلا ہو کر واقعات کو اسی شکل میں دیکھتا ہے جو تاریخ پر سطحی انداز سے نظر کرنے کا نتیجہ ہے ان

حضرات نے اس سلسلۂ واقعات کی آخری کڑیوں کو تو دیکھا مگر اس کا ابتدائی اور درمیانی حصہ بالکل نظر انداز کر گئے۔ مودودی صاحب نے بھی ان واقعات کو پیش کرنے کا وہی سبائی طرز اختیار کیا اور بحیثیت مجموعی واقعات پر یہ حکم لگا دیا کہ یہ حوادث حضرت علیؓ کی حکومت کو ناجائز سمجھنے کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ انھوں نے مطالبہ قصاص کے ساتھ یہ شوشہ لگا کر کہ کسی حکومت سے انصاف کے مطالبہ کا یہ کونسا طریقہ ہے؟ کہ آپ اس حکومت کو جائز حکومت ہی نہ مانیں الخ بہت ہوشیاری کے ساتھ مطالبہ قصاص کا جوڑ حضرت علیؓ کی خلافت کی ناگواری کے ساتھ لگانے کی کوشش کی ہے حالانکہ موصوف تو تحقیق کے دعویدار ہیں انہیں پہلے ان حوادث و واقعات میں سے ہر ایک پر الگ نظر کرنی چاہیئے تھی۔ اور تجزیہ و تحلیل کے عمل کے بعد ان پر بحیثیت مجموعی غور کرنا اور حکم لگانا چاہیئے تھا۔ اس طرز کو اختیار کر کے اُنھوں نے اپنے مقتدا سبائیوں کے اس کیدِ عظیم کی پردہ پوشی کرنے کی بقدر امکان کوشش کی ہے۔ جو جنگ پر منتج ہوا اور جس کی وجہ سے حضرت اُم المومنین کی جماعت اور حضرت علیؓ کی وہ تدبیر پورے طور پر کامیاب نہ ہوسکی۔ جو یہ حضرات سبائیوں کی ملعون سازش و تحریک کو ختم کرنے اور اُمت کو اس کے ہلاکت خیز نتائج سے بچانے کے لیئے کر رہے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل سطور ذیل میں ملاحظہ ہو۔

اُم المومنینؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ کا مقدس لشکر جب اسلام کے مارِ آستین یعنی قاتلین سیدنا عثمانؓ کی سرکوبی کے لئے بصرے روانہ ہوا تو ان حضرات کی اعلیٰ جنگی و سیاسی تدبیر کو یہودی دماغ سمجھ گیا۔ اور اسے ناکام بنانے کے لیئے اس نے جوابی تدبیر یہ کی۔ کہ ان کی جنگی سرگرمیوں کا رُخ سیدنا حضرت علیؓ کی طرف دکھانے کی کوشش کی۔ ہم پچھلے صفحات میں ثابت کر چکے ہیں کہ مکہ میں اور اس سے روانگی کے بعد فتح بصرہ تک کسی مرحلہ

پر ان حضرات کے دل میں حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کرنے کا ادنیٰ خیال بھی نہ تھا۔ لیکن اس مفسد گروہ نے ان کی نقل و حرکت کی ہر خبر کو حضرت علیؓ کے سامنے توڑ مروڑ کر اس طرح پیش کیا۔ کہ جس سے یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان سب کی پیش قدمی خود اُن کے خلاف ہو رہی ہے۔ اور یہ حضرات ان سے بغاوت کر کے انہیں منصب خلافت سے معزول کرنا چاہتے ہیں۔ سبائی حضرت علیؓ کے سامنے ان معاملات کو کس طرح پیش کرتے تھے۔ اس کے ایک نمونہ پر نظر فرمالی جائے۔

جب حضرت علیؓ نے شام پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو اعانت کے لئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی دعوت دی۔ موصوف نے جنگ میں شرکت سے انکار فرمادیا اور بیعت پر قائم رہتے ہوئے اس معاملے میں غیر جانبداری پر اصرار کیا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اس اختلاف میں یہ واضح نہ ہوا تھا کہ کون حق پر ہے اور کون غلطی پر ہے؟ دونوں ہی حق پر نظر آتے تھے۔ اور یہ ایک فتنہ تھا جس میں مسلمان مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی ان سے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ لیکن حضرت عبداللہؓ نے مناسب سمجھا۔ کہ وہ کچھ دنوں کے لئے مدینہ منورہ سے باہر چلے جائیں۔ اس غرض سے وہ راتوں رات مکہ معظمہ کی طرف نکل گئے۔ صبح اُن کی روانگی کی خبر مشہور ہوئی۔ ملاحظہ ہو کہ سبائی اس خبر کو حضرت علیؓ کے سامنے کس طرح پیش کرتے ہیں:۔

واصبح علیؓ فقیل حدث البارحة حدث ھو اشد علیک من طلحةؓ والزبیرؓ وام المؤمنینؓ ومعاویةؓ قال وما ذاک قال خرج ابن عمرؓ الی الشام[1]

صبح کو حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ رات کو ایک حادثہ پیش آیا ہے جو حضرت طلحہؓ زبیرؓ۔ ام المومنینؓ اور معاویہؓ کے معاملہ سے بھی زیادہ سخت ہے موصوف نے پوچھا وہ کیا؟ کہنے والے نے کہا حضرت ابن عمرؓ شام چلے گئے۔

---

[1] طبری ج ۴ حوادث ۳۶ھ

اس خبر کو سن کر حضرت علیؓ خود بازار تشریف لائے۔ اور ہر طرف انہیں روکنے اور واپس لانے کے لیے سوار دوڑ لیے۔ کہ اتنے میں حضرت علیؓ کی صاحبزادی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سوتیلی ماں حضرت ام کلثومؓ تشریف لائیں اور حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ:-

"ان الامر علی خلاف ما بلغته وحدثته قالت انا ضامنة له فطابت نفسه وقال انصرفوا فوالله ما کذبت وما کذب وانه عندی ثقة" [1]

جو بات آپ تک پہنچائی گئی ہے اور آپ سے بیان کی گئی ہے حقیقت واقعہ اس کے بالکل خلاف ہے اور میں ان کی ذمہ دار ہوں ان کی اس بات سے حضرت علیؓ بہت خوش ہوئے اور لوگوں سے فرمایا کہ واپس جاؤ نہ انھوں نے جھوٹ کہا (ابن عمرؓ نے) اور وہ میرے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔"

غور فرمایئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت علیؓ سے بیعت کر چکے تھے۔ ان کے مطیع و منقاد تھے۔ صرف حضرت معاویہؓ سے جنگ کے بارے میں غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ اور ان کی اس پوزیشن کو حضرت علیؓ نے بھی منظور کر لیا تھا۔ لیکن ان سبائیوں نے ان کی غیبوبت کو کس عنوان سے پیش کیا؟ انہیں باغی و بد عہد ظاہر کیا پھر کس بھیانک عنوان سے؟ کہ صاحب معاملہ کے خواہ مخواہ جذبات برانگیختہ ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان مفسدوں کو ان کی منزلِ مقصود خبر نہ ہو۔ اگر ایسا تھا تو انہیں صرف اُن کے مفقود ہونے کی اطلاع دینا چاہیئے تھی۔ یہ کہنے کا انہیں کیا حق تھا کہ وہ شام چلے گئے؟ اور وہ بھی بہت اشتعال انگیز طریقہ سے؟ اس سے صاف

---

[1] طبری جلد چہارم حوادث ۳۶ھ

ظاہر ہے کہ ان کا مقصد حضرت علیؓ کو ان کا مخالف بتانا اور آپس میں پھوٹ ڈالنا تھا۔ اس خبر میں اُنھوں نے اُمّ المومنینؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ سب کو ایک ہی زمرہ میں رکھا۔ حالانکہ دونوں کے معاملے مختلف تھے۔ حضرت معاویہؓ نے معزولی کے بارے میں حضرت علیؓ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ بخلاف اس کے اول الذکر حضرات اور اُن کی جماعت کو حضرت علیؓ نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا تھا۔ جس کے ماننے سے اُنھوں نے انکار کر دیا ہو۔ بلکہ وہ تو صرف باغیوں کی سرکوبی کرنا چاہتے تھے۔ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اُنھوں نے ان حضرات کو باغیوں کی سرکوبی سے منع فرمایا ہو۔ اور اگر منع بھی فرماتے تو ان حضرات کے لئے از روئے آئین اس کی خلاف ورزی جائز تھی۔ اس لئے کہ ان کا یہ اقدام قرآن مجید کے حکم کے مطابق تھا۔ جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں ثابت کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں سے بہت سے حضرات مثلاً حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے بیعت بھی اس شرط کے ساتھ کی تھی۔ کہ قاتلین سیدنا عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔ لیکن سبائیوں نے سب حضرات کو ایک ہی زمرے میں شمار کر کے حضرت علیؓ پر یہ اثر ڈالنا چاہا۔ کہ اول الذکر حضرات بھی ان کے مخالف اور اُن کے خلاف خروج بالسیف کے مرتکب ہیں۔

مندرجہ ذیل روایت سبائیوں کے اس کید و فریب کو خوب واضح کر رہی ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت علیؓ شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ کہ اُنھیں اُمّ المومنین کے اقدام کی اطلاع ملتی ہے۔ مگر کس عنوان سے؟ ملاحظہ ہو:۔

| | |
|---|---|
| "فبینا ھم کذالک اذ جاء الخبر | "ابھی سب اسی حالت میں تھے کہ اہل مکہ کے متعلق |
| عن اھل مکة بنحو آخر وتمام علی | دوسرے طرز کی اور مخالفت کی پوری خبر |
| خلاف فقام فیھم بذالک۔ فقال | آئی اسے سننے کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے |

ان اللہ عزوجل جعل
مثالہم ھذہ الامۃ العفو
والمغفرۃ وجعل لمن لزم
الامر واستقام الفوز والنجاۃ
فمن لم یسعہ الحق اخذ
بالباطل الا وان طلحۃؓ والزبیرؓ
وام المؤمنینؓ قد تمالئوا
علی سخط امارتی ودعوا الناس
الی الاصلاح وسأصبر ما لم
اخف علی جماعتکم واکف
ان کفوا واقتصر علی ما بلغنی
عنہم لہ "

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کے
گناہوں کے لیے عفو و مغفرت کا طریقہ رکھا
ہے اور جو شخص احکام الٰہیہ پر عمل کرے
اور ان پر جما رہے اس کے لئے کامیابی اور
نجات کا وعدہ فرمایا ہے اور جو شخص حق پر عمل
نہیں کرتا وہ باطل کی پیروی کرتا ہے۔ خبردار
ہو جاؤ کہ طلحہؓ و زبیرؓ اور ام المومنینؓ کو میری
خلافت ناگوار ہو رہی ہے اُنھوں نے لوگوں
کو اصلاح کی دعوت دی ہے میں اس وقت
تک صبر کروں گا جب تک یہ صبر تمہاری جماعت
پر ظلم نہ ہو۔ اپنا ہاتھ روکے رہوں گا جب
تک وہ اپنا ہاتھ روکے رہیں گے اور اسی
حالت پر جس کی اطلاع ان کے بارے میں
مجھے پہنچی ہے اکتفا کروں گا۔ "

یہ وہ زمانہ ہے جب اُم المومنینؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اور ان کے ہمراہیوں
کے حاشیہ خیال میں بھی حضرت علیؓ کی خلافت کی مخالفت نہ تھی روایت میں "عن
اھل مکۃ" کے الفاظ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ حضرات اس وقت تک مکہ مکرمہ
ہی میں تھے۔ یا وہاں سے کچھ دور نکل آئے تھے اور ہم روایت کی روشنی میں
واضح کر چکے ہیں۔ کہ ان حضرات کو حضرت علیؓ کی خلافت سے ذرہ برابر بھی اختلاف

---

لہ طبری جلد چہارم حوادث ۳۶ھ زیر عنوان استیذان طلحۃؓ والزبیرؓ علیاًؓ۔

نہ تھا بلکہ ان کے ہاتھ مضبوط اور اُن کی حکومت کو مستحکم کرنا ان کے مقاصد میں داخل تھا۔ مگر اس روایت سے عیاں ہے۔ کہ سبائی مقصدوں نے سیدنا علیؓ کے سامنے اُن کے اس مُبارک اقدام کو کس شکل میں پیش کیا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ خود حضرت موصوف بھی یہی سمجھنے لگے۔ کہ ان حضرات کا اقدام سبائیوں کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ ان کی خلافت وحکومت کے خلاف ہے۔

ایک دوسری روایت پر بھی نگاہ ڈال لیجئے۔ حضرت طارق بن شہاب فرماتے ہیں۔ کہ میں کوفہ سے بارادہ عمرہ نکلا۔ جب ربذہ پہنچا۔ تو حضرت علیؓ کا لشکر دیکھا۔ دریافت کرنے پر اہل لشکر نے بتایا۔

| | |
|---|---|
| "قالوا غلبه طلحةؓ والزبيرؓ | لوگوں نے کہا کہ طلحہؓ وزبیرؓ ان یعنی حضرت |
| فخرج يعترض لهما ليردهما | علیؓ پر غالب ہو گئے ہیں۔ یعنی ان کے خلاف |
| فبلغه انهما قد فاتاه فهو | برسرجنگ ہیں انہیں "راستہ میں" روکنے |
| يريد ان يخرج فی آثارهما[1] | اور واپس کر دینے کے لئے حضرت علیؓ نکلے |
| | تھے لیکن معلوم ہوا کہ وہ لوگ نکل گئے اس |
| | لئے آپ ان کا پیچھا کرنا چاہتے ہیں۔" |

عیاں راچہ بیان۔ غلبہ کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ سبائیوں نے ان حضرات کے متعلق کیا مشہور کیا تھا اور خلیفۃ المسلمین کو کیا باور کرایا تھا؟ اس غلط خبر کو شہرت دینے کے لئے آیندہ روند کو یہی بتایا جاتا تھا۔ کہ ان حضرات نے امیرالمومنینؓ کے خلاف بغاوت کی ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب امیرالمومنینؓ کا لشکر بصرے کے راستہ میں تھا۔ اور ہم وہ روایت نقل کر چکے ہیں۔ جس میں مذکور ہے

---

[1] طبری جلد ۳، احوال ۳۶ھ زیر عنوان خروج علیؓ الی الربذۃ۔

کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے بصرے پہنچ کر بھی حضرت علیؓ کی مخالفت یا نقضِ بیعت کا خیال تک نہ کیا۔ بلکہ ان کی بیعت پر قائم رہنے کا اظہار فرمایا تھا۔ سبائی ایک طرف تو حضرت علیؓ اور ان کے مخلص رفقاء کے کان بھرتے تھے۔ اور اُن کے سامنے اُم المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اور اُن کے رفقاء کو سبائیوں کا انہیں بلکہ خود ان کا اور ان کی خلافت کا مخالف ظاہر کرتے تھے۔ دوسری طرف پوری کوشش کر رہے تھے کہ ان حضرات کو حضرت علیؓ سے شدید مخالفت پیدا ہو جائے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح ان دونوں جماعتوں کے درمیان جنگ برپا کر وادی جائے تاکہ ایک دوسرے سے مل نہ سکیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ مفسد گروہ خوب سمجھتا تھا کہ اگر ان دونوں جماعتوں کے درمیان تفرقہ نہ پڑا۔ تو ہماری خیر نہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کی فکری قیادت یہودی دماغ کر رہا تھا۔ جو شروع ہی سے اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ ان کا مقصد صرف اپنی خیر منانا نہیں تھا۔ بلکہ اسلام میں شر برانگیختہ کرنا بھی ان کا اہم مقصد تھا۔ وہ خلافتِ اسلامیہ کو کمزور اور مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو پراگندہ کرنا چاہتے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا۔ کہ حضرت علیؓ خود اور اُن کے مخلص رفقاء حضرات صحابہؓ بھی ہم سے خوش نہیں ہیں۔ اور ہمیں زک دینے کے لئے موقع کی تاک میں ہیں۔ اس وجہ سے وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ خلیفۃ المسلمینؓ کی طاقت اتنی بڑھ جائے۔ کہ وہ ہمارے اوپر قابو پا سکیں۔ گویا تخریب کاری کے ساتھ توازن قوت کے اصول کو انھوں نے اپنی سیاسی اور جنگی چالوں میں رہبر و رہنما بنایا تھا۔

طبری کی مندرجہ ذیل روایت پڑھیئے تو آپ پر واضح ہو گا کہ اس کیا دو فریب کار گروہ نے اپنے مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لئے کیسے کیسے ہتھکنڈے اختیار کئے تھے۔ موقع یہ ہے کہ حضرت علیؓ عازم بصرہ ہیں۔ حضرت عمارؓ اور حضرت حسن

رضی اللہ عنہا کو اعانت و امداد حاصل کرنے کے لیے کوفہ بھیجتے ہیں۔ مالک اشتر کو بھی ان کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ یہ سب کوفہ پہنچ کر ایک جلسہ میں تقریریں کر کے لوگوں کو حضرت علیؓ کی امداد کی دعوت دیتے ہیں۔ اس جلسہ میں مالک اشتر بھی اسی مقصد سے تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کی مذمت شروع کر دیتا ہے۔ راوی کہتا ہے:۔

"فقام الیہ المقطع بن الھیثم بن فجیع العامری ثم البکائی فقال اسکت قبحک اللہ کلب خلی حاللنباح، فثار الناس فاجلسوہ وقام المقطع فقال انا لا نحتمل واللہ بعدھا ان یسوء احد بذکر احد من ائمتنالہ"

"مالک اشتر کی یہ بکواس سن کر مقطع بن الہیثم بن فجیع عامری بکائی کھڑے ہو گئے اور اس سے فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ تیرا برا کرے! خاموش ہو جا! تو ایک کتا ہے جو بھونکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے اور لوگ بھی مشتعل ہو کر اس کی (مالک بن اشتر) طرف لپکے اور اسے بٹھا دیا۔ پھر انہیں مقطع نے کھڑے ہو کر کہا۔ کہ اس کے بعد ہم بالکل برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص ہمارے کسی امام کا تذکرہ برے عنوان سے کرے۔"

اس موقع پر جبکہ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد پر مائل کرنے کی ضرورت تھی مالک اشتر کی یہ فساد انگیزی بظاہر کس قدر تعجب خیز ہے! لیکن درحقیقت یہ سب سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت کیا گیا تھا۔ جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

اس اشتعال انگیزی سے اس مفسد سبائی کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ سیدنا عثمان ذی النورینؓ کے خون ناحق سے خود حضرت علیؓ کے مقدس دامن کو

---

لہ طبری جلد چہارم احوال ۳۶ھ زیر عنوان ذکر الخبر عن مسیر علیؓ نحو البصرۃ

داغدار ظاہر کرے[1] اپنی ٹولی کے جرم کو ہلکا کرنا بھی مدنظر تھا۔ اور یہ بھی مقصد تھا کہ اُمّ المؤمنینؓ کے لشکر تک یہ خبر پہنچے۔ اور ان لوگوں کو یقین ہو جائے۔ کہ حضرت علیؓ بھی اس خونِ ناحق میں ملوث ہیں۔ جو کچھ ہوا ان کی مرضی کے مطابق ہوا[2] تاکہ وہ حضرات ان کے سخت مخالف ہو جائیں اور دونوں جماعتوں میں تصادم ناگزیر ہو جائے۔ تیسرا مقصد یہ بھی تھا۔ کہ کوفہ کے لوگ پورے طور پر اور خوشدلی کے ساتھ حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دیں۔ تاکہ ان کی قوت آہنی نہ بڑھنے پائے۔ کہ ہمارے اوپر قابو پا سکیں۔ یا ہمیں ہمارے خبیث جرائم کی سزا دے سکیں۔ یاد رہے کہ اسی روایت میں مذکور ہے۔ کہ حضرت حسنؓ اس سے پہلے تقریر فرما چکے

---

[1] حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے سے پہلے بھی سبائی اس کوشش میں معروف رہے کہ اکابر صحابہؓ و اہل مدینہ کو حضرت عثمانؓ کا مخالف ثابت کریں ان کی شہادت کے بعد بھی ان کی کوشش یہی رہی کہ ان حضرات کو اس خونِ ناحق میں شریک ثابت کریں۔ اس لئے انھوں نے صحابہ کرامؓ و اہلبیت یعنی ازواجِ مطہراتؓ کی جانب سے جعلی خطوط بھی اِدھر اُدھر بھیجے۔ خصوصاً حضرات طلحہ، زبیر اور عمار اور علی رضی اللہ عنہم اور اُمّ المؤمنین سیدہ صدیقہؓ کے متعلق تو یہ پروپیگنڈا بہت کیا گیا دوسرے دور میں ان کے جانشینوں یعنی ابومخنف واقدی وغیرہ نے اس قسم کی روایات بھی اس مقصد سے وضع کیں۔ اور ابن اسحاق وغیرہ شیعہ مورخوں نے ان جھوٹی روایتوں سے اپنی کتابوں اور اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں اضافہ کیا۔

[2] اس روایت میں کسی سبائی کذاب نے یہ ٹکڑا بھی بڑھایا ہے کہ حضرت عمارؓ نے سوال کرنے پر فرمایا۔ کہ حضرت عثمانؓ کو میں نے قتل تو نہیں کیا ہے۔ مگر ان کا قتل مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا۔ یہ موصوف پر محض بہتان ہے۔ وہ اس سے بالکل بری ہیں۔ اسی طرح کی روایات حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے متعلق بھی وضع کی گئیں۔ جو طبری میں پائی جاتی ہیں۔

تھے۔ جس میں اُنھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ امیرالمؤمنینؓ سے ساتھ سمجھدار اور سنجیدہ لوگ ہوں۔ ممکن ہے کہ اس جملہ سے مالک اشتر کھٹک گیا ہو کہ مخلص لوگوں کو جمع کرکے سبائیوں کی قوت توڑنا مقصود ہے۔ اس کے علاوہ اتنا تو سمجھتا ہی تھا کہ اگر یہ مقصود نہ بھی ہو تو بھی لشکر علوی میں جب مخلصین کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی تو ہماری دال کیسے گلے گی۔ یہ سوچ کر اُس نے فوراً اس کی کاٹ کی اور عوام الناس کو حضرت علیؓ کے خلاف مشتعل کرنے کے لئے سیدنا حضرت عثمانؓ کی مذمت شروع کردی۔ اس مقصد میں وہ ناکام رہا مگر اُس نے کوشش میں تو کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

سبائیوں کے اس ناپاک پروپیگنڈے اور اُن کی خفیہ تدبیروں ہی کا یہ اثر تھا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت علیؓ کے متعلق یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ معاذ اللہ وہ بھی حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے اور اُن کے قتل میں معاون تھے۔ اگرچہ قلیل ہی مدت کے بعد ان پاک دل حضرات کا یہ شبہ دور ہو گیا اور اُنھیں یقین ہو گیا کہ حضرت علیؓ کو اس حادثہ فاجعہ سے ادنیٰ لگاؤ بھی نہیں ہے۔ لیکن کچھ عرصہ تک تو سبائی پروپیگنڈا موثر ہوتا رہا اور اُن کی خفیہ تدبیریں بھی بارآور ہوتی رہیں اگرچہ آخرکار سبائیوں کا فریب آشکارا ہو گیا اور ان حضرات کا یہ شبہ بالکل زائل ہو گیا۔ سب کے دل صاف ہو گئے اور حضرت علیؓ سے کسی کو بھی بدگمانی باقی نہیں رہی۔ سبائیوں کی فساد انگیز تدبیروں اور فتنہ خیز فریب کاریوں کا ایک نمونہ اسی سلسلہ میں اور ملاحظہ فرماتے چلئے:۔

اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کا لشکر ہدایت اثر بصرے پہونچ چکا ہے۔ اور اس پر قابض ہو چکا ہے۔ اسی اثنا میں حکیم بن جبلہ جو سبائیوں کا ایک لیڈر اور سیدنا حضرت عثمانؓ کے قاتلوں میں سے تھا۔ سیدتنا اُم المؤمنین حرمت رسول

حضرت عائشہ صدیقہ علی زوجہا المصطفیٰ وعلیہا الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں برسرِ عام بے ادبی اور دریدہ دہنی کرتا ہے۔ ایک صالحہ خاتون اسے اس بدتمیز پر ٹوکتی ہیں وہ انھیں شہید کر دیتا ہے۔ اس کے بعد بڑبڑاتا ہوا اور تبرّا کے تیزاب سے اپنا منہ جھلساتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔ ایک مردِ صالح پھر اس کی اس حرکت پر غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں یہ شقی انھیں بھی شہید کر دیتا ہے[1]

یہ خبیث و بدباطن شخص چونکہ حضرت علیؓ کا بظاہر طرفدار تھا اس لئے ان حرکات شنیعہ سے اس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے لشکر کے لوگ یہ یقین کرلیں کہ حضرت علیؓ ہمارے سخت دشمن ہیں یہاں تک کہ امّ المؤمنینؓ کی شان میں بے ادبی میں بھی انھیں کوئی باک نہیں ہے اس طرح مشتعل ہو کر وہ حضرت علیؓ سے نبرد آزما ہو جائیں۔ ان کا لشکر بھی بصرے کے قریب پہونچ چکا تھا اس موقع پر یہ اشتعال انگیزی شعلہ جنگ بھڑکانے کے لئے بہت موثر ہوسکتی تھی۔

یہ سبائی گروہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امّ المؤمنینؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے درمیان افتراق پیدا ہو جائے اور برابر بڑھتا رہے۔ یہاں تک باہم جنگ و جدل اور قتل و خونریزی کی نوبت آجائے۔ اس طرح مسلمانوں کا شیرازہ پراگندہ ہو، خلافت کمزور ہو۔ دینِ حق کی اشاعت میں خلل واقع ہو۔ اور سبائی ضلال و ظلمت پھیلانے کا موقع ہاتھ آئے۔

**بصرے کا معرکہ:-**

امّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت طلحہ۔ حضرت زبیر۔ حضرت

---

[1] طبری جلد چہارم احوال ۳۶ھ زیر عنوان دخولہم البصرۃ والحرب بینہم وبین عثمان بن حنیف

سعید بن العاص حضرت مروان اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اُن کے تابعین کا یہ مقدس لشکر دین اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کے مار آستین یعنی جماعت سبائیہ کا سر کچلنے اور اس کے زہر سے اُمت مسلمہ کو بچانے کے لئے بصرے پہونچا۔ وہاں پہونچکر ان حضرات نے پوری کوشش کی کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے کوئی جنگ نہ ہو۔ بلکہ وہ بیچ سے ہٹ جائیں اور صرف قاتلین سیدنا عثمانؓ کی سرکوبی کر کے اُن کے مرکز کو ختم کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ بن حنیف کے ایک مخلص مشیر حضرت عمران نے بھی انھیں یہ مشورہ دیا

انی قاعد فاقعد — میں تو بیٹھا رہونگا آپ بھی بیٹھے رہیں (یعنی ان سے تعرض نہ کیجیے)

(طبری حصہ چہارم احوال ۳۶ھ خبر مسیر طلحہ والزبیر الی البصرۃ)

اسی طرح دوسرے مشیر حضرت ہشام بن عامر نے بھی اُنھیں جنگ سے منع کیا اور کہا :-

ان ھذا الامر الذی تروم یسلم الی شر مما تکرہ ان ھذا فتق لا یرتق وصدع لا یجبر فسامحھم حتی یاتی امر علی ولا تحادھم۔

آپ جس کام کا قصد کر رہے ہیں آپ کی ناپسندیدہ بات سے بھی زیادہ شر پر منتج ہوگا یہ ایسی دریدگی ہوگی جو سی نہ جا سکے گی اور ایسی شکستگی ہوگی جس کی تلافی نہ ہو سکے گی لہذا آپ ان سے اُس وقت تک چشم پوشی کیجیے جب تک حضرت علیؓ کا حکم نہ آجائے۔ اور ان کا مقابلہ نہ کیجیے۔

یہ دونوں حضرات، حضرت عثمانؓ بن حنیف کے فرمانے سے اُم المومنین اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں گئے تھے اور ان سے مقصد لشکر کشی دریافت کر کے مطمئن ہو گئے تھے کہ وہ حضرات حضرت علیؓ کے خلاف نہیں

ہیں[1]۔ لیکن حضرت عثمانؓ بن حنیف نے ان کی رائے کو رد فرما دیا اور فرمایا:-

بل امنعهم حتی یأتی امیر المؤمنین — بلکہ میں انہیں امیر المؤمنین کی تشریف آوری تک روکوں گا۔

ان الفاظ اور اُن کے طرزِ عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا ارادہ ان کا بھی نہ تھا۔ البتہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اُم المومنینؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ سبائیوں اور قاتلین سیدنا عثمانؓ کے خلاف اس وقت تک کوئی کارروائی نہ کریں جب تک خود حضرت علیؓ نہ تشریف لے آئیں جو راستہ اُنھوں نے اختیار فرمایا اسے غلط نہیں کہا جا سکتا وہ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنر اور ان کے ماتحت تھے ان کے منصب کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خلیفۃ المسلمین کی پالیسی کی اتباع کریں۔ حضرت علیؓ کی پالیسی جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ان سبائیوں کے حق میں یہ تھی کہ ان کی سزا کو کچھ عرصہ کے لیے ملتوی کیا جائے اسی پالیسی کے ماتحت اُنھوں نے ان حضرات کو قصاص لینے اور باغیوں کو سزا دینے سے اس وقت تک باز رکھنا چاہا جب تک خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تشریف لے آئیں۔ ازروئے آئین شرع اُن کی پوزیشن بالکل صحیح تھی اور اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے تھے محض اللہ کے واسطے اور ادائے فرض کے مخلصانہ جذبہ کے ماتحت کر رہے تھے۔ رہا یہ سوال کہ

---

[1] اگر یہ دونوں صاحبان مطمئن نہ ہوتے تو گورنر بصرہ کو ان سے تعرض نہ کرنے اور غیر جانبدار بن جانے کا مشورہ کیسے دیتے؟ کیا وہ اُنھیں یہ مشورہ دے سکتے تھے کہ خلیفۃ المسلمین کے مخالفین سے جو ان کا ملک لینا چاہتے ہیں کوئی تعرض نہ کریں؟ اور اس طرح اپنے منصبی فریضہ میں کوتاہی کریں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اُم المؤمنینؓ وغیرہ کے ارادے کے متعلق بالکل مطمئن ہو گئے تھے۔

جب حضرت علیؓ نے انھیں ان حضرات کو روکنے کی ہدایت نہیں فرمائی تھی تو انھیں اختیار تھا کہ وہ درمیان سے ہٹ جاتے اور ان حضرات کو سبائیوں کی سرکوبی کا موقع دیدیتے اس سے حضرت علیؓ کی خلافت بھی مستحکم ہوتی اور سبائی اضلال سے امت ایک حد تک مامون ہو جاتی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سبائیوں نے بصرے میں اپنا مرکز بنا لیا تھا مگر اس میں اس قدر اخفاء سے کام لیا تھا کہ حضرت عثمانؓ بن حنیف اس وقت تک اس کی قوت سے واقف نہ تھے۔ اس کا ثبوت یہ واقعہ ہے کہ جب موصوف نے مسجد میں ام المومنینؓ کے لشکر کی آمد کے بعد تقریر فرمائی اور لوگوں سے یہ اپیل کی کہ وہ ان حضرات کو واپس کر دینے میں ان کی اعانت کریں، تو ایک شخص نے ان حضرات کی حمایت کی اور کہا کہ ہم ان سے کیوں تعرض کریں، وہ ہمیں قاتلین عثمانؓ نہیں سمجھتے۔ بلکہ ہم سے اعانت و امداد کے خواہاں ہیں۔ اس کا اتنا کہنا تھا کہ بہت سے لوگوں نے اس شخص کو جس کا نام اسود ابن سریع السعدی تھا کنکریاں مارنا شروع کر دیں۔ اس روایت کا ایک حصہ ہم گزشتہ صفحات میں نقل بھی کر چکے ہیں۔ اسے ذکر کرتے ہوئے صاحب البدایہ والنہایہ لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| فعلم عثمانؓ بن حنیف ان لقتلة عثمانؓ بالبصرة انصاراً فکرہ ذلک۔ (البدایہ والنہایہ جلد ہفتم زیر عنوان ابتداء وقعۃ الجمل) | اس وقت حضرت عثمانؓ بن حنیف کو معلوم ہوا کہ بصرے میں قاتلین عثمانؓ کے مددگار موجود ہیں۔ یہ بات انہیں بہت ناپسند ہوئی۔ |

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بن حنیف اس سے واقف نہ تھے کہ بصرہ سبائی تحریک کا مرکز بن چکا ہے اور یہاں یہ مفسد گروہ طاقت پکڑ چکا ہے غالباً وہ اس خوفناک تحریک کی حقیقت سے بھی پورے طور پر واقف بھی نہ تھے اور

اُسے محض سیاسی بغاوت کا حادثہ سمجھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ ابھی بصرے میں نووارد تھے اور اپنے عہدے کا چارج لیے ہوئے اُنھیں زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا دوسری وجہ سبائی پارٹی کی انتہائی کیادمی اور باسلیقہ منافقت تھی جس کی وجہ سے اتنی مدت تک یہ گروہ مخفی رہا۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے خلاف کارروائی کو حضرت علیؓ کے آنے تک ملتوی کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ حضرات طلحہؓ زبیرؓ وغیرہم اس گروہ کے خوفناک مقاصد اور اُن کی اسلام دُشمن سرگرمیوں سے خوب واقف تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس ناپاک تحریک کی جڑیں کس قدر گہری ہیں اگر انھیں جلد نہ قطع کیا گیا تو یہ پھیلتی چلی جائے گی۔ اس لئے وہ اس بارے میں عجلت کرنا چاہتے تھے اور واقعات بتاتے ہیں کہ ان کا خیال بالکل صحیح تھا۔ اور حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہٗ نے جو رویہ اس معاملے میں اختیار فرمایا وہ ان کی اجتہادی غلطی پر مبنی تھا۔ شرعاً تو ان پر کوئی الزام نہیں بلکہ اُنھیں ثواب ہی ملا مگر اس کے نتائج اچھے نہ نکلے۔ کاش وہ یہ طرز عمل نہ اختیار فرماتے۔ اُم المؤمنینؓ، حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ اور حضرت عثمانؓ بن حنیف کے درمیان اس اختلاف رائے کے باوجود دونوں میں کوئی فریق بھی جنگ پر تیار نہیں تھا۔ اول الذکر تو اپنی پوری کوشش صرف کردی کہ گورنر بصرہ سے جنگ نہ ہو۔ بلکہ صرف سبائی پارٹی سے لڑائی ہو۔ اس کے لئے عین میدان جنگ میں افہام وتفہیم سے بھی کام لیا جب سبائیوں نے حملہ کر دیا تو چونکہ اس کا خطرہ تھا کہ کہیں حضرت عثمانؓ بن حنیف سے جنگ نہ چھڑ جائے۔ نیز ان کے ساتھ بہت سے وہ لوگ بھی شامل ہوئے تھے جنھیں ان سبائیوں نے یہ فریب دیا تھا کہ یہ لوگ گورنر بصرہ سے جنگ کرنے آئے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت سے بغاوت کر رہے ہیں۔ اس لئے ان حضرات کے

لشکر نے حملہ کا جواب حملہ سے نہیں دیا بلکہ صرف مدافعت کی طبری کے الفاظ یہ ہیں :-

| | |
|---|---|
| واقبل حکیم بن جبلۃ وقد | حکیم بن جبلہ[1] سواروں پر آفیسر تھا وہ ان |
| خرج وھو علی الخیل | حضرات کے لشکر کی طرف بڑھا اور جنگ |
| فانشب القتال واشرع اصحاب | شروع ہو گئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا |
| عائشۃ رضی اللہ عنہا رماحھم | کے لشکر والوں نے تیر اندازی شروع کی |
| تامسکو لیمسکو فلم یتنبہ | اور جنگ سے بچتے رہے بلکہ اُنھوں نے |
| ولم یثن تقاتلھم واصحاب | صرف مدافعت کی اور اپنی حفاظت کی، تاکہ |
| عائشۃ رض کا فون الا ما دا فعو | ان کے مقابل بھی جنگ سے باز آجائیں، |
| عن انفسھم وحکیم یذمر خیلہ | لیکن حکیم بن جبلہ کا یہ حال تھا کہ وہ جنگ پر |
| ویرکبھم ویقول انھا لقریش | تُلا ہوا تھا اور باز آنے کے بجائے لُوٹ مار |
| لیروفنھا جبنھا وطیشھا | پر تُلا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ یہ لوگ قریش |
| (جلد چہارم زیر عنوان دخولہم البصرہ الخ | ہیں اُن کی زود اشتعالی اور بزدلی انھیں |
| صفحہ ۱۷۹) | واپس کر دے گی ۔ |

یہ روایت حقیقت حال کو خوب روشن کر رہی ہے۔ اُم المومنین رض حضرات طلحہ رض و زبیر رض اور اُن کے متبعین حضرت عثمان رض بن حنیف سے جنگ کرنے پر تیار نہیں ہیں علی ہٰذا وہ بھی ان حضرات سے جنگ نہیں کرنا چاہتے مگر سبائی ہر طرح کوشاں ہیں کہ ان دونوں فریقوں میں جنگ ہو جائے۔ اس کے لیے اُنھوں نے اُم المومنین رض کی شان میں گستاخی کر کے اشتعال پھیلایا رات کو آدمی بھیجکر اُم المومنین علیہا السلام کو شہید کرنے کی کوشش کی، انھیں اور اُن کے متبعین کو معاذ اللہ کافر

---

[1] یہ وہی مشہور سبائی ہے جو قاتلین سیدنا عثمان رض میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔

تک کہا۔[1] یہ حضرات سولہ دن تک تبلیغ و ارشاد میں معروف رہے اور لوگوں کو سمجھاتے رہے کہ ہمیں سبائیوں اور قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اہل بصرہ میں جو اچھے اور سلیم القلب لوگ تھے وہ ان سے الگ ہوگئے۔ مگر جو لوگ سبائی زہر سے متاثر ہو چکے تھے یا جو دھوکہ میں مبتلا ہوگئے تھے نیز باہر سے آئے ہوئے قبائلی، اور قوم زط (جاٹ) کے لوگ جو سبائی ہو چکے تھے یا فریب خوردہ تھے جنگ پر آمادہ رہے یہاں تک کہ بدباطن حکیم بن جبلہ نے جنگ شروع ہی کر دی اور کسی نہ کسی طرح حضرت عثمان بن حنیف کو بھی یہ باور کرا کے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں نیز ایسے حالات پیدا کر کے کہ وہ شرکت پر مجبور ہو جائیں جنگ میں گھسیٹ لیا۔

مسلمانوں کی اتنی خونریزی سے بھی سبائیوں کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ انھیں اس کی فکر تھی کہ کسی طرح ان حضراتؓ اور حضرت علیؓ سے جنگ ہو جائے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ مدینہ میں جو سبائی موجود تھے وہ اس کوشش میں لگے رہے ہوئے تھے بصرے کے مفسد بھی اس فکر سے غافل نہ تھے۔ چنانچہ انھوں نے اہل ایمان کی ان دونوں جماعتوں کے درمیان خلیج افتراق وسیع کرنے کے لیے ایک حرکت تو یہ کی کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے بعض رفقاء پر اس وقت حملہ کر دیا جب وہ مسجد بصرہ میں نماز عشاء کے لئے گئے۔ حملہ آوروں میں زیادہ تر بھی قوم زط یعنی "جاٹ" تھے۔ لیکن ان سب کو شکست ہوئی۔ اور چالیس مقتول چھوڑ کر یہ ناپاک ٹولی مسجد سے بھاگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات طلحہ و زبیر وغیرہ کو محفوظ رکھا۔

مندرجہ بالا توضیح سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ام المؤمنینؓ حضرت

---

[1] طبری ج ۴ حوادث ۳۶ھ ام المومنین علیہا السلام کا والا نامہ اہل کوفہ کے نام۔

طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور اُن کے متبعین اور حضرت عثمانؓ بن حنیف کے درمیان جو لڑائی ہوئی وہ محض سبائیوں کی مکاری و فریب کاری کا نتیجہ تھی۔ حکیم بن جبلہ اگر حملہ نہ کرتا تو جنگ کبھی نہ ہوتی اس لئے کہ دونوں فریقوں میں سے کسی کا ارادہ بھی جنگ کا نہ تھا۔ مگر سبائیوں نے ایک طرف تو حضرت عثمانؓ بن حنیف کو غلط خبریں اور مشورے دے کر ان حضرات کے خلاف مشتعل اور بدگمان کیا دوسری طرف حالات ایسے پیدا کر دئے کہ جنگ خود بخود چھڑ گئی اور بصرے کے گورنر یا دل ناخواستہ جنگ میں مبتلا ہو گئے

یہاں یہ بات عرض کر دینا مناسب ہے کہ جس طرح اُم المومنینؓ اور اُن کے متبعین کا موقف بالکل صحیح تھا جس پر شرعاً یا عقلاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اسی طرح حضرت عثمانؓ بن حنیف نے جو رویہ اختیار فرمایا اس پر بھی شرعاً اعتراض کی گنجائش نہیں اگرچہ ان سے اجتہادی غلطی ہوئی اُنھوں نے جنگ سے احتراز کرنا چاہا مگر آئین کے اعتبار سے جو اُن کا فرض منصبی تھا اسے انجام دینے پر وہ مجبور تھے۔ اگر سبائی مفسدہ پردازی کر کے انھیں فریب میں نہ مبتلا کر دیتے۔ اور خواہ مخواہ جنگ نہ چھیڑتے تو یقیناً یہ خونریزی کبھی نہ ہوتی اور معاملہ مصالحت سے طے ہو جاتا۔ قصور سبائیوں کا ہے۔ گورنر بصرہ اس معاملہ میں بالکل بے قصور ہیں۔

## حضرت علی کا اقدام:-

بصرے میں اگرچہ سبائیوں کا قلع قمع کیا جا چکا تھا اور ان کا یہ مرکز برباد ہو چکا تھا لیکن وہ مرتے مرتے بھی مومنین مخلصین کے درمیان جنگ کی آگ سلگانے کے لئے ایک چنگاری ڈالتے گئے۔ ادھر جو سبائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے وہ برابر اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح ممدوح

اور ام المومنینؓ کے درمیان جنگ ہو جائے اس غرض سے یہ لوگ امیرالمومنین کو غلط خبریں پہونچا کر اور حالات کو اشتعال انگیز طریقہ سے بیان کر کے حملہ پر اُبھار رہے تھے۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تدبیر ایک حد تک کامیاب ہوگئی تھی اور ممدوح کو اس بات کا ظن غالب ہوگیا تھا کہ اُم المومنین، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ان کی خلافت پر معترض اور ان کے خلاف صف آرا ہونے کے لئے تیار ہیں۔ "تیار ہیں" کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ امیرالمومنین کو ان حضرات کی جانب سے براہ راست کوئی ایسا پیغام نہیں موصول ہوا تھا جس میں ان کی خلافت کو چیلنج کیا گیا ہو۔ ان کے خیال کی بنیاد ان خبروں پر قائم تھی جو ان کی نقل و حرکت اور ان کے طرز عمل کے متعلق ان تک پہونچ رہی تھیں۔ اور جنھیں سبائی گروہ اپنے مقصد کے سانچے میں ڈھال کر ان کے سامنے پیش کرتا تھا۔ لیکن ان کی فراست ایمانی نے سبائیوں کی خبروں پر اُنھیں مطمئن نہ ہونے دیا اور ان خبروں میں اس بدباطن گروہ کی طرف سے تحریف اور آمیزش کا احتمال ان کے ذہن میں باقی رہا۔

یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے اس سلسلہ میں نہایت احتیاط کے ساتھ قدم اُٹھایا۔ ان کا محتاط اقدام جہاں ان کے تقویٰ اور اخلاص کا ایک نمونہ ہے وہاں اُن کے تدبر اور اُن کی دانشمندی کی بھی ایک مثال ہے اُم المومنین علیہا السلام کے لشکر کی روانگی سے باخبر ہو کر اُنھوں نے لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ جب مقام "ربذہ" پہونچ کر بصرے کا رُخ فرمایا تو حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے نے سوال کیا کہ امیرالمومنین آپ کا مقصد کیا ہے؟ اور آپ ہمیں کہاں لئے جا رہے ہیں؟ جواب میں فرمایا:

اما الذی نرید ونوی فالاصلاح ان قبلوہ منا واجابونا الیہ قال فان لم یجیبونا الیہ قال ندعھم بعذرھم ونعطیھم الحق ونصبر قال فان لم یرضوا قال ندعھم ما ترکونا قال فان لم یترکونا قال امتنعنا منھم

(طبری جلد چہارم زیر عنوان ذکر الخبر عن مسیر علی بن ابی طالب الخ حوادث ۳۶ھ)

ہماری نیت اور ہمارا ارادہ تو صلح کا ہے اگر وہ ہماری بات مانیں اور مصالحت قبول کریں اس پر ان صاحب نے پوچھا کہ اگر وہ ہماری بات نہ مانیں (آپ نے فرمایا کہ ہم انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں گے اور ان کا حق انہیں دیں گے اور صبر کریں گے۔ انھوں نے پوچھا کہ اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے آپ نے فرمایا کہ جب تک وہ ہم سے تعرض نہ کریں گے اس وقت تک ہم بھی ان سے کچھ نہ بولیں گے انھوں نے پوچھا کہ اگر وہ اس پر بھی ہمارا پیچھا نہ چھوڑیں آپ نے فرمایا تو ہم اپنا دفاع کریں گے۔

جب حضرت علیؓ حدود بصرہ میں پہونچ گئے اور گویا دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوگیا اس وقت بھی آں محترم نے یہی ارشاد فرمایا۔ اس سے دو باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہیں:۔

اوّل :۔ جس طرح ام المؤمنین حضرت طلحہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین حضرت علیؓ سے جنگ وجدل نہیں چاہتے تھے اسی طرح آں محترم بھی ان حضرات سے حرب و پیکار نہیں چاہتے تھے

دوم :۔ انھیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ یہ حضرات انکی خلافت کے مخالف ہیں اور ان کی لشکر کشی کا مقصد ان کی حکومت کا تختہ الٹنا ہے۔

اسی لئے انہیں مصالحت کی توقع تھی اور اسی کو انھوں نے لشکر کشی کے مقاصد میں سر فہرست جگہ دی تھی۔ اس کا ایک سبب تو ان حضرات کے ساتھ موصوف کا حسن ظن تھا جو بالکل بجا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ سبائیوں کی فریب کاریوں اور دروغ بافیوں سے انھیں خاصی واقفیت ہو چکی تھی۔ اور تجربات نے ان کے دل میں ان کی طرف سے بے اعتمادی پیدا کر دی تھی۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اس مفسد گروہ کی غلط بیانی جن کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ ان کے ایسے فہیم شخص کو محتاط اور سبائیوں کو ان کی نگاہ میں غیر معتبر بنا دینے کے لئے کافی تھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تو اس خبر کے غلط ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ اسی لئے انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ آپ بصرے کی طرف رُخ نہ فرمائیں اور مدینہ ہی میں رہ کر دیکھیں کہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ان حضرات کی لشکر کشی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے[1]۔ مطلب یہ تھا کہ ان حضرات سے تعرض نہ کیا جائے تا آنکہ یہ اس سبائی پارٹی کو کچل دیں۔ ان مفسدوں کی قوت گھٹنے سے امور خلافت کا انجام دینا آسان ہو جائے گا اور بہت سی مشکلیں دور ہو جائیں گی۔ ان حضرات سے تو مخالفت اور جنگ کا سوال ہی نہیں ہے اصل مسئلہ ان سبائیوں ہی کا ہے۔ ان کے دوسرے مرکز جب برباد ہو جائیں گے تو مدینہ میں بھی ان کی سرکوبی آسان ہو جائے گی۔ اس طرح پورا عالم اسلامی مطمئن ہو جائے گا اور اس دشمن اسلام گروہ کی مفسدہ پردازیوں سے اسے نجات بھی مل جائے گی۔

---

[1] دیکھئے طبری جلد ۴ حوادث ۳۶ھ زیر عنوان "خروج علی الی الربذة یرید البصرة"

حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کا مذکورہ مشورہ قبول نہیں فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ اس کے وجوہ مندرجہ ذیل تھے :۔

(۱) بیشک وہ ان حضرات (اُم المومنینؓ وغیرہ) سے جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن اُنھوں نے ضروری سمجھا کہ دوسروں پر یہ ظاہر کر دیں کہ ان میں ان حضرات سے جنگ کرنے کی طاقت ہے اور اگر ناگزیر ہوا تو وہ اس پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس اظہار میں حکمت یہ تھی کہ انھیں ان حضرات کے صدق و اخلاص پر تو اعتماد تھا اور وہ ان کے اقدام کو جائز اور صحیح بھی سمجھتے تھے لیکن اُنھیں سبائیوں پر اعتماد نہ تھا اور ان کی طرف سے اندیشہ تھا کہیں یہ لوگ میری خاموشی کو ضعف پر محمول کر کے میرے خلاف خود مدینہ میں یا کسی دوسری جگہ بغاوت نہ کر دیں۔

(۲) ان کی حربی پالیسی ایسی تھی کہ اس کے پیشِ نظر جنگ کا امکان ایک فیصد بھی بمشکل باقی رہتا تھا اُنھیں تقریباً یقین تھا کہ ان حضرات سے جنگ نہ ہوگی۔ اس گمانِ غالب کی ایک بنیاد تو وہ خوش گمانی تھی جو ان حضرات کے ساتھ موصوف کو تھی اور بالکل بجا تھی دوسری بنیاد سبائیوں پر بے اعتمادی تھی جس نے ان کی خبروں کو مشکوک بنا دیا تھا۔

(۳) اعلانِ جنگ کی وجہ سے بہت سے ایسے افراد اُن کے لشکر میں داخل ہو جائیں گے۔ جو اخلاص سے ساتھ ان کی نُصرت کے لیئے آئیں گے۔ اِدھر ان مخلصین کی تعداد بڑھے گی اِدھر جب حضرات طلحہؓ و زبیرؓ سے مصالحت ہو جائے گی تو ان کا لشکر بھی ان کے ساتھ ہو جائے گا۔ اس مجموعی قوت سے وہ قاتلین سیدنا عثمانؓ کی سرکوبی کر سکیں گے اور ان کی تحریک کو کچل کر رکھ دیں گے۔ گویا اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے سبائیوں سے چھٹکارا پانے اور ان

کی سرکوبی کرنے کا جو موقع ان کے لئے فراہم کردیا تھا اور جو ان کے نقشۂ جنگ کا ایک جزو تھا اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ان حضرات سے مصالحت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی مصالحت ہوجائے گی۔ اس لئے کہ اس وقت تک بنیاد اختلاف اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی جماعت اور حضرت معاویہؓ کی جماعت کے درمیان مشترک تھی۔ اس کے علاوہ ان حضرات کا جو اثر حضرت معاویہؓ پر تھا اس کے پیش نظر بھی ان کا مصالحت پر آمادہ ہوجانا بہت قرین قیاس تھا۔ یہ یاد رہے کہ اس وقت تک حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں فرمایا تھا۔

سیدنا حضرت حسنؓ جب اس فوج کشی کے سلسلہ میں امداد حاصل کرنے تشریف لے گئے ہیں تو انھوں نے دوران تقریر ارشاد فرمایا:۔

اے لوگو! اپنے امیر کی دعوت قبول کرو اور اپنے بھائیوں کی طرف چلو۔ بیشک اس کام کے لئے آدمی تو مل جائینگے (مگر) خدا کی قسم اگر سمجھدار لوگ ان کے (حضرت علیؓ کے) قریب رہیں تو اس سے فوری نفع بھی زیادہ ہوگا اور انجام کے لحاظ سے بھی یہ زیادہ مفید ہوگا۔

(طبری جلد ۴ حوادث ۳۶ھ زیر عنوان ذکر الخبر عن مسیر علیؓ بن طالب الی البصرۃ)

سمجھدار اولی النہیٰ کو مخصوص طور پر دعوت دینے سے اس بات کی طرف اشارہ سمجھ میں آتا ہے کہ پہلا فائدہ حضرت علیؓ کے پیش نظر تھا۔ اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ عین میدان جنگ میں جب اُم المومنین علیہا السّلام نے قاتلین

سیدنا عثمانؓ کے لئے بددعا فرمائی تو حضرت علیؓ نے بھی اس نابہنجار گروہ
کے لئے بددعا فرمائی حالانکہ یہ باغی ان کے لشکر میں شامل تھے موصوف کی
صلح جوئی اور جنگ کے بارے میں ان کی پالیسی ان دونوں ــــــ باتوں پر
نظر کرنے کے بعد یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرا فائدہ بھی موصوف کے
پیشِ نظر تھا۔

ان اچھے مقاصد و فوائد کو سامنے رکھ کر وہ بصرے پہونچے۔ اور وہاں پہونچتے
ہی مصالحت کی کوشش شروع فرمادی۔ طبری کی روایت ہے کہ جب حضرت علی
رضی اللہ عنہ مقام "ذی قار" پہونچے تو حضرت قعقاع بن عمر رضی اللہ عنہ
کو بلاکر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| الق هذین الرجلین | ان دونوں حضرات (حضرت طلحہ و حضرت |
| یا ابا الحنظلیة .... فادعهما[1] | زبیر رضی اللہ عنہما) سے جاکر ملئے اور ان |
| الی الالفة والجماعة وعظم | دونوں کو اتحاد و اجتماع کی طرف دعوت |
| علیهما الفرقة (طبری جلد ۵ احوال ۳۶ھ | دیجئے اور تفرقہ کی برائی ان پر ظاہر کیجئے |

زیر عنوان نزول امیر المومنین ذاقار)

حضرت قعقاعؓ سب سے پہلے اُم المومنینؓ کی خدمت میں پہونچے اور عرض
کیا:-

| | |
|---|---|
| ای امه! ما اشخصک | مادر محترم! آپ اس شہر میں کیوں تشریف |
| وما اقدمک هذه البلدة | لائی ہیں؟ ام المومنین نے فرمایا، اے |

---

۱؎ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں حضرات کو تو پیامِ صلح بھیجا مگر
اُم المومنین علیہا السلام کی خدمت میں کچھ نہیں کہلا بھیجا۔ راقم سطور کا خیال ہے کہ غالباً ادب و
احترام کی وجہ سے حضرت علیؓ نے اُم المومنینؓ سے خطاب کرنے کی جرأت نہیں فرمائی۔

قالت ای بنی اصلاح بین الناس (ایضاً)

میرے بیٹے! لوگوں کے درمیان اصلاح کی غرض سے۔

اس روایت میں ہے کہ اس کے بعد انھوں نے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ سے بھی یہی سوال کیا۔ اور یہی جواب پایا۔ حضرت قعقاعؓ نے ان حضرات سے مصالحت کی درخواست کر کے شرائط صلح دریافت کئے تو ان حضرات کا متفقہ جواب یہ تھا:-

قالوا قتلة عثمان رضی اللہ عنہ فان هذا ان ترک کان ترکا للقرآن وان عمل بہ کان احیاء للقرآن (ایضاً)

ان حضرات نے فرمایا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی سزا کا معاملہ ہے (اسی پر صلح ہو سکتی ہے) کیونکہ اگر یہ ترک کر دیا گیا تو قرآن مجید (پر عمل) کے ترک کے مرادف ہوگا۔ اور اس پر عمل کیا گیا تو یہ قرآن مجید کے احیاء (اس کی ترویج) کے ہم معنی ہوگا

تھوڑی دیر گفتگو کے بعد ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت قعقاعؓ سے دریافت فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ جواب میں موصوف نے عرض کیا:-

اقول هذا الامر دواؤه التسکین واذا سکن اختلجو فان انتم بایعتمونا فعلامة خیر و رحمة و درک بثار هذا الرجل وعافیة وسلامة لهذه الامة۔ (ایضاً)

میں عرض کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کا حل اس طرح ہو سکتا ہے کہ امن و سکون بحال ہو۔ اور جب امن و سکون ہوگا تو (سبائی) مر جائیں گے پس اگر آپ حضرات ہم سے بیعت فرمالیں تو یہ خیر کی علامت اور رحمت کی بشارت ہوگی اور ان بزرگ (حضرت عثمانؓ) کا قصاص لیا جا سکے گا اور اسی میں اس امت کے لئے عافیت اور اس کی سلامتی ہے۔

اس کے بعد حضرت قعقاعؓ نے اُم المومنینؓ اور دیگر حضرات کے سامنے کھلے لفظوں میں اس کا اظہار کیا کہ شہادت عثمانؓ کے حادثہ عظیمہ کی اہمیت ان کی نگاہ میں اس سے کچھ کم نہیں جتنی اُم المومنینؓ اور اُن کے متبعین کی نظر میں ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے کہا :-

| | |
|---|---|
| فان هذا الامر الذی حدث لیس یقدّر ولیس کالامور ولا کقتل الرجل الرجل ولا النفر الرجل ولا القبیلة الرجل۔ (ایضاً) | بیشک اس حادثہ (شہادت سیدنا عثمانؓ) کی اہمیت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا یہ عام حوادث کی طرح نہیں ہے اس کی اہمیت صرف اتنی ہی نہیں جتنی کسی فرد یا گروہ یا قبیلے کے کسی شخص کو قتل کر دینے کی ہوتی ہے (بلکہ اس سے زیادہ ہے) |

اس بات سے یہ حضرات مطمئن ہوئے اور متفقہ طور پر فرمایا :-

| | |
|---|---|
| احسنت واصبت المقالة فارجع فان قدم علیؓ وهو علی مثل رایک صلح هذا الامر فرجع الی علیؓ فاخبره فاعجبه ذلک (ایضاً) | تم نے بہت صحیح اور اچھی بات کہی۔ تم واپس جاؤ، اگر حضرت علیؓ آئیں اور اُن کی بھی یہی رائے ہو جو تمہاری ہے تو بس یہ معاملہ سلجھا ہوا سمجھو۔ حضرت قعقاعؓ حضرت علیؓ کے پاس واپس گئے اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا جسے سُنکر وہ بھی خوش ہوئے۔ |

اسی روایت میں ہے کہ اس کے بعد مصالحت کا چرچا پورے لشکر میں پھیل گیا۔ حضرت علیؓ نے بارادہ صلح لشکر کو بصرے کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے ان

میں سے کوئی ہمراہ نہ جا سکے [1]۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو بھی کوئی جنگ نہیں ہوئی، بلکہ دونوں طرف صلح و اتحاد کا چرچا ہوتا رہا جس سے سبائیوں کے علاوہ ہر شخص شادان و فرحان تھا۔ وہ رات جس کی صبح کو فریقین کے درمیان شرائط مصالحت وغیرہ پر گفتگو ہونے والی تھی طبری کے بیان کے مطابق مخلصین کے لیے جس قدر پرسکون اور خوش گوار تھی۔ سبائیوں کے لئے اسی قدر پریشان کن اور سخت تھی۔ انھیں فریقین کی مصالحت یقینی معلوم ہو رہی تھی اور اپنا مستقبل بھیانک نظر آرہا تھا۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے کا جو خاکہ ان کی فساد پرور شیطانی ذہانت نے تیار کیا تھا خاک میں ملتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور ان کے خبیث ارمانوں پر اوس پڑنے لگی تھی۔ اس عالم یاس و اضطراب میں ان کے سرغنہ مشورے کے لئے جمع ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ طبری نے اس ذیل میں بہت سے نام لکھے ہیں۔ ان میں ابن السوداء یعنی عبداللہ ابن سبا (یہودی منافق) اور مالک اشتر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ وہی لوگ تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مہم چلانے اور انھیں معزول یا شہید کرنے کے لئے آئے تھے اسی طرح وہ لوگ بھی اس میں شامل تھے جو ان لوگوں کے ہم خیال اور ہمدرد تھے [2]

---

[1] اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی نیت یہ تھی کہ ان سبائیوں اور مفسدین کو الگ کر کے اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے لشکر سے مل کر ان کی اچھی طرح خبر لی جائے اور ان کی قوت توڑ دی جا سکے۔

[2] طبری جلد ۴ حوادث ۳۶ھ زیر عنوان نزول امیر المومنین ذوقار

حسب روایت طبری ان کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ:

"(حضرت) علیؓ تو قرآن مجید ان لوگوں سے زیادہ سمجھتے ہیں جو حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہیں اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ معلوم ہی ہے (یعنی مطالبہ قصاص انھوں نے نے تسلیم کر لیا ہے اور اس پر عمل کے لئے آمادہ ہیں) حالانکہ اس وقت تو ان کے ساتھ تھوڑے ہی سے آدمی ہیں، اسی وقت ہماری کیا حالت ہوگی جب ان دونوں فریقوں میں اتحاد ہو جائے گا اور ہماری تعداد ان سب کے مقابلہ میں بہت کم رہ.. جائے گی...... اشتر بولا کہ (حضرات) طلحہؓ و زبیرؓ کا ارادہ تو معلوم ہے مگر (حضرت) علیؓ کے دل کا حال نہیں کھلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں۔ خدا کی قسم ان سب کی (فریقین کی) رائے ہمارے حق میں ایک ہی ہے اگر یہ لوگ (حضرت) علیؓ سے صلح کریں گے تو وہ صلح یقیناً ہمارے خون پر ہوگی [1]

دیر تک مشورے ہوتے رہے اور لوگوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ ان میں مالک اشتر کی رائے قابل ذکر ہے جس نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کو قتل کر دینا چاہیئے تاکہ ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے اور مسلمانوں میں نئے سرے سے افراتفری پیدا ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان "شیعان علیؓ" کو درحقیقت حضرت علیؓ سے کوئی عقیدت یا ہمدردی نہ تھی۔ اسلام کو نقصان پہونچانے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کر کے ان کی خونریزی کرانے کے لئے یہ

---

[1] طبری جلد ۴ حوادث سنہ ۳۶ھ زیر عنوان نزول امیرالمومنینؓ ذاقار

لوگ ان کے طرفدار بن گئے تھے۔ آخر میں ابن سودا۔ یعنی ابن سبا کی رائے پر اتفاق ہوگیا۔ اس کی تقریر درج ذیل ہے :۔

فتكلم ابن السوداء فقال
يا قوم ان عزكم في
خلطة الناس فصانعوهم
واذا التقى الناس غدا
فانشبوا القتال ولا تفرغوهم
للنظر فاذا من انتم
معه لا يجد بداً من ان
يمتنع و يشغل الله علياً و
طلحة والزبير ومن رأى
رأيهم عما تكرهونه
فابصروا الرأي وتفرقوا
عليه والناس لا يشعرون

(طبری جلد ۳، احوال ۳۶ھ روایت مذکورہ)

ابن سوداء نے کہا کہ میری جماعت والو! تمہارا غلبہ لوگوں میں ملے رہنے میں ہے اس لئے ان سے نبھاتے رہو اور کل جب دونوں لشکر کے لوگ آپس میں ملیں تو جنگ شروع کردو اور انھیں سوچنے سمجھنے کی مہلت نہ دو نتیجہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے ساتھ تم ہو۔ (یعنی حضرت علیؓ وغیرہ) وہ بھی دفاعی جنگ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ (حضرت) علیؓ (حضرت) طلحہؓ (حضرت) زبیرؓ کی توجہ اس بات کی طرف سے ہٹا دیں گے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ (یعنی صلح اور قصاص)۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور یہ سازش کر کے سب اپنی اپنی جگہ چلے گئے دوسرے ان کے اس منصوبہ سے بالکل بے خبر رہے [1]

---

[1] پیروان ابن سبا یعنی شیعوں کا طرز عمل اب بھی یہی ہے اور ہر زمانہ میں یہی رہا۔ وہ اہلسنت سے بظاہر ملے رہتے ہیں اور اتحاد بین المسلمین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں لیکن درپردہ ان کی بیخ کنی کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان میں باوجودیکہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ حکومت پر چھائے ہوئے
(باقی صفحہ ۱۰۷ پر)

دوسری روایت بتا رہی ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرات طلحہؓ وزبیرؓ نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان مصالحت ہو گئی۔ جس سے دونوں لشکر مطمئن ہو گئے اور جنگ کا خیال ہی دلوں سے جاتا رہا۔ لیکن عبد اللہ بن سبا اور اس کے متبعین یعنی قاتلین سیدنا عثمانؓ اس فکر میں رہے کہ کسی طرح ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کرا دی جائے طبری لکھتا ہے:-

وجعلوا يتشاورون ليلتهم كلها حتى اجتمعوا على انشاب الحرب في السر واستسروا بذلك خشية ان يفطن بما حاولوا من الشر فغدوا مع الغلس وما يشعر بهم جيرانهم انسلوا الى ذلك الامر انسلالاً وعليهم ظلمة فخرج مضريهم الى مضريهم وربعيهم الى ربعيهم ويمانيهم الى يمانيهم

یہ سبائی سرغنے رات بھر مشورے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جنگ چھڑوا دینے کے مقصد پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اس منصوبے کے بارے میں انھوں نے بہت رازداری سے کام لیا کہ کہیں کوئی ان کے شر سے واقف نہ ہو جائے چنانچہ یہ لوگ آخر رات میں اس طرح اٹھے کہ ان کے قرب وجوار کے لوگوں کو بھی کوئی خبر نہیں ہوئی اور منہ اندھیرے اپنے اس منصوبہ پر عمل کرنے کے لئے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۶) ہیں اور اپنی آبادی کے تناسب سے کہیں زائد ملازمتوں اور نشستوں پر قابض ہیں تقریباً سب کلیدی عہدے انہیں کے پاس ہیں اور وہ مذہب اہلسنت کے مٹانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان کا حادثہ فاجعہ سراسر انہیں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ مگر یہ قیامت خیز حادثہ بھی ہمارے سنی بھائیوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہ ہوا۔

[1] طبری جلد پنجم احوال ۳۶ھ زیر عنوان نزول علیؓ الزاویۃ بالبصرۃ

قو ضعو فیھم السلاح

(طبری جلد چہارم
احوال سنہ ۳۶ھ بعنوان امر القتال)

(اُم المومنینؓ کے لشکریوں) سبائی پہنچ گئے اور اُن کے مختلف دستوں میں سے ہر ایک نے اپنے ہم قبیلہ مخالف لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ یعنی مضری سبائیوں نے مضری (اہل حق) پر حملہ کیا ربعی ہزار ربعیوں نے ربعیوں پر یمانیوں نے یمانیوں پر

افسوس ہے کہ سبائیوں کی مکروہ تدبیر کامیاب ہوئی۔ حضرات طلحہؓ و زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر کے بہت سے لوگ سوتے میں ان اشقیا کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ باقی شور و ہنگامہ سُنکر یا اچانک زخم کھا کر بیدار ہوئے اور بالکل فطری طور پر سمجھے کہ فریق ثانی نے بدعہدی کر کے شبخون مارا ہے۔ مجبوراً انھیں بھی دفاع کرنا پڑا۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کے لشکر کو بھی اس ہنگامہ نے بیدار کر دیا۔ ممدوح نے حقیقت واقعہ دریافت کی تو ان سے کہا گیا کہ فریق ثانی نے بدعہدی کر کے شبخون مارا ہے۔ یہ خبر دینے والے سبائی ہوں گے۔ اس کا فطری ردِ عمل یہ ہوا کہ انھوں نے بھی فوج کو تیار کر کے باقاعدہ حملہ کر دیا۔ اب کیا باقی رہا تھا باقاعدہ جنگ ہونے لگی۔

اس حالت میں بھی دونوں فریقوں کے قائد جنگ کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ادھر اُم المومنین رضی اللہ عنہا خود میدان جنگ میں تشریف لے آئیں کہ شاید میرے پہونچنے سے لوگ جنگ سے رُک جائیں۔ کعب بن سُور قاضی بصرہ ان کے ہمراہ قرآن مجید ہاتھ میں لئے ہوئے لوگوں کو ان کی طرف آنے یعنی جنگ سے باز رہنے کی تلقین کر رہے تھے ادھر حضرت علیؓ بار بار اعلان کروا رہے تھے کہ لوگوں ہاتھ روک لو لیکن کوئی نہ سُنتا تھا۔

جس کی وجہ یہ تھی کہ سبائی کسی طرح ہاتھ نہ روکتے تھے۔ اُم المومنینؓ کے لشکر والے دفاع پر مجبور ہوتے تھے۔ گھمسان کی لڑائی میں دفاع اور حملے کے درمیان امتیاز کرنا بہت دشوار ہے۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں جو مخلص تھے وہ بھی اس دفاع کو حملہ سمجھ کر بخیال خود دفاع کرتے تھے۔ اس طرح جنگ جاری تھی اور اس کے رُکنے کی کوئی سبیل نہ نکلتی تھی۔ یہ ساری تفصیل آپ کو طبری اور البدایہ والنہایہ میں ملے گی۔ جنگ جمل کے بیان میں اس پر نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اُم المومنین علیہا السّلام کے لشکر نے صرف دفاع کیا۔ اسے حملہ اور کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ حملہ آور شروع سے آخر تک حضرت علیؓ کے لشکر کا وہ حصہ رہا جو سبائیوں یا اُن کے دام فریب میں اسیر ہونے والوں پر مشتمل تھا۔

اُم المومنینؓ کی نگاہ دقیقہ رس نے دیکھ لیا کہ جنگ کا بانی مبانی وہی بد باطن گروہ ہے جس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اسی باغی سبائی ٹولی نے جنگ کی آگ بھی لگائی ہے اور وہی اسے ہوا بھی دے رہی ہے۔ اس لئے جب اُنھوں نے دیکھا کہ جنگ بند کرنے کی کوشش ناکام ہو رہی ہے تو لشکر والوں کو قاتلان سیدنا عثمانؓ یعنی سبائیوں پر شدت کے ساتھ حملہ کرنے کی ترغیب دی [۱]

---

[۱] عین میدان کارزار میں جبکہ اچانک اور خلاف توقع جنگ چھڑ گئی ہو بانیان جنگ اور حقیقت واقعہ کا سمجھ لینا فن حرب کا ایک مثالی شاہکار ہے۔ جو بتا رہا ہے اُم المومنین دوسرے روحانی و ذہنی کمالات کے ساتھ فن حرب میں بھی کامل اور ایک مثالی کمانڈر تھیں۔

سبائی بھی اس جنگی تدبیر کو سمجھ گئے اور انھوں نے اس کے جواب میں
جو طریقہ اختیار کیا وہ ان کی شقاوت ازلی اور خباثت جبلی کی روشن دلیل ہے
ان اشقیا نے ام المومنین حرمت سید المرسلین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ
علی زوجہا المصطفےٰ و علیہا الصلوٰۃ والسلام کے محمل شریف پر تیر بارانی شروع
کردی۔ یہاں تک کہ انھیں میں کسی شقی نے جو اشقی ثمود سے بھی زیادہ شقی
تھا۔ ام المومنین رض کے اونٹ کی ٹانگ کاٹ دی اور آن محترمہ کو اونٹ سے
گرا دینا چاہا۔ قابل رشک نصیبہ تھا ان محترم حضرات کا جنھوں نے ام المومنین
کی حفاظت کے لئے ان کے مقدس قدموں پر اپنی جانیں نثار کردیں۔ ان کی
تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی۔ جن کی مقدس لاشوں ہی پر سے گزر کر سبائی
ام المومنین کے اونٹ تک پہونچ سکے۔ اور وہ بھی محض اتفاقاً اور اونٹ کی
ٹانگ کاٹ کر قوم ثمود کی جانشینی کے مستحق ہو سکے۔ ان قاتلین سیدنا عثمان رض
پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی میدان جنگ میں لعنت فرمائی۔ اور بلاشبہ اللہ، ہم
ملائکہ اور عالم کے سب انسانوں کی لعنت اس وقت ان پر برس رہی ہوں گی
جب وہ ام المومنین پر حملہ کر رہے تھے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جو بہترین جنگی تدبیر (TACTICS) اختیار
فرمائی تھی وہ مآل کار کے لحاظ سے کامیاب اور مفید ہوئی، سبائیوں نے جو
جوابی کارروائی کی اس کی وجہ سے جنگ کا رخ ان کی طرف ہو گیا۔ ان کی شقاوت
نمایاں ہو گئی اور وہ پہچان لئے گئے۔ ان کے اس ملعون اقدام نے جس طرح
ام المومنین رض کے لشکر والوں کی آتش غیظ و غضب کو بھڑکا دیا اس طرح حضرت
علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مخلص اہل لشکر کو بھی ان کے خلاف مشتعل کر دیا۔ جنگ ختم
ہو گئی اور اگرچہ حسب بیان مورخین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فتح پر ختم ہوئی لیکن

درحقیقت نہ انھوں نے اپنے کو فاتح سمجھا نہ فریق ثانی نے خود کو مفتوح گردانا۔ سبائیوں کے علاوہ فریقین کے درمیان برادرانہ جذبات حسب سابق ابھرآئے اور میل جول قائم ہو گیا لہ

## نتائج :-

یہ ہے جنگ جمل کا واقعہ جس کے بیان میں ہم نے صرف اس لئے قدرے طول دیا تاکہ قاری پر اس کی پوری حقیقت واضح ہو جائے اور بعض متاخرین علماء و مورخین کے غلط بیانات سے جو غلط فہمی بلکہ گمراہی پیدا ہوتی ہے وہ دور ہو سکے۔ ان واقعات سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ یکجا طور پر مکرر درج ذیل ہیں:۔

(۱) فریق اول یعنی اُم المومنین حضرات طلحہ و زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کی جانب سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص اور باغیوں کی سرکوبی کا مطالبہ از روئے قوانین شرعیہ اور آئین اسلام بالکل صحیح اور جائز تھا۔ اس پر شرعاً یا عقلاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ـــ نیز یہ کہ اس کا تعلق حکومت کے عادلانہ اختیارات سے نہ تھا بلکہ اس کے عاملانہ اختیارات سے تھا اس لئے یہ کہنا بالکل لغو اور باطل ہے کہ اسے بصورت دعویٰ محکمہ قضا کے سامنے پیش کرنا چاہیئے تھا۔

(۲) فریق ثانی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس مطالبہ کو آئینی اور جائز سمجھتے تھے، انھوں نے اسے صحیح تسلیم کرنے کے باوجود قدرت نہ

---

لہ شیعہ مورخین نے اس جنگ کے اختتام کو حضرت علیؓ کی فتح سے تعبیر کیا ہے مگر خود انھیں کے بیان کئے ہوئے تفصیلی واقعات ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فریقین جنگ نہ چاہتے تھے اس لئے جنگ رک گئی اسے حضرت علیؓ کی فتح سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے

ہونے کی وجہ سے اس پر عمل درآمد سے عذر فرمایا۔

(۳) فریق اول کو سبائیوں کے خوفناک عزائم ان کی سراپا ضلال و اضلال تحریک اور ان کی ہولناک ملعون سازش کا علم ہو گیا تھا اس لیے وہ اس زہریلے سانپ کا سر جلد از جلد کچل دینا چاہتے تھے۔

فریق ثانی کے پیش نظر بھی یہ مقصد تھا لیکن وہ اس اقدام کے لئے مزید قوت و طاقت حاصل کرنے کے منتظر تھے اور کچھ مدت کے لئے سبائیوں کی سرکوبی کو ملتوی کرنا چاہتے تھے اس مسئلہ میں فریقین کے درمیان صرف اتنا اختلاف تھا ورنہ مقصد اور حکم شرعی کے بارے میں پورا اتفاق تھا۔

(۴) دونوں میں سے کوئی فریق بھی ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا دونوں نے اس کی پوری کوشش کی کہ باہم جنگ نہ ہو اور اس کوشش میں کامیابی بھی ہو گئی تھی لیکن سبائیوں کی مفسدہ پردازیوں کی وجہ سے فریقین کے سربراہوں کے ارادے اور ان کی مرضی کے خلاف محض اتفاقی طور پر یکایک جنگ چھڑ گئی۔

(۵) فریق اول کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ نہ اس کے شرکار نے اس کے خلاف لشکر کشی کی اور نہ انھوں نے ان سے کوئی بغاوت کی۔ بلکہ فریق اول کی لشکر کشی صرف قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی جس کے صرف مندرجہ ذیل مقاصد تھے۔ خلافت اسلامیہ کی عظمت اور اس کے وقار کو قائم رکھنا (۲) سبائیوں کی دشمن اسلام تحریک کا استیصال کر کے بحیثیت مجموعی دین اسلام کی حفاظت کرنا (۳) دستور اسلامی کی حفاظت کرنا (۴) خود حضرت علیؓ کی اعانت کرنا اور ان کی خلافت پر سے سبائیوں کے دباؤ کو دور کر کے اسے مستحکم بنانا۔

(۶) سبائیوں نے پوری کوشش کی کہ فریقین کے درمیان خانہ جنگی ہو جائے۔ اس لئے کہ ان کا مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کا شیرازہ پراگندہ ہو اور دین اسلام کو معاذاللہ زوال ہو۔ جنگ جمل انھیں کی اس کوشش کے نتیجہ میں برپا ہوئی۔ علیٰ ہٰذا بصرے میں معمولی تصادم حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہٗ سے ہوا وہ بھی انھیں سبائیوں کی فتنہ پردازی کا نتیجہ تھا۔ ان حادثوں میں جو خونریزی ہوئی اس کی کوئی ذمہ داری فریقین میں سے کسی پر نہیں بلکہ ان سب کا اندراج انھیں مفسدوں کے نامۂ اعمال میں ہے۔ اور یہی اُن کے پورے ذمہ دار ہیں۔ مودودی صاحب کا فریق اول کو اس کا ذمہ دار قرار دینا سخت ناانصافی ہے۔

(۷) فریق اول کا طرز عمل آئین اسلام اور دستور شرع کے اعتبار سے بالکل صحیح تھا۔ اُنھوں نے آیہ کریمہ:۔ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئی الی امر اللہ (باغی گروہ سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے) پر عمل فرمایا اسی طرح سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل اسی سزا کے پورے پورے مستحق تھے۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمایا ہے:

| | |
|---|---|
| انما جزاؤا الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ (ایضاً) | جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُن کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا صلیب دیجائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا جلا وطن کر دیئے جائیں۔ |

یہ قانون اسلام بھی فریق اوّل کا مؤید ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ انھوں نے سبائیوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بالکل بجا اور صحیح تھا۔

شرکاء فریق اول کے طرز عمل کو غیر آئینی کہنا ان کے اوپر ظلم اور آئین اسلام سے بے خبری کی علامت ہے بلاشبہ ان کا اقدام آئینی اور نہ صرف آئینی تھا بلکہ اُمت مسلمہ پر ان کا احسانِ عظیم تھا جس سے اُمت قیامت تک سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

(۸) فریقین حق پر تھے کسی کے اقدام کو خطا و غلطی سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اُم المومنینؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ اور ان حضرات کے دیگر شرکار و رفقا بھی حق پر تھے ان کا اقدام بھی بالکل صحیح تھا اسے ان کی اجتہادی یا غیر اجتہادی غلطی نہیں کہا جا سکتا۔ گزشتہ بیانات و دلائل سے یہ نتائج بالکل منطقی اور بدیہی طور پر نکلتے ہیں اور ہر سلیم الفہم قبول کریگا۔

## حضرت سعید بن العاصؓ و حضرت مروانؓ پر مودودی صاحب کا بہتان

جنگ جمل کی کیفیت، نوعیت اور فریقین کے ارادے اور اُن کی خواہش کے خلاف اس کے چھڑ جانے کا سبب پچھلے صفحات میں خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جسے اس سے تسکین نہ ہو وہ طبری البدایہ والنہایہ وغیرہ کتب تاریخ میں اس جنگ کی مزید تفصیل کا مطالعہ کرے اسے یہی معلوم ہوگا کہ اس کا سبب تنہا سبائی تھے۔ جنہوں نے اپنی فریب کاری اور دھوکہ بازی سے مسلمانوں کی عداوت اور اپنی مصلحت و منفعت کے لئے اچانک جنگ چھیڑ دی پورا دفتر تاریخ کھنگال ڈالئے ایک روایت بھی آپ کو ایسی نہ ملے گی جو یہ بتا رہی ہو کہ اس موقع پر حضرت مروانؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ نے

جماعت کو یا کسی ایک فرد کو جنگ چھیڑنے کی ترغیب دی ہو یا خود جنگ کی ابتداء کر کے اس کا سبب بنے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ کسی روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ جنگ کی ابتداء اُم المومنینؓ کے لشکر والوں میں سے کسی کی طرف سے ہوئی ہو اس کے برخلاف سب روایتیں متفق ہیں کہ جنگ کی ابتداء سبائیوں نے کی۔ لیکن مودودی صاحب کو جو عداوت و دشمنی حضرات بنو اُمیہ کے ساتھ اور جو محبت و ہمدردی سبائیوں کے ساتھ ہے اس کا جوش بہتان پر بھی مجبور کر دیتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :

" چنانچہ اُن کے درمیان مصالحت کی بات چیت قریب ہو چکی تھی مگر ایک طرف حضرت علیؓ کی فوج میں وہ قاتلین عثمانؓ موجود تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ اگر اُن کے درمیان مصالحت ہو گئی تو پھر ہماری خیر نہیں اور دوسری طرف اُم المومنینؓ کی فوج میں وہ لوگ موجود تھے جو دونوں کو لڑا کر کمزور کر دینا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے بے قاعدہ طریقے سے جنگ برپا کر دی اور وہ جنگ جمل برپا ہو کر رہی جسے دونوں طرف کے اہل خیر روکنا چاہتے تھے " (ص ۱۲۹ بحوالہ البدایہ)

البدایہ میں جنگ جمل کا بیان دس بار پڑھ جائیے کہیں آپ کو نہ ملے گا کہ اُم المومنینؓ کے لشکر والوں اور ہمراہیوں میں سے " لوگ " تو درکنار کسی فرد نے بھی اس موقع پر مندرجہ بالا گفتگوئے مصالحت کے بعد " بے قاعدہ " یا " با قاعدہ " طریقے سے " جنگ برپا کر دی ہو۔ میں متحیر ہوں کہ مودودی صاحب کو اتنی کھلی ہوئی غلط بیانی اور افتراء پردازی کی جرأت کیسے ہوئی۔ آگے چلکر ہم واضح کریں گے کہ " لوگ " سے ان کا اشارہ حضرت سعید بن العاص اور

حضرت مروان رضی اللہ عنہما کی جانب ہے اس کے پیش نظر یہ افترا پردازی
اور بہتان طرازی اور بھی زیادہ گھناؤنی ہو جاتی ہے۔ ان کے اس افترا کی
توجیہ یہی کی جا سکتی ہے کہ انھیں ایک طرف بنو امیہ کے ساتھ بغض و عداوت
بے جا ہے۔ دوسری طرف انھیں سبائیوں کے ساتھ ہم مشربی کی وجہ سے
ہمدردی ہے۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں اور ان کے متبعین
پر بھی اس جنگ کا الزام لگا دیں اور سبائیوں کے جرم کو بالکل مٹا نہ سکیں
تو کم از کم کچھ ہلکا ہی کر دیں۔ اس مقصد سے انھوں نے ایسی غلط بیانی کا ارتکاب
کیا جس کی کوئی سند و دلیل ان کے پاس نہیں۔ اور جس کے لئے شرعاً
عقلاً، اخلاقاً کسی طرح بھی کوئی وجہ جواز نہیں پیش کی جا سکتی۔ اس کے جواب
میں ہم سوا اس کے کیا کہیں کہ "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" قیامت
برحق ہے اور اس روز انھیں اس بہتان طرازی کے نتیجہ کا پتہ چل جائے گا
افترا و بہتان کا دعویٰ تو ان بزرگوں کی طرف سے ہوگا اپنی دلآزاری کا معاملہ
بھی انشاء اللہ ہم اسی دن احکم الحاکمین کے حضور میں پیش کریں گے۔

بڑا مزا ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لئے

اس موقع پر مودودی صاحب نے ناواقف ناظرین کو جو مغالطہ دینے کی
کوشش کی ہے۔ اور جس طرح انھیں فریب میں مبتلا کرنا چاہا ہے اس کی جس قدر
داد سبائیہ دیں وہ کم ہے۔ سطور ذیل میں اس کی نقاب کشائی کی جاتی ہے۔ غور
سے دیکھئے اور مغالطہ انگیزی میں مولانا کی مہارت کا اعتراف کیجئے۔
انھوں نے ان بزرگوں پر الزام مذکور لگانے کے لئے پہلے قاری کے
ذہن کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے پیش نظر اس سے پہلے صفحہ ۱۲۸

پھر اُم المومنینؓ کی روانگی بصرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"بنی اُمیہ میں سے سعید بن العاص اور مروان بن الحکم بھی اُن کے ساتھ نکلے مرالظہران (موجودہ وادی فاطمہ) پہونچکر سعید بن العاص نے اپنے گروہ کے لوگوں سے کہا اگر تم قاتلین عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو قتل کردو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں (ان کا اشارہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ بزرگوں کی طرف تھا کیونکہ بنی اُمیہ کا عام خیال یہ تھا کہ قاتلین عثمان صرف وہی نہیں ہیں جنہوں نے ان کو قتل کیا یا جو اُن کے خلاف شورش برپا کرنے کے لئے باہر سے آئے بلکہ وہ سب لوگ بھی ان کے قاتلین میں شامل ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً حضرت عثمانؓ کی پالیسی پر اعتراضات کئے تھے یا جو شورش کے وقت مدینہ میں موجود تھے مگر قتل عثمان کو روکنے کے لئے نہ لڑے) مروان نے کہا کہ "نہیں ہم ان کو (یعنی طلحہ زبیر و حضرت علی رضی اللہ عنہم کو) ایک دوسرے سے لڑائیں گے دونوں میں سے جس کو بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہو جائے گا اور جو فتحیاب ہوگا وہ اتنا کمزور ہو جائے گا کہ ہم با سانی اس سے نمٹ لیں گے" اس طرح ان عناصر کو لئے ہوئے یہ قافلہ بصرے پہونچا اور اس نے عراق سے اپنے ہزارہا حامیوں کی ایک فوج اکٹھا کرلی" (انتہی) صفحہ ۱۲۸

. حوالہ طبقات ابن سعد ج ۵ ص . . . . . . . . . . . . . . . . . . .

خلافت و ملوکیت جلد دوم کا دیا گیا ہے۔ روایت کی صحت و غلطی پر تو ہم انشاء اللہ آگے

چل کر بحث کریں گے۔ پہلے ہم ان کے مغالطہ کی بخیہ دری کرنا چاہتے ہیں۔
اس مسئلہ کے متعلق پہلی بات تو یہ عرض کرنا ہے کہ اگر ہم اس روایت کو اور اُن کے بیان کو صحیح بھی تسلیم کرلیں تو بھی اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلتا ہے کہ اس موقع پر ان حضرات نے "بے قاعدہ طریقے سے جنگ برپا کردی"؟ اس سے زیادہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعیدؓ بن العاص اور حضرت مروانؓ، حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو قاتلین سیدنا عثمانؓ بھی سمجھتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ یہ حضرات حضرت علیؓ سے متصادم ہو جائیں۔ لیکن یہ بات اس سے کسی طرح نہیں نکلتی کہ اس خواہش کو انھوں نے عملی جامہ بھی پہنایا مودودی صاحب کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ان حضرات نے عملاً بے قاعدہ طریقہ سے جنگ برپا کرائی۔ یہ دعویٰ اس بیان و روایت سے کیسے ثابت ہوگیا؟ بالفاظ مختصر اس سے صرف خواہش اور نیت معلوم ہوتی ہے نہ کہ عمل اور وقوع اور انھوں نے الزام عمل اور وقوع کا لگایا ہے۔ خدارا کوئی بتا سکتے کہ یہ الزام اس دلیل سے کیسے ثابت ہوگیا؟ مندرجہ ذیل مثال سے بات زیادہ واضح ہوجائیگی فرض کیجیے زید کو ایک شخص قتل کر دیتا ہے جس کا نام خالد ہے۔ اس کی عینی شہادت موجود ہے لیکن دوران تحقیق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص عمرو واردات سے چند روز پہلے کہہ رہا تھا کہ میں زید کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ تو کیا دُنیا کی کوئی عدالت صرف اظہار نیت و خواہش کے قرینہ کی بنا پر عمرو کو بھی زید کا قاتل قرار دے گی؟ "بالفرض اگر ان حضرات کی یہ نیت بھی تھی تو کیا صرف اس نیت و خواہش کی وجہ سے کوئی عدالت خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی اُنھیں "جنگ برپا کر دینے" کا مرتکب اور اپنی اس خواہش پر عمل کرنے والا قرار دیدیگی؟ خصوصاً جب اس خواہش اور نیت کا اظہار مرالظہران میں ہوا تھا اور عمل کا موقع

کیونکہ دن کے بعد بصرے میں آیا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ اس مدت میں ان حضرات کے خیالات مذکورہ یکسر بدل گئے ہوں؟ ہو سکتا ہے کہ سبائیوں کی مشہور کی ہوئی غلط افواہوں یا واقعہ شہادت تازہ ہونے کی وجہ سے شدتِ غم و غصہ میں ان حضرات کو حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ سوء ظن اور اس کے نتیجہ میں ان پر غیظ و غضب پیدا ہو گیا ہو۔ لیکن چند روز تک رفاقت کے بعد یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہو کہ یہ حضرات خونِ عثمانؓ ذی النورین سے بالکل بری ہیں اور اس انکشاف سے ان کا ارادہ بھی بدل گیا ہو؟ یہ بھی نہ مانئے تو کیا یہ امر محال ہے کہ کسی خاص مانع کی وجہ سے (مثلاً حضرت طلحہؓ کا اثر بصرے میں دیکھ کر) ان حضرات نے اپنا مبینہ منصوبہ ترک کر دیا ہو؟۔ ان سب احتمالات کے ہوتے ہوئے اُن روایات کی بنیاد پر ان بزرگوں کو جنگ جمل برپا کرنے کا مرتکب قرار دینا مولانا کی ایسی مذموم جسارت ہے جس کا ارتکاب صرف سبائیت زدہ ذہن ہی کر سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرا سا بھی انصاف اور جس کے دماغ میں تھوڑی سی بھی عقل و فہم ہے وہ تو اس غیر منطقی استدلال کو مغالطہ اور اس الزام کو افتراء پردازی اور بہتان طرازی ہی سے موسوم کریگا۔

ممکن ہے کہ کسی صاحب کو شبہ ہو کہ مراسلہ نگاران کی مذکورہ گفتگو اگرچہ الزام مذکور کا اطمینان بخش ثبوت تو نہیں لیکن کم از کم ایسا قرینہ تو ہے جسکی بناء پر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان بزرگوں نے بھی سبائیوں کی طرح بقول مودودی صاحب "بے قاعدہ طریقے سے جنگ برپا کر دی ہو؟ جواب یہ ہے کہ اول تو مندرجہ بالا متعدد احتمالات کے بعد یہ قرینہ اس قدر کمزور اور ضعیف ہو جاتا ہے کہ اس سے مندرجہ بالا نتیجہ نکالنا شرعی و علمی اعتبار سے جائز اور صحیح

نہیں رہتا۔ دوسرے بالفرض ہم اس قرینہ کو قوی بھی تسلیم کرلیں تو اس سے زیادہ سے زیادہ اس الزام کی صحت کا امکان اور احتمال پیدا ہوتا ہے نہ کہ جزم اور وثوق اگر مودودی صاحب کا تکیہ اسی قرینہ پر تھا تو زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ "ان حضرات کی سابق گفتگو کی وجہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انھوں نے بھی سبائیوں کی طرح "بے قاعدہ طریقہ سے جنگ برپا کردی ہو" یہ کہنے کی تو کسی طرح گنجائش نہیں نکلتی کہ "انھوں نے جنگ برپا کردی" یعنی انھیں احتمال پر دلالت کرنے والا صیغہ استعمال کرنا چاہئیے تھا نہ کہ وقوع اور وثوق کو بتانے والے الفاظ انھوں نے جو الزام لگایا ہے اس کی صحت و جواز کی تو کوئی وجہ ہی نہیں۔ اس کا شمار تو بہر حالت بہتان و افتراء اور الزام بے ثبوت ہی نے ذیل میں کیا جائیگا۔

انھوں نے پڑھنے والے کے ذہن کو پھانسنے کے لئے بہت پر فریب انداز میں جال بچھایا ہے۔ پہلے مرالظہران والی روایتیں نقل کیں اور اس کے ذہن کو حضرات سعید و مروان نیز دوسرے اموی حضرات کے خلاف ہموار کرنے کی کوشش کی ۔ جب اپنی دانست میں وہ اس کے قلب میں ان مقدس ہستیوں کے خلاف جذبات برانگیختہ کر چکے اور اسے ان کے ساتھ سوء ظن میں مبتلا کر چکے تو بہت ہوشیاری کے ساتھ چند سطروں کے بعد جال کی ڈوری کھینچ لی اور گول مول انداز میں کہہ دیا کہ "انھوں نے بے قاعدہ طریقے سے جنگ برپا کردی" ناواقف طائر اگر اس جال میں اسیر نہ ہوجائے تو جائے تعجب ہے ۔ وہ قاری جو حقیقت واقعہ سے ناواقف اور سبائی شعبدہ بازیوں سے بے خبر ہو اور جس کا ذہن پہلے ہی موصوف الصدر بزرگوں اور ان کے قبیلے کے ساتھ سوء ظن سے مسموم ہوچکا ہو یقیناً اس فریب کا شکار ہو جائے گا اور یقین کرلے گا کہ ضرور

ان حضرات نے جنگ کی ابتدا کی ہوگی، جماعت اسلامی کے اخلاقی ضابطہ میں اس کارروائی کا نام علمی تحقیق ہو تو ہو مگر علمی دنیا میں تو یہ فریب دہی کے نام سے مشہور و معروف ہے

جنگ جمل کس طرح شروع ہوئی؟ اس کی تفصیل ہم گزشتہ صفحات میں ان کتب تاریخ سے نقل کر چکے ہیں جن کا شمار مودودی صاحب کے نزدیک تاریخ اسلام کے مستند ترین مآخذ میں ہے۔ کتب تاریخ متفق ہیں کہ جنگ سبائیوں اور صرف سبائیوں نے ایک خفیہ منصوبہ بنا کر شروع کی۔ کچھ سبائیوں نے اس منصوبہ کے ماتحت حضرت علیؓ کے لشکر سے نکل کر ام المومنینؓ کے لشکر پر شبخون مارا اور انھیں کا ایک گروہ جو اس سازش کے ماتحت پہلے سے ام المومنینؓ کے لشکر میں جا کر چھپ رہا تھا حضرت علیؓ کے لشکر پر حملہ آور ہوگیا۔ اس طرح جنگ کا آغاز ہوگیا اور طرفین کے دوسرے لوگ اپنے مقابل والوں کو غدر کا مرتکب سمجھ کر محض غلط فہمی کی وجہ سے صرف مدافعت میں مصروف ہوگئے مزید یہ کہ فریقین نے باوجود مذکورہ غلط فہمی کے مدافعت ہی پر اکتفا کی۔ اس طرح فریقین کی مرضی اور ان کے ارادے کے بغیر جنگ شروع ہوگئی۔ مودودی صاحب نے اس کیفیت کو قصداً قلم انداز کیا اور اس موقع پر انھوں نے "بے قاعدہ جنگ برپا کر دی" کا مبہم و مجمل جملہ لکھ کر قاری کو اس مغالطہ میں مبتلا کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ جنگ کی ابتداء کرنے والوں میں مذکورالصدر اموی بزرگ اور دوسرے اموی حضرات بھی تھے۔ حالانکہ علمی انداز بیان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس مقام پر آغاز جنگ کی کیفیت واضح طریقہ سے تحریر کرتے۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتے؟ اگر وہ یہ کیفیت لکھ دیتے تو ان بزرگوں اور بنو امیہ پر جھوٹا الزام کیسے لگا سکتے تھے عداوت بنی امیہ اور محبت سبائیہ کے جذبات کی تسکین کیسے ہوتی؟ اس لئے انھوں

نے دیانت داری، مورخانہ غیر جانبداری، اور علمی تحقیق کے تقاضوں پر لات مار کر گول مول عبارت اپنے قلم سبائیت رقم کے سپرد فرمادی اور بنو امیہ پر سر تا پا غلط الزام لگا کر اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں اضافہ فرمالیا۔

مودودی صاحب کے مغالطوں اور اُن کے خلاف دیانت غیر علمی طرزِ کلام کی نقاب کشائی کے بعد ہم اس روایت کی حقیقت بھی واضح کرتے ہیں جس کے حقیر قد و قامت کو قوسین کے درمیان اپنی عبارت کے پیوند اور جوڑ لگا کر اُنھوں نے اتنا بڑھایا ہے کہ اُس نے صفحہ کا اکثر حصہ گھیر لیا۔ حالانکہ خود اس کی بساط دو سطروں سے زائد نہ تھی۔ اس کے لئے اُنھوں نے طبقات ابن سعد جلد پنجم اور ابن خلدون تکملہ جلد دوم کا حوالہ دیا۔ دونوں حوالے غلط ہیں۔ ان میں سے کسی میں اس روایت کا نام و نشان بھی نہیں ـــــ شاید اُنھوں نے اپنے کسی شیعہ بھائی کے اعتماد پر اُن کی کسی کتاب سے یہ روایت نقل کر دی ـــ اور اُن کے دیئے ہوئے حوالے بغیر تصحیح و مقابلہ درج کر دئے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ طبری جلد پنجم میں اس سے قدرے مشابہت رکھنے والی ایک روایت موجود ہے جو مع سند بلفظہا درج ذیل ہے:۔

| | |
|---|---|
| حدثنا عمر بن شبۃ ثنا ابوالحسن | ہم سے عمر بن شبہ نے اس سے ابوالحسن نے |
| ثنا ابو عمرو عن عتبۃ بن المغیرۃ | اور اس سے ابوعمر نے بحوالہ عتبہ بن المغیرۃ ابن اخنس |
| بن الاخنس قال لقی سعیدؓ بن | بیان کیا کہ حضرت سعید بن العاص نے |
| العاص مروانؓ بن الحکمؓ بذات | مقام ذات عرق میں حضرت مروانؓ بن الحکمؓ |
| عرق فقال این تذھبون | سے ملاقات کر کے کہا کہ تم لوگ کہاں جاتے ہو |
| وثارکم علی اعجاز الابل اقتلوھم | حالانکہ خون کا بدلہ تو اونٹوں کی پشت پر ہے انھیں قتل کر دو |
| ثم ارجعوا الی منازلکم لا تقتلوا انفسکم | اپنے گھروں کو لوٹ |

قالوبل نسیر فلعلنا نقتل قتلۃ عثمانؓ جمیعا

(واقعات ۳۶ھ)

جاؤ اپنی جان کو ہلاک نہ کرو ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم جائیں گے مت یدہم حضرت عثمانؓ کے سب قاتلوں کو قتل کرسکیں۔

خیال فرمائیے کہ یہ طبری کی روایت ہے جو مودودی صاحب کی نقل کردہ روایت کے جزو اول سے قدرے مشابہت رکھتی ہے مگر اس میں اس کے جزو ثانی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔ اس پر دوبارہ نظر ڈالئے اسمیں کہیں کہیں حضرات طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ میں سے کسی کا نام ہے؟ اور انھیں دوسروں سے لڑاتے اور فاتح سے بعد کو نمٹ لینے کا کوئی ادنیٰ تذکرہ یا اشارہ بھی کہیں نظر آتا ہے؟ روایت میں تو شریک سفر رہنے کا مقصد یہ بیان کیا جارہا ہے کہ لعلنا نقتل قتلۃ عثمانؓ جمیعا تا یدہم سب قاتلین عثمانؓ کو قتل کرسکیں اور مودودی صاحب اپنی طرف سے اس کا مقصد دونوں کو لڑانا اور فاتح سے "نمٹ لینا" اختراع فرماکر حضرت مروانؓ کی طرف منسوب کررہے ہیں! کیا خوب دیانت داری ہے!

اُنھوں نے ابن خلدون کے تکملہ جلد دوم کا جو حوالہ دیا ہے اس میں جو کچھ مذکور ہے اس کی بنیاد بھی طبری ہی کی روایت ہے۔ اس کی عبارت بھی بلفظہا درج ذیل ہے :-

واشار سعیدؓ بن العاص علی مروانؓ بن الحکمؓ واصحابہ بادراک ثارھم من عائشۃؓ وطلحۃؓ والزبیرؓ فقال نسیر لعلنا نقتل قتلۃ عثمانؓ جمیعا۔

(زیر عنوان امر الجمل)

اور حضرت سعیدؓ بن العاص نے حضرت مروانؓ اور اُن کے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ وہ حضرت عائشہؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ سے (خون عثمانؓ) کا بدلہ لے لیں (حضرت مروانؓ) نے جواب دیا کہ ہم آگے بڑھیں گے ممکن ہے کہ اس طرح ہم سب قاتلین عثمانؓ کو قتل کرسکیں۔

مودودی صاحب کی ذکر کردہ روایت یہ بھی نہیں ہے اور اس میں بھی کہیں یہ مذکور نہیں کہ ..... ہم ان کو ایک دوسرے سے لڑائیں گے دونوں میں سے جس کو بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہوجائے گا اور جو فتحیاب ہوگا وہ اتنا کمزور ہوجائے گا کہ بآسانی اس سے نمٹ لیں گے اس میں بھی وہی بعلنا نقتل قتلة عثمانؓ جمیعاً ہے۔ شاید ابن خلدون کا کوئی نادر نسخہ کسی سبائی کا لکھا ہوا قلمی یا کسی سبائی مطبع کا چھپا ہوا ان کے پاس ہوگا جس میں یہ مضمون درج ہوگا۔ سو اس کے کیا کہا جائے کہ عداوت صحابہ اور حب سبائیہ کے جذبات نے انھیں اس صریح غلط بیانی اور الزام تراشی اور خیانت پر آمادہ کر دیا۔ خیال تو فرمائیے کہ مورخین متفق ہیں کہ جنگ جمل صرف سبائیوں کی فریب کاری کی رہین منت تھی۔ لیکن آج تیرہ سو سال کے بعد خلافت الٰہیہ کے ایک داعی یہ تحقیق انیق فرماتے ہیں کہ سبائیہ کے اس جرم عظیم میں معاذ اللہ بزرگان مذکور بھی شریک تھے اور اس کے لئے اپنی طرف سے روایت وضع کرنے میں بھی کوئی باک نہیں محسوس فرماتے۔ اس حیرت انگیز انکشاف اور عجیب و غریب ریسرچ کی داد تو سبائیہ ہی دے سکتے ہیں یا "خلافت و ملوکیت" کے ناشر صاحب جن کے نزدیک مصنف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

بے جا نہ ہوگا اگر اس مقام پر مصنف کی ایک اور چالاکی کا تذکرہ کر دیا جائے۔ انھوں نے ابن خلدون کی مندرجہ بالا عبارت پیش نظر رکھ کر اور اس میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے کاغذ کا خاصہ حصہ سیاہ کیا ہے۔ لیکن حضرت سعید بن العاصؓ وغیرہ پر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے انتقام لینے کے ارادے کا الزام لگایا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا اسم گرامی قصداً حذف کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ام المومنین کا اسم گرامی بھی ذکر کر دیتے تو روایت کی لغویت واضح ہوجاتی ـــ ہر شخص سمجھ سکتا

تھا کہ حضرت سعیدؓ بن العاص کی کیا مجال تھی جو معاذ اللہ ام المومنین حرمتہ رسول اللہ کو شہید کرانے کا تصور بھی کر سکتے چہ جائیکہ اس کا تذکرہ کرنا اس سے معلوم ہو جاتا کہ یقیناً یہ حکایت کسی سبائی کی من گھڑت اور سرتاپا کذب و دروغ ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ اگر ام المومنین کا نام بھی آتا ہے تو اس دروغ کو فروغ نہ نہ ہو سکے گا اس لئے انھوں نے ان کا نام نامی نہیں ذکر کیا۔ معلوم نہیں یہ دیانتداری کی کونسی قسم ہے کہ حوالہ ابن خلدون کا دیا جائے مگر اس کی پوری بات نہ ذکر کی جائے بلکہ کتربیونت کرکے بیان کی مگر وری کو چھپانے اور ناواقف قاری کو دھوکہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جائے

مندرجہ بالا بحث سے یہ حقیقت تو الم نشرح ہوگئی کہ مودودی صاحب کی ذکر کردہ روایت کا کہیں بھی وجود نہیں ۔ انھوں نے اپنی طرف سے ایک روایت گڑھی اور ایک بیان تیار کیا۔ جس کے لئے حوالے بھی بالکل غلط دیئے۔ غلط بیانی دھوکہ دہی، مغالطہ انگیزی اور خیانت کا ارتکاب کیا۔ لیکن طبری کی مذکورہ روایت اور ابن خلدون کی مذکورہ حکایت اگرچہ ان کی ذکر کردہ روایت نہیں ۔ مگر اس کے ایک حصے سے ایک گونہ مشابہت رکھتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی وجہ سے کسی کو بزرگان مذکور کے متعلق ——— کچھ سوء ظن پیدا ہو۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ہم ان دونوں پر بھی ایک ناقدانہ نظر ڈال کر ان کی حقیقت واضح کر دیں سطور ذیل میں اس کی بحث ملاحظہ ہو۔

کتاب کے حصہ اول میں مذکور ہو چکا ہے کہ ابن خلدون کا سب سے بڑا ماخذ طبری ہے اس کی مذکورہ بالا عبارت بھی کوئی مستقل روایت نہیں ہے بلکہ طبری کی مندرجہ بالا روایت ہی بصورت حکایت ہے۔ اسی روایت کو مصنف نے اپنی یا کسی راوی کی رائے کی آمیزش کے ساتھ مورخانہ طرز پر بیان واقعہ

کی شکل میں ذکر کیا ہے۔ طبری میں صرف اتنا ہے کہ حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ تمہارا انتقام اونٹ کی پشت پر ہے، حضرات طلحہؓ و زبیرؓ یا اُم المومنینؓ کا کوئی تذکرہ اس روایت میں نہیں ہے۔ بلکہ مصنف یا کسی دوسرے کی رائے ہے جو انھوں نے بغیر حوالہ نقل کردی ہے۔ ظاہر ہے کہ واقعات رائے سے نہیں ثابت ہوتے بلکہ روایت وخبر سے ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ رائے بے وزن اور ساقط الاعتبار ہے اور اس پر کسی مورخانہ دعوے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

رہی طبری کی مذکورہ روایت جو اس بارے میں اصل ہے اس کا حال بھی دیکھ لیجئے۔ اول تو خود طبری پر شیعیت کا داغ لگا ہوا ہے۔ خصوصاً اموی حضرات کے معاملہ میں تو ان کا تشیع اور بھی شدت اختیار کر گیا ہے۔ ان کی کوئی ایسی روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی جس سے کسی صحابی خصوصاً اموی صحابی پر حرف آتا ہو۔ حضرت مروانؓ کی صحابیت کو مختلف فیہ کہہ لیجئے لیکن حضرت سعیدؓ بن العاص کا صحابی ہونا تو متفق علیہ ہے۔ ان کے خلاف بلکہ سارے بنو اُمیہ کے خلاف طبری کی روایت کیسے لی جاسکتی ہے؟ اس کے علاوہ اس کی سند میں عمر بن شبہ کے علاوہ سب راوی مجہول ہیں ایسے مجہول راویوں کے بیان پر اعتبار کرکے تو کسی ادنیٰ مسلمان پر بھی کوئی الزام نہیں عائد کیا جاسکتا، چہ جائیکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر اتنا بڑا الزام، فہم و درایت کی کسوٹی پر پرکھئے تو اس روایت کا کھوٹا اور جعلی ہونا بالکل واضح ہوجاتا ہے وضع اور کذب کے مندرجہ ذیل قرائن و علامات پر نظر کیجئے۔

اول:۔ اُم المومنینؓ کا لشکر بصرے پہونچنے سے پہلے صرف چند سو افراد پر مشتمل تھا جس میں اکثریت ان حضرات کی تھی جو خود اُم المومنینؓ یا حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کے زیر اثر تھے۔ اُموی حضرات تعداد کے اعتبار سے اقلیت میں تھے۔ ایسی

حالت میں حضرت سعیدؓ بن العاص یا حضرت مروانؓ بن الحکمؓ کا ان بزرگوں کو شہید کرنے کا تصور کرنا یا اس خیال کو زبان پر لانا بالکل خلاف عقل و قیاس ہے۔

دوم :۔ حضرت سعیدؓ و حضرت مروانؓ کی اعلیٰ درجہ کی فہم و فراست کے اعتراف پر تو ان کے سخت دشمن بھی مجبور ہیں۔ تو کیا یہ حضرات اتنا بھی نہ سمجھتے تھے کہ ان مقدس محترم اور مقبول انام بزرگوں کو قتل کر دینا ہنسی کھیل نہیں ہے کہ اس کے بعد یہ دونوں اور ان کے معاون بنو امیہ اطمینان سے گھروں میں بیٹھے رہیں گے؟ ایسی ناسمجھی کی بات ان حضرات کی زبان سے نکلنا بالکل خلاف عقل و قیاس ہے۔ خیال تو فرمائیے کہ قاتلین سیدنا عثمانؓ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے بھی خلاف تھے اور انھوں نے انھیں قتل کی دھمکی دے کر ان سے حضرت علیؓ کی بیعت لی تھی اور خوب سمجھتے تھے کہ یہ دونوں حضرات ہمارے سخت مخالف ہیں لیکن باوجود اس کے دوران قیام مدینہ طیبہ میں اس بیباک اور دشمن صحابہ گروہ نے بھی ان حضرات کو قتل کر دینے کی جرأت نہ کی۔ تو حضرت سعیدؓ و حضرت مروانؓ کا انھیں حضرات کے لشکر اور ام المؤمنینؓ کی موجودگی میں انھیں قتل کر دینے کا خیال کرنا ایسی بات ہے جسے سوا سبائیت زدہ عقل کے دنیا کی کوئی عقل و فہم تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی۔

سوم :۔ اس واقعہ کو سامنے رکھئے جو طبری وغیرہ کتب تاریخ میں بتکرار مذکور ہے کہ ام المؤمنینؓ نے جن اسباب و مصالح کے پیش نظر بصرے کی جانب رخ کیا تھا ان میں ایک بہت بڑا سبب اور اہم مصلحت یہ تھی کہ وہاں حضرت طلحہؓ کا بہت اثر تھا اور ان کے معتقدین کی بہت بڑی تعداد تھی۔ اور ان سے توقع تھی کہ وہ ان حضرات کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔ اس مسلمہ واقعہ کو ملحوظ رکھ کر طبری کی مذکورہ روایت پر نظر کیجیے تو اس میں تناقض بیان نظر آئے گا۔ اس روایت

کے بموجب حضرت مروانؓ فرماتے رہیں کہ ہم چاہتے رہیں تا کہ سب قاتلین عثمانؓ کو قتل کر سکیں۔ مودودی صاحب کی تشریح کے مطابق وہ ان حضرات طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ کو بھی قاتلین عثمانؓ کی فہرست میں شامل سمجھتے تھے ایسی صورت میں کہ ہم "سب قاتلین عثمانؓ کو قتل کر سکیں گے" کس قدر خلاف عقل ہے غور تو کیجئے کہ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ وہ بصرے پہونچکر سیکڑوں سبائیوں کو بھی قتل کر دیں گے اور اُن کے ساتھ حضرت طلحہؓ کے ہزاروں معتقدین و جان نثاروں، اُم المومنین کے ہزاروں سعید فرزندوں اور حضرت زبیرؓ کے بکثرت ارادت مندوں کے درمیان ان حضرات کو بھی بصرے کے سبائیوں کے ساتھ قتل کر سکیں گے؟ اور اس طرح سب قاتلین عثمانؓ کو مقتولین کی فہرست میں درج کر کے فہرست مکمل کر سکیں گے؟ کیا وہ سمجھتے تھے کہ وہاں پہونچکر ان میں کوئی طلسمی طاقت پیدا ہو جائے گی جو وہ ان سب پر غالب آجائیں گے۔ جو شخص ذرا بھی فہم سے کام لے گا اسے روایت کے مذکورہ دونوں اجزاء یعنی بصرے جانے کے ارادے اور سب قاتلین عثمانؓ بشمول حضرات مذکورہ کو قتل کر بیٹھے ارادے میں کھلا ہوا تناقض بیان نظر آئے گا۔

چہارم :- طبری کی روایت جو اصل ہے اس میں تو حضرت سعیدؓ کیجانب صرف اتنی بات منسوب کی گئی ہے کہ "تم جن لوگوں سے قصاص لینا چاہتے ہو وہ اونٹوں کی پشت پر ہیں" ــــــ مگر جو تمہارے ساتھ ہیں وہ کون لوگ ہیں؟ اور حضرت سعیدؓ کی مراد کون افراد تھے؟ اس کا کوئی تذکرہ بھی روایت میں نہیں اس سے یہ سمجھنا کہ حضرت سعید کا اشارہ مذکورہ بالا مقدس حضرات یعنی حضرت طلحہؓ وغیرہ کی طرف تھا خود محتاج دلیل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس لشکر میں کچھ ایسے افراد بھی آگھسے ہوں جو پہلے حضرت عثمانؓ کے مخالف ہوں اور حضرت

سعیدؓ کو ان کے متعلق کسی طریقے سے معلوم ہوا ہو کہ وہ سبائیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح سبائیوں کی منافقانہ فطرت اور عیارانہ سازشوں کو دیکھتے ہوئے یہ بھی ممکن ہے کہ انھوں نے کچھ اپنے آدمی جاسوسی یا فساد انگیزی کے لئے اس مقدس لشکر میں بھیجدیئے ہوں اور حضرت سعیدؓ اپنی فراست ایمانی یا کسی مخبر کی خبر رسانی کی وجہ سے انھیں پہچان گئے ہوں اور ان کا اشارہ انھیں لوگوں کی طرف ہو۔ اس لئے طبری کی روایت تو مودودی صاحب کے لئے ذرہ برابر بھی مفید نہیں وہ اگر ثابت بھی ہو تو اس سے ان کا مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ رہ گئی ابن خلدون کی حکایت تو اس کے متعلق عرض کر چکا ہوں کہ وہ کسی کی رائے ہے روایت نہیں ہے اس لئے کہ جب اصل روایت (طبری) میں مشارالیہم متعین نہیں تو ابن خلدون میں ان حضرات کے اسماء گرامی کی تصریح کے ساتھ ان کا تعین کر دینا بالکل بے دلیل اور لغو ہے۔ معلوم نہیں کہ مصنف کو کس ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت سعیدؓ کا اشارہ ان حضرات کی جانب ہے۔ تاہم ابن خلدون کے اس بے دلیل تذکرہ سے روایت کا جعلی ہونا معلوم ہو گیا۔ کیونکہ اس میں ام المومنینؓ کا اسم گرامی بھی درج ہے اور یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہے کہ کسی کے لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شہید کرانے کی جرأت کرنا بالکل خلاف عقل و قیاس ہے۔ مودودی صاحب بھی ابن خلدون کے بیان کے اس نقص کو سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دیانتداری کو بالائے طاق رکھ کر اس حکایت سے ام المومنینؓ کا نام نامی حذف کر دیا جیسا کہ ہم چند سطریں پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اس تفصیل سے روشن ہو گیا کہ اگر تکملہ ابن خلدون کے بیان سے قطع نظر کی جائے تو طبری کی روایت کو تسلیم کرنے سے بھی حضرت سعید بن العاصؓ و حضرت مروان بن الحکمؓ اور دوسرے امویوں پر کوئی اعتراض نہیں وارد ہوتا اور مودودی صاحب

کا مقصد نہیں حاصل ہوتا۔ اور اگر تکملہ کی تشریح کو قبول کیا جائے تو روایت کا جعلی، موضوع اور من گھڑت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں تو ان بزرگوں پر اعتراض مذکور کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ان دلائل و قرائن سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ طبری کی روایت اور تکمہ ابن خلدون کی حکایت دونوں بالکل غلط، موضوع جعلی اور سبائیوں کی گڑھی ہوئی ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ مکرر واضح کر دوں کہ تکملہ میں جو کچھ ہے اس کی بنیاد طبری ہی کی روایت ہے۔ وہ کوئی مستقل روایت نہیں ہے نہ اس کی کوئی سند مذکور ہے۔ وہ کئی صدیوں بعد کی تالیف ہے۔ اس کے مصنف کے بذات خود اس قسم کے واقعات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ یہی طبری وغیرہ دو تین قدیم کتابیں ان کا ماخذ ہیں، جن میں سب سے اہم ماخذ طبری کا ہے۔ اس مضمون کی تفصیل ہم حصہ اول کی ابتدا میں کر آئے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ تکملہ جلد دوم خود ابن خلدون کا لکھا ہوا نہیں ہے اسلئے قطعاً قابل اعتماد نہیں بلکہ کسی مجہول شخص کا اضافہ ہے وہ روایت جو مودودی صاحب نے ذکر کی ہے وہ خود انھیں کی وضع کی ہوئی ہے۔ جو انھوں نے غلط حوالے دیکر ناواقفوں کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی ہے۔ اصل کتب تاریخ میں اس کا نام و نشان بھی کہیں نہیں ملتا۔ اس کے ساتھ جو انھوں نے تشریحی حاشیہ آرائی فرمائی ہے اور قوسین میں بزعم خود اس کے شکستہ اجزا کو پیوستہ کرنے کے لئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ تو وضع جعل در جعل اور افترا در افترا ہے کیا مضائقہ ہے اگر اس کے متعلق بھی دو کلمے لکھ دیئے جائیں۔

درحقیقت حاشیہ کی یہی کھپچیاں جو انھوں نے اپنی وضع کردہ روایت کے شکستہ اجزاء کو جوڑنے کے لئے استعمال کی ہیں ان کے زیر بحث بیان کی جان

ہیں۔ طبری کی مذکورہ روایت اور تکملہ کی مذکورہ حکایت کو انھوں نے دیانت کے ساتھ نقل کرنے کے بجائے ایک نئی روایت وضع کرنے کے لیے بطور مواد خام استعمال کیا۔ روایت سے "لعلنا نقتل قتلۃ عثمان جمیعاً" کو حذف کر دیا۔ اور تکملہ کی عبارت سے اُم المومنینؓ کا نام نامی حذف کیا۔ پھر اس میں اپنی طرف سے گھڑھ کر "لڑانے اور فاتح سے منٹ لینے" کا ٹکڑا جوڑ دیا۔ اس طرح دونوں کو جوڑ کر ایک روایت تیار ہوگئی جس کی کوئی اصل نہیں ــــ یہ سوال پھر بھی باقی رہا کہ ان بزرگوں کو حضرت طلحہؓ وغیرہ سے اتنی عداوت کیوں تھی؟ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے اُنھوں نے ایک اور جعلسازی کا ارتکاب کیا یعنی اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ بنو اُمیہ ان سب حضرات کا شمار قاتلین عثمانؓ میں کرتے تھے جنھوں نے (۱) اُن کی پالیسی پر وقتاً فوقتاً اعتراضات کئے تھے (۲) یا جو شورش کے وقت مدینہ میں موجود تھے مگر اُن کے قتل کو روکنے کے لئے نہ لڑے"۔ بنو اُمیہ کی جانب ان دونوں خیالات کی نسبت بالکل غلط ــ اور مودودی کا افترا ہے ان کے اوپر واجب تھا کہ وہ کسی قابل اعتماد تاریخی شہادت سے ثابت کرتے کہ بنو اُمیہ کے یہ خیالات تھے اُنھوں نے ایک بھی تاریخی شہادت اس مضمون کی نہیں پیش کی اور نہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ صفحات تاریخ اس سے خالی ہیں۔ بنو اُمیہ کے ساتھ اُنھیں جو عداوت و بغض اور سوءِ ظن ہے اس نے اُنھیں بہتان طرازی اور بے اصل توجیہہ پر آمادہ کر دیا۔ ان کا یہ غلط اور من گھڑت الزام افسوسناک بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی۔ خیال تو فرمایئے کہ اُم المومنینؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ وغیرہ سیدنا عثمانؓ کے دشمنوں سے انتقام لینے اور اُن کا استیصال کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا رہے ہیں کیا کوئی عقل باور کر سکتی ہے کہ بنو اُمیہ اس قدر نا سمجھ تھے کہ وہ ان حضرات کو قاتلین سیدنا عثمانؓ میں شامل سمجھتے؟ جس شخص میں ذرہ برابر بھی عقل و انصاف ہے وہ کبھی اس مہمل

خیال اور بدگمانی کو اُن کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ مودودی صاحب کو اگر جھوٹا الزام لگانا ہی تھا تو کم از کم وہ ایسا تو ہوتا جسے کوئی سمجھدار آدمی باور کر سکتا۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے "بغضک الشئی یعمی و یصم"

یہ بات کہ ان حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی پر وقتاً فوقتاً اعتراضات کئے تھے سرے سے غلط اور بے اصل ہے۔ ہم اپنی کتاب کے حصہ اول میں واضح کر چکے ہیں کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی پر کوئی صحابی بھی معترض نہ تھا۔ اس قسم کی بعض روایتیں جو حضرات علی، طلحہ، زبیر، عمار، حضرت عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کے متعلق ملتی ہیں سب سبائیوں کی گڑھی ہوئی اور سراپا کذب و دروغ ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش و بغاوت اور اُن کی شہادت کے بعد کے واقعات سے تعلق رکھنے والی روایتوں کو طبری وغیرہ میں بحیثیت مجموعی ملاحظہ فرمایئے تو آپ پر صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، عمار، رضی اللہ عنہم اور اُم المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مندرجہ بالا روایتوں کے وضع کرنے کا راز منکشف ہو جائے گا۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے سیدنا حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی اُنھیں رائے عامہ کی تائید حاصل نہ تھی۔ بلکہ عام طور پر مسلمان اُن کی فساد انگیزی اور شورہ پشتی کو ابتدا ہی سے بنگاہ نفرت دیکھ رہے تھے۔ سیدنا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تو رائے عامہ اور بھی ان کے خلاف ہو گئی اور عام مسلمانوں کے دلوں میں ان مفسدوں کے خلاف غیظ و غضب کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ یہاں تک کہ انھیں اپنی جانوں کے متعلق شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔ جو بالکل بجا تھا پبلک کے اس غم و غصہ کو کم کرنے اور رائے عامہ کو اپنے موافق

بنانے کے لئے اُنھوں نے مندرجہ ذیل تدبیریں کیں۔

اوّل : جو حضرات اُنھیں اُن کے کیفرِ کردار کو پہونچانے کے شمشیر بکف ہوگئے تھے۔ ان کی مخالفت کا رُخ اُنھوں نے سیدنا حضرت علیؓ کی طرف موڑنے کی کوشش کی۔ جس کی تفصیل آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔

دوم :۔ شہادت سیدنا عثمانؓ سے پہلے ہی اُنھوں نے یہ ناپاک اور قابلِ نفرت کوشش کی کہ حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں حضرات صحابہ کرام اور اُم المومنین رضی اللہ عنہم کو اپنا ہمنوا اور ہم خیال ثابت کریں اس کے لئے اُنھوں نے ان حضرات کی طرف سے جعلی خطوط لکھے اور پوری قوت کے ساتھ پروپیگنڈا کیا کہ یہ حضرات حضرت عثمانؓ کی پالیسی کو ناپسند کرتے ہیں، اُن کے مخالف اور ہمارے ہمنوا ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ عوام مسلمین اگر حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں ان کے موافق نہ ہوسکیں تو کم از کم اس حد تک ان کا غیظ و غضب کم ہوجائے کہ وہ اس معاملہ میں غیر جانب داری برتی جائیں، خلیفۃ المسلمین کی شہادت کے بعد ان کی یہ تدبیر انھیں عام مسلمانوں کے غیظ و غضب سے پناہ دینے کے لئے ناکافی نظر آنے لگی جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شہادت عثمانیؓ سے شدید اشتعال پیدا ہوگیا اور گروہ سبائی کے خلاف جذبات انتہائی حد تک مشتعل ہوگئے۔ اس اشتعال کو صحابہ کرام کی طرف سے جعلی خطوط بھی نہ روک سکے اس لئے کہ ان خطوط سے زیادہ سے زیادہ یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ حضرات حضرت عثمانؓ کے بعض کاموں پر معترض تھے لیکن اس کے یہ معنی نہ تھے کہ وہ ان باغیوں کی اس فساد انگیزی اور خلیفۃ المسلمین کی خونریزی سے متفق ہیں۔ سبائیوں کا یہ ہولناک اقدام ان مسلمانوں کے لئے بھی انتہائی اشتعال انگیز ثابت ہوا جنہیں خطوط کے جعلی ہونے کی اطلاع نہیں ہو لی تھی۔ لیکن حادثہ شہادت

کے بعد اس جعل و فریب کا پردہ چاک ہوگیا اور سب نہیں تو مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد کو معلوم ہوگیا کہ یہ سبائیوں کی کارروائی تھی جنہوں نے خود یہ فساد انگیز خطوط لکھے اور انھیں ان حضرات صحابہ کی جانب منسوب کر دیا۔ اس فتنہ انگیز فریب کاری اور ملعون افترا پردازی کا پردہ فاش ہونے کے بعد عام مسلمانوں کے دلوں میں باغیوں اور سبائیوں کے لئے نفرت و عداوت کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں باقی رہی۔

یہ لمحات سبائیوں کے لئے بہت سخت تھے۔ مسلمانوں کے غیظ و غضب کی آگ ان کے چاروں طرف بھڑک رہی تھی مختلف اطراف و جوانب سے کثیر تعداد میں فوجیں اُن کا قلع قمع کرنے کے لئے روانہ ہو چکی تھیں اور ہر مخلص مسلمان اُن کے استیصال کا خواہاں تھا۔ تباہی و بربادی سے بچنے کے لیئے انھوں نے دو تدبیریں اختیار کیں ایک تو انھوں نے انتخاب خلیفہ میں عجلت کی یہ ایسی بات تھی جو مخلص مسلمانوں کے نزدیک بھی عین مصلحت تھی اس لیئے انھیں کوئی قابل ذکر دشواری نہ پیش آئی۔ خلافت قائم ہو جانے کی وجہ سے رائے عامہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک گروہ کی رائے تھی کہ دربار خلافت اُن کے خلاف خود ہی کارروائی کریگا ہمیں اس کے اقدام کا انتظار کرنا چاہیئے اور معاملہ کو اس کے اوپر چھوڑ دینا چاہیئے۔ دوسرا گروہ ایک حد تک انتظار کرنے کے بعد خود باغیوں کے خلاف اقدام کرنے کے لئے تیار ہوگیا، جیسا کہ معلوم ہے ان دونوں جماعتوں کا باہمی اختلاف بہت شدت اختیار کر گیا اور اس کی وجہ سے ایسی فضا پیدا ہوگئی کہ فریقین باہم ایک دوسرے کے خلاف افواہوں اور خبروں پر کان دھرنے لگے یہی وہ موقع تھا جس سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سبائیوں نے اُم المومنینؓ اور حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، علیؓ

عمار وغیرہم رضی اللہ عنہم کے متعلق ایسی جھوٹی روایتیں وضع کیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرات سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے اس سے مقصد یہ تھا کہ اپنے جرم کو تا بہ امکان ہلکا کر دیں اور جمہور مسلمین کو اس فریب میں مبتلا کر دیں کہ معاذ اللہ یہ حضرات صحابہؓ بھی ہمارے ہم خیال تھے اور واقعی حضرت عثمانؓ میں کچھ ایسی کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے یہ اکابر صحابہ بھی اُن کے خلاف ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے متعلق تو خصوصیت کے ساتھ اس قسم کا غلط پروپیگنڈا کیا گیا کہ معاذ اللہ وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں درپردہ شریک تھے۔

جب دولت بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا اور بنو عباس کے تسلط کے بعد دونوں کے درمیان سیاسی کش مکش ختم ہو جانے کی وجہ سے پبلک کے جذبات میں قدرے اعتدال پیدا ہوا تو پھر شہادت عثمانؓ کا زخم عام اہلسنت کے دلوں میں ہرا ہو گیا۔ اور وہ سبائی پارٹی کو جو اس وقت لباس بدل کر اسٹیج پر آئی تھی۔ نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے یہ دوسرا موقع تھا جب واقدی ابومخنف وغیرہ کے ایسے کذابوں نے مندرجہ بالا قسم کی روایتیں۔ مندرجہ بالا مقصد کے پیش نظر وضع کیں اور ابن اسحاق وطبری کے ایسے لوگوں نے ان کی اشاعت کی یہ راز ہے ان روایتوں کے وضع کرنے کا۔ اگر غائر نظر سے تاریخ کا مطالبہ کیا جائے تو یہ راز ہر شخص پر منکشف ہو سکتا ہے خود ان روایتوں کی ساخت مطالعہ کرنے والے کو بتا دیگی کہ وہ سبائی کارخانہ میں گڑھی گئی ہیں۔ اور مصلحت سے گڑھی گئی ہیں۔ اس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہونے کے علاوہ ہمیں اصل موضوع سے بہت دور کر دے گی اس لئے اسے قلم انداز کرنا ہی مناسب ہے۔ بہرکیف راز کچھ بھی ہو یہ واقعہ بالکل عیاں ہے کہ مندرجہ بالا

حضرات بلکہ کسی صحابی کو بھی (بشمول حضرت علیؓ و حضرت عمار) حضرت عثمانؓ کی کسی پالیسی پر اعتراض نہ تھا۔ حضرات طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ کو معترضین میں شامل کرنا بالکل بے دلیل بلکہ خلافِ دلیل دعویٰ ہے۔ اس ادعاءِ فاسد پر جس دعوے کی بنیاد قائم کی جائے اس کا غلط اور فاسد ہونا بھی بالکل واضح ہے [۱]

مودودی صاحب کی دوسری توجیہ بھی اسی طرح بالکل فاسد اور غلط ہے۔ خود حضرت مروانؓ بھی تو شورش کے وقت موجود تھے۔ انھوں نے بھی سیدنا حضرت عثمانؓ کو بچانے کے لئے جنگ نہیں کی تو کیا حضرت سعیدؓ بن العاص ان کا شمار بھی قاتلین سیدنا عثمانؓ میں کرتے تھے؟ ام المومنینؓ تو شورش کے وقت مدینہ میں موجود ہی نہ تھیں پھر ان کا نام کیوں اس سلسلہ میں آیا؟ ان کے علاوہ حضرت مروانؓ اور حضرت سعیدؓ بن العاص کو خوب معلوم تھا کہ یہ سب حضرات مع دوسرے صحابہؓ کے حضرت عثمانؓ کی طرف سے باغیوں کے خلاف جنگ و جدل کے لئے بالکل تیار تھے۔ لیکن خود حضرت ذی النورینؓ نے بہت اصرار کے ساتھ ان سب حضرات کو تلوار اٹھانے سے باز رکھا اس صورت حال میں اول الذکر حضرات ان مقدس بزرگوں پر معاملہ میں پہلو تہی کرنے اور حضرت عثمانؓ کی حفاظت سے گریز کرنے کا الزام کیسے لگا سکتے تھے؟

---

[۱] اگر بالفرض کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں اختلاف رائے بھی ہوا ہو تو اسے پالیسی پر اعتراض اور مخالفت نہیں کہتے۔ امور اجتہادیہ میں اختلاف تو بکثرت صحابہ کرامؓ کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے درمیان بھی بعض امور میں اس قسم کا اختلاف تھا۔ لیکن اسے خلاف اور مخالفت نہیں کہہ سکتے نہ یہ اعتراض کے ذیل میں آتا ہے۔ سیاسی پالیسی کے متعلق اس قسم کے اختلاف کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ منہ

اس سے روشن ہے کہ ان بزرگوں پر یہ الزام کہ وہ ان سب حضرات کو حضرت عثمان رضؓ کا قاتل سمجھتے تھے جنہوں نے ان کی مدافعت میں جنگ نہیں کی بالکل غلط اور جھوٹا الزام ہے۔ جو ثبوت ودلیل سے محروم ہونے کے علاوہ دلیل کے خلاف ہے آپ کو حیرت ہوگی۔ کہ بغیر کسی تاریخی ثبوت کے چودھویں صدی کے ان محقق صاحب کو ان حضرات کی طرف یہ خیال منسوب کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ لیکن اس قسم کی جرأت کی مثالیں ان کے یہاں بکثرت ہیں۔ ایک مثال اور پیش کی جاتی ہے۔ اسی جنگ جمل کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

> "اگر یہ پیش نہ آئی ہوتی تو پہلی ساری خرابیوں کے باوجود ملوکیت کی آمد کو روکنا عین ممکن تھا۔ حقیقت میں حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے تصادم کا یہی نتیجہ تھا جس کے رونما ہونے کی توقع مروان بن الحکم رکھتا تھا اسی لئے وہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ لگ کر بصرے گیا تھا اور افسوس کہ اس کی یہ توقع سو فیصدی پوری ہوگئی"۔ (صفحہ ۱۳۰)

ملوکیت کا آنا تو ایک مہمل دعویٰ ہے جو اس وقت خارج از بحث ہے یہاں تو ہم مودودی صاحب کی یہ جسارت دکھانا چاہتے ہیں کہ انھوں نے بے تکلف اور بد تہذیبی کے عنوان سے حضرت مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کے متعلق اپنے جھوٹے اور سراپا غلط الزام کو دہرا دیا۔ کوئی پوچھے کہ جناب والا آپ کو کیس ذریعہ سے انکشاف ہوا کہ حضرت مروانؓ آپ کے مزعومہ نتیجہ کی توقع رکھتے تھے" اور اسی لئے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ لگ کر بصرے گئے تھے؟ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی تاریخی ثبوت ہے؟ کیا کوئی روایت اس قسم کی آپ کی نظر سے گذری؟ اگر گذری ہے تو وہ کہاں ہے؟ اس کا حوالہ آپ نے کیوں نہیں دیا؟

ان سب سوالات کے جواب میں مودودی صاحب مبہوت ہو کر خاموش ہونے پر مجبور ہیں مگر یہ جسارت وجرأت قابل داد ہے کہ بغیر کسی ثبوت ودلیل کے سراپا کذب ودروغ الزام حضرت مروانؓ پر لگا دیا۔ اس سے انھیں نہ حق تعالیٰ کا خوف روک سکا نہ مخلوق کے سامنے شرمندگی کا خطرہ۔

## حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت :-

حضرت مروانؓ سے مودودی صاحب کو جو پرخاش ہے وہ انھیں چین نہیں لینے دیتی اور وہ اُن کے خلاف الزام کی تلاش وجستجو میں رہتے ہیں چنانچہ اسی مقام پر لکھتے ہیں :-

اور مشہور روایات کے مطابق حضرت طلحہؓ کو مروان نے قتل کر دیا (صفحہ ۱۳۱)

اس کے لئے اُنھوں نے طبقات ابن سعد، تہذیب التہذیب، استیعاب، ابن الاثیر، البدایہ والنہایہ، کے حوالے دیئے ہیں۔ اس مقام پر میں ناظرین کی توجہ خاص طریقہ سے اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ مسئلہ کی نوعیت وحقیقت کو ذہن میں مستحضر کر لیں اس کے بعد اس کے متعلق کوئی فیصلہ کریں ۔ یہ بات تو مُسلم ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ شہادت کی کیفیت کیا ہوئی ؟ اس بارے میں بھی کتب تاریخ متفق ہیں اور طبری البدایہ والنہایہ وغیرہ سب کتابوں میں جنگ جمل کے حالات میں ان کی شہادت کا تذکرہ اسی طرح سے مذکور ہے کہ ان کی شہادت ایک سہم غرب ؎ سے واقع ہوئی۔ یعنی ایک تیر ان کے آکر لگا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ تیر انداز کون تھا۔ سہم غرب کے یہی معنے ہیں۔ یہاں تک تو مسئلہ کی نوعیت محض تاریخی اور واقعاتی رہتی ہے۔ اور ہم اسے مؤرخین کے بیان کی بنا پر بغیر کسی مزید ثبوت کے تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ممدوح کا قاتل کون تھا یا بالفاظ دیگر تیر کس شخص نے مارا؟ اس مقام پر مسئلہ کی حیثیت و نوعیت فقہی اور قانونی ہو جاتی ہے۔ جب ہم کسی خاص شخص کو (خواہ وہ حضرت مروان رضؓ ہوں یا اور کوئی) متعین طور پر اس قتل مؤمن کے ایسے جرم عظیم کا مرتکب قرار دیں تو اس کے لیے شرعاً اخلاقاً اور عرفاً ہر طرح ہم پر لازم و واجب ہے کہ اس کا کوئی ایسا ثبوت پیش کریں جو شریعت اور قانونِ اسلامی کی نگاہ میں بھی ثبوت کا درجہ رکھتا ہو۔ بغیر کسی شرعی ثبوت کے کسی شخص پر اتنا بڑا الزام لگا دینا آخر شریعت اسلامیہ کے کس ضابطہ کے لحاظ سے جائز ہے ہم نے مانا کہ یہ معاملہ اس وقت عدالت کے سامنے نہیں پیش کیا جا رہا ہے نہ ہم قاضی اور جج کی پوزیشن رکھتے ہیں اور نہ اس وقت قاتل کے لئے کوئی سزا تجویز کی جا رہی ہے۔ اس لئے کیا ضروری ہے کہ اس کے ثبوت کے لیے نصاب و شرائط شہادت پائے جانے کی شرط لگائی جائے۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی تو نہیں کہ ہم کسی شخص پر شرعی اعتبار سے فرد جرم بغیر کسی شرعی ثبوت کے عائد کر دیں اور یہ سمجھ لیں کہ اس بارے میں شریعت اسلامیہ نے ہمیں بالکل آزاد کر دیا ہے۔ کیا ارشاد الٰہی " ان بعض الظن اثم " (بیشک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں) اس قسم کی بدگمانی کو حرام و معصیت نہیں قرار دے رہا ہے؟ کیا بغیر ثبوت شرعی بدگمانی اس آیت کے تحت داخل اور حرام نہیں؟ کیا کسی شخص پر بغیر دلیل شرعی کسی معصیت کا الزام لگا دینا معصیت اور حرام نہیں؟ بلاشبہ بغیر دلیل شرعی کسی پر کسی معصیت کا الزام لگا دینا یا کسی مؤمن سے سوءِ ظن رکھنا حرام اور گناہ ہے۔ اس کلیہ کی روشنی میں جب ہم اس جزئیہ پر نظر کرتے ہیں تو بدیہی طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ کسی متعین

شخص کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل قرار دینے کے لئے ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل ہونا لازم ہے جو شریعت اسلامیہ اور قانون اسلامی کی نظر میں بھی دلیل بن سکتی ہو۔ اور اس سے یقین نہیں تو کم از کم ظن غالب تو پیدا ہو سکتا ہو۔ بالفرض اگر تاریخ کی نظر میں ایک چیز اس کی دلیل بن سکتی ہے لیکن شریعت اسے دلیل کا درجہ دینے کے لئے تیار نہ ہو تو اس مرحلہ پر (یعنی تعین قاتل کے معاملے میں) اس کی بناء پر کسی کو قتل کا مرتکب ظنی طور پر بھی قرار دینا جائز نہ ہوگا اور ایسی دلیل شرعی نقطہ نظر سے کالعدم سمجھی جائے گی اسی طرح اگر بالفرض کسی ثبوت کو شریعت بھی دلیل کا درجہ دیتی ہے لیکن اس موقع پر وہ ظن غالب پیدا کرنے سے قاصر ہے تو اس کی بنیاد پر بھی کسی کو متعین طور پر قاتل کہنا اور اس سے سوء یقین نہیں بلکہ سوء ظن رکھنا بھی ناجائز اور حرام و معصیت کے زمرے میں داخل ہوگا۔

ان شرعی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیر بحث مسئلہ پر نظر کیجئے۔ حضرت طلحہؓ کی شہادت کے متعلق ابتدائی رپورٹ یہ ہے کہ ان کے ایک تیر آکر لگا جس کے چلانے والے کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اسی "سہم غرب" سے ان کی شہادت واقع ہوئی یہ وہ بات ہے جس پر کتب تاریخ متفق ہیں۔ اس کا پہلا جزء (یعنی حضرت طلحہؓ کے تیر لگنا۔ اور اس سے ان کا شہید ہو جانا) جس طرح متفق علیہ ہے اسی طرح اس کا دوسرا جزء (یعنی تیر انداز کا مجہول اور نامعلوم ہونا بھی متفق علیہ ہے

سوال یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تیر حضرت مروانؓ نے مارا تھا یہ بات آخر کس بنیاد پر کہتے ہیں؟ کیا کسی ایسے شخص کا انہیں پتہ لگا جس نے حضرت مروانؓ کو حضرت طلحہؓ کی طرف شست سے کر تیر چلاتے ہوئے دیکھا ہو؟

کتب تاریخ کا ایک ایک ورق اُلٹ کر دیکھ لیجیے آپ کو ایک روایت بھی ایسی نہ ملے گی جس میں کسی راوی نے اس معاملہ میں اپنا مشاہدہ بیان کیا ہو۔ اس مضمون کی جتنی روایتیں ملتی ہیں ان سب کی انتہا ایسے افراد پر ہوتی ہے جن میں سے ایک بھی جنگِ جمل اور حضرت طلحہؓ کی شہادت کے موقع پر موجود نہ تھا۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے اس جنگ اور اس کے ماحول کی ہوا بھی لگی ہو۔ اس کے واقعات کی تفصیل اُنھیں دوسروں ہی کی زبانی معلوم ہوئی اور وہ بھی عرصہ دراز کے بعد یہ حضرات کسی مشاہد کا بیان نہیں نقل کرتے بلکہ اپنی ایک رائے ظاہر کرتے رہیں۔ یہ کیفیت اس حقیقت کو روشن کر رہی ہے کہ ان کی رائے محض قیاس پر مبنی ہے۔ اسے علمی اصطلاح میں رائے تو کہا جا سکتا ہے روایت نہیں کہا جا سکتا۔ ان حضرات میں سے بعض بہت بڑے درجہ کے علماء ہیں ان کی ثقاہت اور اُن کی عظمت تسلیم کر لینے کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے کہ کوئی تاریخی واقعہ محض اُنکے قول اور اُن کی رائے سے ثابت نہیں ہو سکتا نہ اس کی بنا پر کسی شخص کے خلاف فردِ جرم عائد کرنا شرعی اور علمی نقطۂ نظر سے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا رائے قائم کرنے میں وقت اور زمانہ کا مسئلہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے وقت کے ترازو سے ہم رائے کے وزن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حادثہ کی ابتدائی رپورٹ میں قاتل کون ظاہر کیا جاتا ہے؟ اتنے بڑے لشکر میں ایک شخص نے بھی تیر انداز کو نہیں دیکھا نہ کوئی یہ کہتا ہے کہ حضرت مروانؓ اس قتل کے مرتکب ہوئے حالانکہ سبائیوں کی خاصی تعداد وہاں موجود تھی۔ جو ان کے سخت مخالف اور دُشمن جانی تھے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

دُنیا کی اسلامی و غیر اسلامی ہر عدالت میں مقدمہ کی ابتدائی رپورٹ کو بہت

اہمیت دی جاتی ہے۔ جس بات کا تذکرہ اس میں نہ ہو اس کے متعلق بعد کے بیانات ہمیشہ مشکوک و مشتبہ سمجھے جاتے ہیں اور جب تک اس بات کی کوئی قابل اطمینان توجیہ نہ پیش کر دی جائے کہ ابتدائی رپورٹ میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہوا۔ اس وقت تک باوجود قانونی ثبوت اسے تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس توجیہ کے ساتھ اس کے لئے ثبوت بھی قوی طلب کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہ سوال سامنے آتا ہے کہ واقعہ کی ابتدائی رپورٹ میں حضرت مروانؓ پر الزام کیوں نہیں لگایا گیا؟ اور اس وقت تیر انداز کو کسی نے کیوں نہیں دیکھا؟ یہی نہیں بلکہ جنگ مصالحت پر ختم ہوئی۔ حضرت طلحہ کے ساتھ جو محبت و اخلاص اور تعظیم و تکریم کا تعلق حضرت علیؓ کو تھا اور جس کا اظہار بھی اُنھوں نے ان کی شہادت کی خبر سُننے کے بعد بار بار فرمایا اسے دیکھتے ہوئے یہ بات یقینی تھی کہ اگر انھیں قاتل کا پتہ لگ جاتا تو وہ اسے یقیناً سزا دیتے۔ یا اگر وہ ان کی دسترس سے باہر ہو چکا ہوتا تو کم از کم اس سے نفرت کا اظہار کر کے اس کی سزا کا اعلان کرتے یا اس کی تلاش و گرفتاری کا حکم دیتے۔ لیکن اس قسم کی کوئی بات بھی تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ مودودی صاحب یا اُن کے ہم خیال جو حضرت مروانؓ پر قتل حضرت طلحہؓ کا اتہام لگا رہے ہیں کیا اس کی کوئی توجیہ بیان کر سکتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ اس کی کوئی توجیہ بھی یہ لوگ نہیں کر سکتے۔ اور ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں جنگ کے بعد بھی کثیر تعداد میں سبائی اور حضرت مروانؓ کے سخت مخالف لوگ موجود تھے۔ جو انتہائی جھوٹے اور مکار بھی تھے مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ جا کر ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ حضرت آپ کے قاتل حضرت مروانؓ ہیں۔ اس کو بھی جانے دیجئے خود حضرت طلحہؓ کے ورثاء موجود ہیں۔ لیکن وہ بھی حضرت مروانؓ پر قتل کا دعویٰ نہیں کرتے؟ حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت علیؓ

کو اُن کے قتل کا شاید صدمہ ہے جس کا اظہار بھی وہ کر رہے ہیں۔

پھر کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ واقعہ کے وقت اور اس کے بعد اتنے عرصہ دراز تک تو کسی نے حضرت مروانؓ کو اس جُرم کا مرتکب نہیں کہا۔ لیکن مدت دراز کے بعد جنگ جمل کے آثار بھی مٹ چکے تھے تو بعض علماء کو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کو حضرت مروانؓ نے قتل کیا تھا۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

زمانہ کے اس ترازو میں ان حضرات کی رائے تولی جائے تو کسی منصف مزاج کے نزدیک اس کا وزن ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ ہو

مودودی صاحب نے حاشیہ پر استیعاب سے حافظ ابن عبدالبرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ حضرتؓ طلحہ کا قاتل مروان ہی ہے حالانکہ وہ ان کی فوج میں شامل تھا" (حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

اگر یہ یورپ کے کسی یہودی یا شیعہ کا الحاق نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب بھی مودودی صاحب کی طرح عداوت بنو اُمیہ کی بیماری میں مبتلا تھے۔ ورنہ اس قدر غلط اور لغویات کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ حضرت مروانؓ کی جانبؓ اس قتل کی نسبت صرف صرف بعض علماء کا قول ہے وہ بھی روایت نہیں بلکہ رائے اسے متفق علیہ کہنا ادعائے محض ہے جو محروم دلیل ہی نہیں بلکہ خلافِ دلیل ہے چند سطروں کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مسئلہ میں ثقات کے درمیان اختلاف ہے۔ اور اسے متفق علیہ کہنا بالکل غلط ہے۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ "ثقات" کون ہیں جو حافظ صاحب کے نزدیک اس بارے میں متفق ہیں؟ ام المومنین سیدتنا صدیقہؓ حضرت علیؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ وغیرہم جو موقع واردات پر موجود تھے جن کے سامنے ان کا جنازہ آیا جن کے

دل میں فطرۃً یہ خواہش بہت شدت کے ساتھ موجود ہوگی کہ ان کے قاتل کا پتہ لگے تاکہ اُسے سزا دی جا سکے ان میں سے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ان کے قاتل حضرت مروانؓ تھے؟ کیا معاذ اللہ حافظ صاحب کے نزدیک یہ حضرات ثقات میں شامل نہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ ثقات کے درمیان اس پر اختلاف نہیں ہے۔ کس قدر غلط، بے جان اور لغویات ہے۔ ایسی مہمل باتوں پر ایمان لانا مودودی صاحب کے "ایسے" محقق "ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی صاحب فرمائیں کہ ان بزرگوں سے اس کے خلاف بھی تو منقول نہیں اس لئے اسے اختلاف نہیں کہا جا سکتا جواب یہ ہے کہ ان بزرگان دین سے حضرت مروانؓ کو قاتل نہیں قرار دیا بلکہ کسی شخص کو بھی متعین طور پر قاتل نہیں قرار دیا۔ حالانکہ موقع ومحل کا تقاضا تھا کہ وہ کم ازکم ظنی طور پر کسی شخص کو متعین طور پر قاتل کہتے یا کم ازکم احتمال ہی ظاہر کرتے۔ جہاں صورت حال بیان ووضاحت کی متقاضی ہو وہاں سکوت بیان کے مرادف ہوتا ہے ان کے سکوت نے واضح کر دیا کہ وہ حضرات مروانؓ کو قاتل نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد کسی کا اُن پر یہ الزام لگانا یقیناً ان ساداتِ ثقات سے اختلاف کہا جائے گا۔

اس سے قطع نظر البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر) کی وہی عبارت جس سے مودودی صاحب نے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ حافظ صاحب کی غلط بیانی کو بھی واضح کر رہی ہے انھوں نے اس حادثہ کا تذکرہ دو جگہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| فجاء فی المعرکۃ سھم غرب یقال رماہ بہا مروان واللہ اعلم۔ | میدان جنگ میں ان کے (حضرت طلحہؓ کے) ایک تیر آ کر لگا (جس کے چلانے والے کا پتہ نہیں لگ سکا) کہا جاتا ہے کہ یہ تیر (حضرت) مروان نے مارا تھا اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے |
| (البدایۃ والنہایۃ جلد ہفتم ص۲۴۳ بیان جنگ جمل) | |

ملاحظہ ہو علامہ ابن کثیر اصل واقعہ آتا ہی ذکر کر رہے ہیں کہ ان کے تیر لگا مگر تیر انداز کا پتہ نہیں لگ سکا پھر "یقال" کے صیغۂ مجہول سے دوسرا قول نقل کرتے ہیں۔ جس کا ترجمہ با محاورہ اردو میں اس طرح کیا جائیگا کہ "افواہ" یہ ہے پھر اس "افواہ" کے غیر یقینی ہونے کا اظہار "فاللہ اعلم" فرما کر کرتے ہیں۔ اسی باب میں حضرت طلحہؓ کی مختصر سیرت کے بیان کے بعد پھر انھوں نے اسی بات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :-

| | |
|---|---|
| ویقال ان الذی رماہ بھذا السہم مروانؓ بن الحکمؓ وقال لابان ابن عثمانؓ قد کفیتک رجالا من قتلۃ عثمانؓ وقد قیل ان الذی رماہ غیرہ وھذا عندی اقرب وان کان الاول مشہورا | کہا جاتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کے یہ تیر (حضرت) مروانؓ بن الحکمؓ نے مارا تھا اور انھوں نے ابان بن عثمانؓ سے کہا تھا کہ میں متعدد قاتلین عثمانؓ کو تمہاری طرف سے ٹھکانے لگا چکا ہوں یہ بھی کہا گیا ہے کہ (تیر مارنے والے حضرت مروانؓ نہیں تھے) بلکہ ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے تیر مارا تھا اور میرے نزدیک یہی (دوسری بات) زیادہ قرین صواب وصداقت ہے گرچہ شہرت پہلی بات کی ہے۔ |

(ایضاً ص۲۴۸ جلد ہفتم)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس بارے میں علماء تاریخ کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ تیر انداز حضرت مروانؓ تھے اور بعض کے نزدیک انھوں نے تیر نہیں مارا۔ اس سے حافظ ابن عبدالبر کے اس قول کا غلط ہونا بالکل واضح ہو گیا کہ اس بارے میں ثقات کے درمیان اختلاف نہیں ہے یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ علامہ ابن کثیر نے ثقات ہی کے اقوال نقل کئے ہیں کسی نامی

کا قول اس لائق نہیں ہو سکتا کہ علامہ ابن کثیرؒ اسے نقل کریں۔ اسی عبارت سے یہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو رہا ہے کہ علامہ ابن کثیرؒ کی رائے یہ ہے کہ تیر اندازی اور قتل کی نسبت حضرت مروانؓ کی طرف صحیح نہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے دو کلمے مودودی صاحب کی خوش فہمی یا مغالطہ دہی کے متعلق بھی عرض کردوں۔ انھوں نے علامہ ابن کثیرؒ کی عبارت مذکورہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ حضرت مروانؓ پر الزام کی روایت کو مشہور کہہ کر ترجیح دے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ علامہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں اس میں پہلی غلطی تو یہ ہے کہ مودودی صاحب ان کے بیان کو دو روایتوں کا تقابل قرار دے رہے ہیں حالانکہ وہ اقوال وآراء کا مقابلہ کر رہے ہیں نہ کہ روایات کا۔ روایت تو ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ شہادت تیر سے ہوئی مگر تیر انداز کا پتہ نہ چلا۔ یہی وہ روایت ہے جس کی انتہاء مشاہدے پر ہوتی ہے اس کے بعد یہ بات کہ کس نے تیر مارا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ اس لئے کہ اس کی انتہاء کسی مشاہدے پر نہیں ہوئی۔ یہ محض قیاس ورائے ہے جس میں انھوں نے اختلاف نقل کیا ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ حضرت مروانؓ نے تیر مارا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نہیں تھے کوئی اور تھا وہ بھی غیر متعین ومبہم۔ اگر ان آراء واقوال کو آپ روایت ہی کہنے پر مُصر ہیں تو اُسے صاحب قول یا رائے رکھنے والے سے اس کی رائے کی روایت کہہ سکتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کے حادثۂ شہادت کی روایت نہیں کہہ سکتے۔ ان کی پہلی غلطی یہ ہے کہ اُنھوں نے اُسے "مشہور روایت" تحریر فرمایا۔ حالانکہ علامہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ مشہور رائے ہے نہ کہ مشہور روایت۔ دوسری غلطی یہ تھی کہ اس مشہور کو بھی محدثین کی اصطلاح کے مرادف سمجھا حالانکہ یہاں مشہور سے مراد مشہور عام ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں افواہ ہے اس قسم کی شہرت ذرہ برابر بھی کسی قول کے وزن میں اضافہ نہیں کرتی۔

یہ ایسی ہی شہرت ہے جیسے "تاریخ ہند" میں بلیک ہول اور انارکلی کے واقعہ کی۔ اگر اس شہرت سے ان افسانوں کی صداقت نہیں ثابت ہوتی تو زیرِ بحث مسئلہ میں بھی شہرت سے صداقت وصحت نہیں پیدا ہو جائے گی اگر رائے غلط ہے تو وہ غلط ہی رہے گی خواہ کتنی ہی مشہور کیوں نہ ہو۔

اگر ان کے ساتھ حُسنِ ظن سے کام لیا جائے تو کہا جائے گا کہ وہ عبارت کو سمجھنے سے قاصر رہے اور غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ورنہ یہی کہنا پڑے گا کہ حسبِ عادت یہاں بھی اُنھوں نے قاری کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ ایک مغالطہ تو یہ دیا کہ قول کو روایت بتایا اور اسے مشہور روایت کہہ کر اصطلاح محدثین کا بیجا استعمال کیا۔ اسی طرح مشہور عام کو مشہور اصطلاحی ظاہر کرنے کی ناروا کوشش کی۔

دوسرا مغالطہ یہ دیا کہ علامہ کے قول کی غلط تشریح کی۔ یعنی وہ تو اس قول کو "اقرب" کہہ کر ترجیح دے رہے ہیں کہ حضرت مروانؓ نے تیر نہیں مارا اور "محقق" صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دوسرے قول کو ترجیح دے رہے ہیں۔

ماشاء اللہ کیا شانِ تحقیق ہے۔ گویا محققانہ طرزِ بیان کے معنی یہ ہیں کہ مغالطہ دہی اور فریب کاری سے خوب کام لیا جائے۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

طبقات ابن سعد کا حوالہ بھی بالکل بے سود ہے۔ اس میں بھی روایتیں نہیں بلکہ "رائیں" مذکور ہیں۔ سند کے ساتھ اُنھوں نے بعض بزرگوں کی یہ رائے نقل کی ہے کہ حضرت طلحہؓ کو حضرت مروانؓ نے شہید کیا۔ لیکن ان سب حضرات کا زمانہ وہ ہے جبکہ جنگ جمل کے آثار بھی مٹ چکے تھے ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ہم نے فلاں شخص سے یہ بات سُنی جو اس جنگ میں شریک تھا اور جس نے اس واقعہ کا

مشاہدہ کیا تھا۔ اگر یہ روایتیں ثابت بھی ہو جائیں تو ان سے یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کا خیال یہی تھا مگر اس خیال کی بنیاد کیا تھی؟ اس کے بارے میں یہی بات کہی جاسکتی ہے کہ ان حضرات کا خیال عام افواہ پر مبنی تھا۔ اگر کسی موثق ذریعہ سے انھیں یہ اطلاع ملتی تو یقیناً وہ اس کا تذکرہ کرتے۔ کسی چشم دید گواہ کا بیان ہوتا تو اس کا نام لیتے۔ وہ خود مشاہد نہ تھے۔ کسی مشاہد کا بیان نقل نہیں کرتے۔ یہ بھی نہیں کہتے کہ فلاں شخص کی یہ رائے تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر ان حضرات کی یہ رائے تھی تو یہ محض افواہ پر قائم تھی کسی شہادت یا قوی ثبوت پر نہیں مبنی تھی۔ ہر منصف مزاج فیصلہ کرسکتا ہے کہ جو رائے محض افواہ اور سنی سنائی باتوں پر مبنی ہو اس کا وزن ہی کیا باقی رہ جاتا ہے؟ اور سچ تو یہ ہے کہ ان روایتوں سے تو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ واقعی یہ ان حضرات کی رائے تھی جن کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے۔ اگر خود ان کی رائے ہوتی تو وہ اس کا کوئی مبنی ضرور ذکر کرتے۔ یہ قرینہ بتا رہا ہے کہ ان حضرات نے اس افواہ کا تذکرہ کیا ہے جو مشہور تھی یہ خود ان کی رائے نہ تھی۔ اس کے بعد تو ان روایات کا وزن کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ بات پھر ایک مرتبہ ذہن میں مستحضر کرلیجئے کہ سبائی پارٹی کا خاص حربہ بہتان طرازی رہا ہے کسی پر تہمت لگا دینا یا اپنے جُرم کو دوسرے کی طرف منسوب کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل اور امتیازی شیوہ تھا اور ہے حضرت طلحہؓ کو انھیں میں سے کسی شقی نے شہید کیا اس کے بعد حضرت مروانؓ پر تہمت لگا دی اور اس کا پروپگینڈا بہت زور وشور کے ساتھ کیا۔ اس دروغ کو فروغ دینے کے لئے اس قدر مشہور کیا گیا کہ بعض صالحین کو بھی اس کی صداقت کا شبہ ہونے لگا۔ ہٹلر کا قول تھا کہ جھوٹ اس قدر بولو کہ لوگ اسے سچ سمجھنے لگیں۔ پروپگینڈا کی یہ ٹکنک ہٹلر نے غالباً انھیں سبائیوں سے سکیھی تھی۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے

کہ جب مفسدوں اور فتنہ پردازوں کی ایک پوری جماعت حضرت مروانؓ اور بنو اُمیہ کے خلاف پروپیگنڈے میں لگی ہوئی تھی جس نے اپنا مقصد زندگی فتنہ پردازی بہتان طرازی اور دروغ بافی ہی کو بنا لیا تھا۔ ایسی فضا میں کسی بزرگ کی رائے کا اس افواہ کے مطابق ہوجانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ان بزرگ کے مرتبہ عالی کے اعتراف کے باوجود ان کی رائے کو کوئی وزن نہیں دیا جاسکتا۔ پروپیگنڈے اور شہرت عام سے اولیاء اللہ اور کبار علماء کا بھی متاثر ہوجانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں بلکہ ایسی صورت میں جب وہ اپنی رائے کی بنیاد کا کوئی تذکرہ نہ کریں تو زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یا تو یہ خود اُن کی رائے ہی نہیں اور اگر ہے تو محض افواہ اور شہرت عام سے تاثر کا نتیجہ ہے۔ کسی ٹھوس دلیل و ثبوت پر مبنی نہیں ہے ابھی چار دن کی بات ہے کہ نجدی حنابلہ کے متعلق بعض کبار علماء کی کیسی بُری رائے تھی۔ علامہ شامی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی اُن کی مذمت فرمائی۔ لیکن جس شخص کا جی چاہے دیکھ لے کہ ان پر جو الزامات لگائے جاتے تھے ان میں کہاں تک صداقت تھی؟ غلط خبر اگر مشہور ہوجائے تو اس سے متاثر ہوجانا نہ علم و فضل کے منافی ہے نہ تقدس و ثقاہت کے خلاف

طبقات ابن سعد اور استیعاب میں جو اقوال سند کے ساتھ بطرز روایت مذکور ہیں ان کا بھی جائزہ بحیثیت روایت لے لیجئے تاکہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ خود ان صاحبان کی طرف اس قول کی نسبت روایتی حیثیت سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ استیعاب کی جس روایت پر انھوں نے اعتماد کیا ہے اس میں ایک راوی عبدالسلام بن صالح ہے۔ جس کے متعلق علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ شیعہ ہے اور علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ خبیث رافضی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اسے کذاب بھی کہا ہے دار قطنی بھی اسے رافضی خبیث کہتے ہیں۔ محمد بن طاہر

اسے کذاب کہتے ہیں[1]

ایسی روایت کو قابل قبول سمجھنا کسی شیعہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ کوئی سنی تو اسے قبول نہیں کر سکتا۔ طبقات ابن سعد کی جو روایت خلیفہ عبدالملک پر منتہی ہوتی ہے اس میں دو راوی بالکل مجہول ہیں جن کا نام تک مذکور نہیں۔

ایک راوی ابوجباب کلبی ہے جو قابل اعتماد نہیں۔ اس لئے یہ روایت تو قابل تذکرہ بھی نہیں رہتی چہ جائیکہ قابل اعتبار ہو۔ اس کے بعد جو روایتیں باقی رہ جاتی ہیں ان میں سے ایک قیس ابن ابی حازم کے قول پر ختم ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیر حضرت طلحہؓ کے گھٹنے میں لگا تھا باقی روایتوں میں جو روایتیں روح بن عبادہ سے ہیں ان میں سے ایک عوف پر ختم ہوتی ہے وہ "بلغنی" کے ساتھ بیان کرتے ہیں یعنی ان کے بعد راوی مجہول ہے۔ اس کے ساتھ یہ قیس کی روایت سے مختلف بھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیر ان کی پنڈلی میں لگا۔ انھیں روح بن عبادہ سے دوسری روایت ہے جو حضرت نافعؓ پر ختم ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زرہ ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی جس سے جسم کا کچھ حصہ کھل گیا تھا۔ تیر وہیں آ کر لگا۔ گویا تیر جسم کے بالائی حصہ میں لگا۔ اس لئے کہ زرہ گھٹنے پر نہیں پہنی جاتی۔ ان روایات کا یہ اختلاف و اضطراب زبان حال سے صاف صاف کہہ رہا ہے کہ یہ سب روایتیں موضوع اور من گھڑت ہیں۔ جن حضرات کی طرف یہ رائے منسوب کی گئی ہے ان کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں راویوں کو اگر با صدق و ثقاہت تسلیم کرنے کے بعد بھی کہنا پڑے گا کہ انھیں کچھ دھوکا ہو گیا اور آخری راوی نے کسی مجہول سبائی

---

[1] تہذیب التہذیب

سے یہ بات سن کر ان حضرات کی طرف منسوب کر دی اور شہرت عام کی وجہ سے تحقیق کی طرف التفات نہ ہوا یا ان حضرات نے کسی مجلس میں اس افواہ کا تذکرہ کیا ہوگا آخری راوی کو غلط فہمی ہوئی کہ یہ ان کی رائے ہے اور انھوں نے اس عنوان سے دوسروں کے سامنے بیان کر دیا۔ واقع کچھ ہو لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت رہتی ہے کہ ان میں سے کوئی روایت بھی قابل قبول نہیں۔ سب کی سب مردود ہیں۔

طبقات کی مذکورہ بالا روایتوں کے بارے میں ایک بات اور ہے جو شبہ میں ڈالتی ہے۔ زیر تبصرہ روایتوں کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے والی چند روایتیں قال اخبرنا محمد بن عمر سے شروع ہوتی ہیں۔ اس کے بعد قال اخبرنا روح بن عبادۃ سے زیر بحث روایتوں میں سے پہلی شروع ہوتی ہے۔ اس قسم کی روایتوں کے اختتام پر قال محمد بن سعد اخبرنی الخ کے عنوان سے روایت کی ابتدا ہوتی ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ زیر تبصرہ روایتوں کے شروع میں جو "قال" ہے اس کا فاعل کون ہے؟ ابن سعد ہیں یا محمد بن عمر واقدی؟ سب جانتے ہیں کہ یہ کتاب ابن سعد نے بطور املا لکھوائی ہے اسے لکھنے والے ان کے شاگرد ہیں وہ ان روایتوں کے اختتام پر جب دوسری روایتوں کا سلسلہ شروع کرتے ہیں تو ابن سعد کے نام کی تصریح کرتے ہیں۔ یہاں اس کی تصریح نہیں کرتے۔ اوپر سے محمد بن عمر واقدی کی روایتیں چلی آرہی ہیں اس قرینہ سے تو یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ روایتیں بھی درحقیقت واقدی ہی کی بیان کردہ ہیں اور "قال" کی ضمیر فاعل کا مرجع وہی ہے اگر یہ گمان صحیح ہے تو ان روایتوں کا وزن رائی کے برابر بھی باقی نہیں رہتا۔ واقدی کا کذاب وضاع اور شیعہ ہونا متفق علیہ اور معروف ہے یہ سب اسی کی افترا پردازیاں اور من گھڑت کہانیاں

سمجھی جائیں گی۔

طبقات کی ان روایتوں میں سے پہلی روایت میں آخری راوی عوف ہے جس پر قدری اور شیعہ ہونے کا داغ لگا ہوا ہے۔ دوسری روایت کا آخری راوی ابن عون ہے جو متروک ہے[1]

تیسری روایت کی انتہا سعید بن ابی عروبہ پر ہوتی ہے جن کے ثقہ ہونے میں کلام نہیں مگر مدلس بلکہ کثیر التدلیس ہیں۔ مدلس کی روایت عنعنہ کے ساتھ بالاتفاق قابل قبول نہیں۔ اس کے علاوہ ضعف حافظہ کی وجہ سے روایتیں خلط ملط بھی کر دیتے تھے[2]۔ ابو اسامہ کی روایت میں یہ کمزوری ہے کہ اسی نام کے تین اشخاص ہیں روایت سے نہیں کھلتا کہ کون سے ابو اسامہ مراد ہیں۔ ان تینوں میں سے ایک ابو اسامہ حماد بن اسامہ بھی ہیں جو مدلس ہیں[3]۔ اسی طرح اسماعیل بن ابی خالد کی شخصیت کا تعین بھی نہیں کیا جا سکتا[4]۔ ایک روایت شیخ بن کلب پر ختم ہوتی ہے جو مجہول ہے خود ابن سعد بھی جس سے سنتے ہیں اس کا نام و پتہ نہیں ذکر کرتے اس لئے یہ روایت تو قابل ذکر بھی نہیں چہ جائیکہ قابل اعتناء کہی جائے صرف ایک روایت ایسی ہے جس پر سند کے اعتبار سے کوئی اعتراض نہیں پیدا ہوتا۔ یہ روایت ہے جو محمد بن سیرین پر ختم ہوتی ہے لیکن جو علت اس سلسلہ کی سب روایتوں یا زیادہ صحیح لفظوں میں ان اقوال میں مشترک ہے وہ اس میں بھی موجود ہے یعنی محمد بن سیرین واقعہ کے مشاہد نہیں ہیں۔ وہ تابعی تو ضرور ہیں لیکن جنگ جمل میں موجود ہونا تو کجا حضرت علیؓ سے ان کی ملاقات ہونا بھی مختلف فیہ ہے انھوں نے جو کچھ کہا ہے

---

[1-5] تہذیب التہذیب ۱، ۲، ۳، ۴، ۵

وہ کسی اور سے سُنا ہوگا مگر ان کا نام انھوں نے نہیں بتایا سوا اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ یا تو انھوں نے یہ خیال محض افواہ کی بنیاد پر قائم کر لیا جس کا کوئی اعتبار نہیں، نہ شرعاً نہ عقلاً۔ نہ تو تاریخ افواہوں کی بنیاد پر مرتب کی جا سکتی ہے اور نہ شرعاً اس کی وجہ سے کسی پر الزام ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر انھوں نے کسی قابل اعتماد ثقہ شخص سے یہ بات سُنی ہوتی تو یقیناً اس شخص کا نام لیتے ظاہر ہے کہ ایسی رائے کو کوئی وزن نہیں دیا جا سکتا۔ تاریخ واقعات و روایات کے مجموعہ کا نام ہے نہ کہ آراء و خیالات کے مجموعہ کا۔ استیعاب میں بھی وہی روایتیں ہیں جو طبقات ابن سعد میں ہیں اور جن پر ہم بحث کر چکے ہیں صرف دو روایتیں ان کے علاوہ ہیں ان کا نقشہ درج ذیل ہے

پہلی روایت "روی معاذ بن ہشام" سے شروع ہوتی ہے اور دوسری "روی جویریۃ" سے ان میں ایک تو وہی علت ہے جو اس مسئلہ کے متعلق سب روایتوں میں مشترک ہے یعنی کسی کی انتہا کسی مشاہد کے بیان پر نہیں ہوتی بلکہ یہ دو ایک صاحبان کے اقوال ہیں جو کسی مستند شہادت پر بھی مبنی نہیں نہ انھوں نے خود مشاہدہ کیا نہ کسی مشاہدہ کرنے والے سے سُنا۔ یہ روایتیں بھی اس قسم کی دوسری روایتوں کی طرح اقوال و آراء کی روایتیں ہیں نہ کہ نفس واقعہ کے متعلق لیکن اس سے قطع نظر بھی دونوں روایتیں یا اقوال بالکل قابل التفات نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن عبدالبر مصنف استیعاب کی ولادت ۳۶۸ھ (تین سو اڑسٹھ) میں ہوئی اور وفات ۴۶۳ھ (چار سو تریسٹھ) میں [1]۔ معاذ اور جویریۃ کا سنہ ولادت علی الترتیب ۲۰۰ (دو سو) اور (ایک سو تہتر) ۱۷۳ھ [2] ہے گویا مصنف کی ولادت اور ان دونوں کے درمیان ڈیڑھ صدی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ [2] تہذیب التہذیب

سے زیادہ زمانہ حائل ہے یہ نا ممکن ہے کہ مؤلف نے ان سے براہ راست یہ روایت سنی ہو۔ پھر یہ روایت ان تک کیسے پہنچی؟ اس انقطاع اور خلا کو پُر کرنے کی مولف نے کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک بازاری گپ تھی جسے صاحب استیعاب نے آنکھیں بند کر کے اپنی کتاب میں درج کر لیا یا کسی سبائی کی افتراء پردازی تھی جسے حسب عادت مؤلف نے قبول کر لیا۔ جو کچھ بھی ہو آخر بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایتیں اس قابل بھی نہیں کہ کوئی صاحب علم ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے چہ جائیکہ ان سے استدلال کرے۔ ان سے حضرت مروانؓ پر الزام تو ثابت نہیں ہوتا البتہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ استیعاب قابل اعتماد کتاب نہیں۔

## قرائن کی روشنی میں:

اس مسئلہ میں روایتوں کی کمزوری اور غلطی تو واضح ہو چکی ذرا درایت و عقل کی روشنی میں بھی اس الزام پر نظر کر لیجئے۔ قرائن عقلیہ تو اس الزام کی غلطی کو اور زیادہ واضح کر دیتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ اُم المؤمنین کا یہ مقدس لشکر عازم بصرا اسلئے ہوا تھا کہ وہاں حضرت طلحہؓ کے معتقدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور یہ گمان صحیح ثابت ہوا۔ اہل بصرہ کی اغلب اکثریت نے حضرت طلحہؓ کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کی اور جان نثاری کے لئے میدان میں نکل آئے۔ عین حالت جنگ میں جب اُن کے جان نثار معتقدین انہیں گھیرے ہوئے تھے اور پروانہ وار ان پر نثار ہو رہے تھے۔ حضرت مروان رضی اللہ عنہٗ کا ان پر تیر چلانا بالکل بعید از قیاس اور خلاف عقل و دانش ہے۔ جسے کوئی سمجھدار آدمی باور نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں اس قسم کی جرأت ہی ناقابل فہم اور بعید از عقل ہے۔ لیکن اس استبعاد کی خلیج کو یہ سوال

اور بھی وسیع کر دیتا ہے کہ حضرت طلحہؓ کے معتقدین اس وقت کہاں تھے؟ انھوں نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو زندہ کیسے چھوڑ دیا؟ یا کم از کم ان کی شکایت کیوں نہ کی؟

طبقات ابن سعد کی ایک روایت (جس پر ہم بحث کر چکے ہیں) بتاتی ہے کہ حضرت مروانؓ نے تیر مار کر فرمایا کہ تمہارے قتل کرنے کے بعد مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کسی قاتل کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں لیکن یہ سننے کے بعد بھی حضرت طلحہؓ اپنے رفقاء سے یہی فرماتے ہیں کہ یہ تیر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے، حضرت مروانؓ کا نام بھی نہیں لیتے اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ ان کا نام نہیں لیتے؟ حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت طلحہؓ کی شہادت پر سخت غم و غصہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ ان کے صاحبزادے سے ہمدردی و محبت ظاہر فرماتے ہیں لیکن اس کا کوئی تذکرہ نہیں فرماتے کہ ان کا قاتل میری فوج کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ بلکہ انھیں کے ایک رفیق حضرت مروانؓ نے شہید کیا ہے آخر اس کی کیا وجہ؟ ایسے موقع پر تو ممدوح کو ان کے صاحبزادے کے دل سے طبعی کدورت کو دور کرنے کے اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے اس راز کو ضرور افشا کر دینا چاہئے تھا مگر انھوں نے کچھ بھی نہ فرمایا آخر کیوں؟ اور دیکھئے کہ سبائی حضرت مروانؓ سے شدید بغض و عناد رکھتے تھے وہ بھی اس وقت سر بہ در گلو ہے۔ کسی نے حضرت علیؓ سے جا کر یہ نہ کہا کہ حضرت ان کے قاتل حضرت مروانؓ ہیں ان کی گرفتاری کا حکم صادر فرمایا جائے یہ لوگ انتہائی کذاب اور مفتری تھے مگر اس موقع پر انھیں جھوٹا الزام لگانے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔

طبقات کی جس روایت کا ابھی ہم نے تذکرہ کیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ میدان جنگ میں اس جگہ پیش آیا جہاں خود ام المومنین علی زوجہا

وعلیہا الصلوٰۃ والسلام ناقہ پر قیام فرما تھیں اس لیئے یہ کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو ام المومنینؓ کو اس کا علم نہ ہوتا سوال یہ ہے کہ جب آں محترمہ کو اس کا علم تھا تو انھوں نے اس کا اظہار کیوں نہ فرمایا؟ نہ انھوں نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس خون ناحق کا قصاص لیں نہ اور کسی سے اس کا تذکرہ فرمایا یہاں تک کہ خود آں معظمہ کے سامنے حضرت مروانؓ مدینہ منورہ کے گورنر رہے اس وقت بھی انہوں نے خلیفۃ المسلمین سے ان کی شکایت نہ فرمائی اور نہ خود انہیں ملامت کی آخر اس کی کیا وجہ؟ یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ حضرت طلحہؓ کی شہادت علی رؤس الاشہاد ہوئی اس وقت جنگ جاری تھی اور ہزاروں آدمی موجود تھے مگر اس وقت کسی نے بھی حضرت مروانؓ کو تیر چلاتے ہوئے نہ دیکھا نہ اس وقت اس واقعہ کا کوئی چرچا ہوا آں ممدوح کی شہادت کوئی معمولی واقعہ بھی نہ تھا کہ اس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی ہو ان کا مرتبہ عظیمہ اس بات کا مقتضی تھا کہ فوراً ہی نظریں ان پر مرکوز ہو جائیں اور ان کے قاتل کی تلاش و جستجو شروع ہو جاتی یقیناً ایسا ہوا ہوگا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ قاتل کا انکشاف نہ اس وقت ہوا نہ اس کے بعد مدت تک ہوا برسہابرس کے بعد یکایک یہ چرچا شروع ہو جاتا ہے کہ حضرت مروانؓ نے انہیں شہید کیا تھا برسوں کے بعد یہ انکشاف کیسے ہوا؟ جبکہ جنگ جمل کے شرکاء بھی تقریباً ختم ہو چکے تھے کیا کسی کو کشف ہوا؟ یا کسی پر اس کا الہام ہوا تھا؟ یہ قرائن بھی اس حقیقت کو اظہر من الشمس کر رہے ہیں کہ حضرت مروانؓ پر حضرت طلحہؓ کے قتل کا الزام بالکل بہتان و افترا ہے اور یہ جھوٹا اور سراپا کذب و دروغ افسانہ سبائیوں کا گھڑا ہوا ہے جس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں۔ طبقات اور استیعاب وغیرہ میں جن بزرگوں کی طرف یہ رائے منسوب کی گئی درحقیقت ان کی طرف اس کی نسبت بھی صحیح نہیں اور مذکورہ

کتابوں کا بیان مذکور بالکل غلط اور خلاف حقیقت ہے اگر بالفرض یہ انتساب ثابت بھی ہو جائے تو واقعات کسی کی رائے سے نہیں ثابت ہو جاتے ہم کہیں گے کہ ان حضرات نے ان شہرت کی بنا پر یہ رائے قائم کرلی ہو گی جو سبائی پروپگنڈے کی رہین منت تھی یہ حضرات اس میں معذور تھے انہیں دھوکا ہوا لیکن ان کی یہ رائے بہر حال غلط اور خلاف حقیقت ہے اسے صحیح تسلیم کرلینے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی یہ رائے قبول عام نہیں حاصل کر سکی اور بہت سے کبار علماء متاخرین نے اسے غلط سمجھا دیکھئے علامہ بدرالدین عینیؒ اپنی مشہور کتاب عمدۃ القاری کی شرح بخاری میں حضرت طلحہؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

قتل یوم الجمل اتاہ سھم لا یدری من رماہ وتتھم بہ مروان

(حضرت طلحہؓ) جنگ جمل میں شہید کیے گئے۔ ان کے ایک تیر آکر لگا جس کے متعلق معلوم نہیں ہوا کہ اس کا چلانے والا کون ہے اور اس کی تہمت حضرت مروانؓ پر لگائی گئی۔

{ عمدۃ القاری جلد اول
باب الزکوٰۃ من الاسلام }

وہ صرف اتنی بات کو تو واقعہ قرار دے رہے ہیں کہ حضرت طلحہؓ کے ایک تیر آکر لگا جس کے چلانے والے کا کوئی پتہ نہ چل سکا اور حضرت مروانؓ کی جانب تیراندازی کی نسبت کو ان پر "تہمت" کے لفظ سے تعبیر کر رہے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ علامہ کے نزدیک ان پر یہ الزام غلط اور جھوٹا ہے۔ علامہ ابن کثیر کا قول ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ ان کے نزدیک بھی باوجود شہرت عام یہ الزام غلط ہے۔

حقیقت واقعہ :-

سبائیوں کی کیادی اور مکاری پر نظر کرنے اور ان کی "تکنک" کو سمجھنے کے

بعد حقیقت واقعہ یہ نظر آتی ہے کہ اس خون ناحق سے کسی سبائی ہی کے ہاتھ رنگین ہوئے۔ لیکن جب انہوں نے حضرت علیؓ کا مخلصانہ رویہ اپنے فریق مقابل خصوصاً حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے کے ساتھ دیکھا تو گھبرا گئے اس گھبراہٹ میں یا تو ان کا ذہن ہی اس فریب کاری کی طرف نہیں منتقل ہوا کہ یہ الزام کسی بے گناہ پر لگادیں یا خیال آیا مگر خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تحقیق و تفتیش شروع ہو جائے اور ہماری آستین کا لہو پکار کر راز فاش کر دے اس لئے ساکت رہے جب جنگ جمل کے تقریباً سب شرکاء ختم ہو گئے تو اس بدباطن گروہ نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا اور اپنا جرم حضرت مروانؓ کے سر مڑھنے کی کوشش کی۔ اپنا جرم دوسرے کے سر تھوپنا یہود کی پرانی عادت ہے۔

قرآن مجید نے بھی ان کی اس خبیث عادت کو بیان فرمایا ہے (دیکھئے سورۃ بقرہ پ۱)۔ یہ حقیقت بار بار واضح کی جاچکی ہے کہ سبائی پارٹی کا اصل رہنما یہودی ذہن و دماغ ہی تھا ان لوگوں نے اس غلط اور جھوٹے الزام کا اتنی شدت و کثرت کے ساتھ پروپیگنڈا کیا کہ بعض علماء و صلحاء بھی اس سے متاثر ہو گئے ایک نسل گذر گئی تو دوسری نسل کے سبائیوں نے بعض اکابر علماء مثلاً حضرت نافع حضرت حسن بصریؒ رحمہم اللہ وغیرہ پر بھی افتراء کیا اور اس رائے کو ان کی طرف منسوب کر دیا۔

جو شخص سبائیوں سے واقف ہے اور تاریخ پر گہری نظر رکھتا ہے اس کے سامنے اس افتراء پردازی اور بہتان طرازی کا مقصد بالکل واضح ہے اس فتنہ پرداز گروہ نے ہمیشہ اپنی پوری کوشش مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی میں صرف کی ہے تاکہ انہیں کمزور کر کے سیاسی اقتدار حاصل کرے۔ یہی نہیں بلکہ امت مسلمہ کو گمراہی میں مبتلا کر دینا بھی اس مار آستین جماعت کا شعار

رہا ہے ان دونوں مقاصد کے پیش نظر یہ ہوائی بھی اُنھیں لوگوں نے اُڑائی تھی تاکہ حضرت طلحہؓ کے خانوادے اور حضرت مروانؓ کے گھرانے میں پھوٹ پڑجائے دونوں گھرانے بہت با اثر تھے۔ ان کے اختلاف کا اثر دور تک پہونچ سکتا تھا۔ سبائیوں کا منصوبہ یہی تھا کہ اس بہتان طرازی اور دروغ محض کی اشاعت کر کے مسلمانوں کے دو کیمپ قائم کر دئے جائیں جو ایک دوسرے سے کبھی نہ مل سکیں گویا حادثۂ جمل کی خونریزیوں کے باوجود جو صرف اس مفسد گروہ کی فتنہ پردازی کا نتیجہ تھا حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کے تدبر و اخلاص کی وجہ سے اُمت کے درمیان تفرقہ اندازی میں جو ناکامی سبائیوں کی ہوئی۔ اس کی تلافی کرنے کے لئے اُنھوں نے یہ افسانہ گھڑا کہ حضرت مروانؓ نے حضرت طلحہؓ کو شہید کر دیا ان کذابوں اور مفتریوں کے لئے سوا اس کے کیا کہیں کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔ مگر حیرت ان لوگوں پر ہوتی ہے جنھوں نے اسے باور کر لیا اور اپنی کتابوں میں اسے لکھ کر ان کا اعتبار گم کر دیا حالانکہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی روئیداد مقدمہ دیکھتے ہی یہ فیصلہ کر لے گا کہ یہ من گھڑت افسانہ ہے۔ اور حضرت مروانؓ پر یہ الزام بالکل جھوٹ اور سراپا کذب و بہتان ہے۔ رہے مودودی صاحب کے ایسے محقق تو ان پر کوئی تعجب نہیں کچھ تو علمی سرمایہ کی کمی اور کچھ بغض بنو اُمیہ ان دونوں کا مجموعی اثر ان سے اس دروغ کو فروغ دینے کی سعی لاحاصل کروا رہا ہے۔ اس بغض و عداوت کے ساتھ سبائیوں کی محبت بھی اپنا اثر دکھاتی رہتی ہے چنانچہ اس کے اظہار کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اس موقعہ پر بھی یہ محبت اُن کے قلم سے یہ جملہ لکھوا رہی ہے

"اس میں دونوں طرف کے دس ہزار آدمی شہید ہوئے"

یعنی اُنھوں نے اپنے زور قلم سے سبائیوں کو بھی رتبۂ شہادت پر پہونچانے

کی کوشش فرمائی۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جنگ جمل میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فوج میں تو سب مخلص مسلمان تھے۔ جن میں صحابی بھی تھے اور تابعی بھی۔ ان میں سے جو حضرات مقتول ہوئے وہ رتبہ شہادت پر فائز ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں دو قسم کے افراد تھے مخلص مسلمان جن میں صحابی بھی تھے اور تابعی بھی۔ ان میں سے جو قتل ہوئے وہ بھی درجہ شہادت کو پہونچے۔ دوسرا گروہ جو آں ممدوح کی مرضی کے خلاف لشکر میں شریک تھا سبائیوں کا گروہ تھا اُن میں سے جو لوگ قتل ہوئے انھیں زمرہ شہداء میں داخل کرنے کی جرأت کوئی ان کا ہم مشرب ہی کر سکتا ہے۔ ورنہ درحقیقت تو یہ لوگ فی النار والسقر ہوئے۔ فعلیھم لعنة اللہ والملٰئکة والناس اجمعین وادخلھم اللہ فی الدرک الاسفل من الجحیم

## جنگ جمل کے روشن پہلو

اسلام کے خلاف جو تخریبی تحریک رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول نے شروع کی تھی اور جس کی تجدید عبداللہ بن سباء نے کی وہ حالات کے لحاظ سے مختلف رنگ بدلتی رہی۔ اس میں اُتار چڑھاؤ تو بہت ہوا مگر تحریک ختم نہیں ہوئی اور آج بھی مختلف صورتوں میں جاری ہے۔

اس کی تاریخ یہ ہے کہ اپنی ابتداء میں تو یہ بالکل ناکام رہی۔ حضرات شیخین رض کے پورے دور اور اُمت کے شہید اعظم حضرت عثمان رض ذی النورین کے ابتدائی اور متوسط دور میں بھی یہ بہت مضمحل رہی۔ ان کے آخری زمانہ میں اس نے طاقت پکڑ لی۔ خلافت مرتضوی رض کے زمانہ میں اس کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ اگر اس کے بعد خدانخواستہ اس کے شرکاء اپنے ناپاک منصوبہ میں کامیاب ہو جاتے تو آج دین اسلام کی جگہ بھی یہودیت اور مسیحیت کی صف میں

ہوتی۔ اس سازش کو ناکام بناتے ہیں جنگ جمل بہت موثر ثابت ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فریقین کی مرضی اور ان کے ارادے کے خلاف محض سبائیوں کی فتنہ انگیزی اور فریب کاری کی وجہ سے مسلمانوں کا جو خون بہا وہ بہت افسوسناک ہے لیکن یہ خون رائیگاں نہیں گیا۔ اس سے مندرجہ ذیل عظیم الشان فوائد اور دوررس نتائج نکلے۔

(۱) سبائیوں کو اتنی کامیابی تو ضرور ہو گئی کہ انھوں نے مسلمانوں کے درمیان خونریزی کروا دی۔ لیکن اس کے نتیجہ میں فریقین کے درمیان بجائے بغض وعداوت پیدا ہونے کے مستقل اتحاد پیدا ہو گیا جو انتہائی خلوص پر مبنی تھا یہ سبائیوں کی بہت بڑی ناکامی تھی جس سے ان کا منصوبہ بڑی حد تک ناکام ہو گیا اور اس ناکامی نے ان کی شر انگیز تحریک کو کمزور کر دیا۔

(۲) سبائیہ کی نقاب نفاق وتقیہ پارہ پارہ ہو گئی اور ان کا مکروہ چہرہ اس قدر نمایاں ہو گیا کہ قریب قریب سب انھیں پہچان گئے۔ اس شناخت نے بھی ان کی تحریک کو بالکل مردہ نہیں تو کم از کم مفلوج اور ادھ موا کر دیا۔

(۳) صفحات سابقہ میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ ام المومنینؓ اور ان کے رفقاء کا بہت بڑا مقصد دستور اسلامی کی حفاظت اور اسے تحریف سے بچانا تھا اس مقصد میں انھیں مکمل طور پر کامیابی ہوئی خونریزی ہوئی مگر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ سیدنا عثمانؓ کو خلافت سے ہٹانے کا جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ از روئے اسلام غلط تھا۔ گویا دین اسلام کا دستوری حصہ تحریف سے بچ گیا اور اس معاملہ میں بھی سبائی اپنی کوشش میں بالکل ناکام رہے۔

(۴) مفسدوں نے اپنی سازش کا جال دور دور تک پھیلا دیا تھا۔ اور کوفہ و بصرہ کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ ام المومنین علیہا السلام کے اس جرأت آمیز

اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ایک مرکز بصرہ تباہ ہوگیا۔ مدینہ میں جن سبائیوں نے قدم جما لیئے تھے وہ بھی وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے اور ان کی خاصی تعداد جنگ سے قتل میں مرد دار مستحق نار ہوگئی جس کی وجہ سے ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ کوفہ کے مرکز پر بھی اس کا اثر پڑا اور ایک مدت کے لیئے ان کی تحریک رک گئی اور نہ صرف رک گئی۔ بلکہ اسلام کو مٹانے کے لیئے جو خاکہ انھوں نے اس وقت بنایا تھا وہ خاک میں مل گیا۔

(۵) بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ سبائیت یہودی ذہن و دماغ کی اختراع ہے۔ انھوں نے اسلام میں یہودیت کی قلم لگا کر ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا تھا اور اس کا دامن سیاست سے وابستہ کر دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ سیاسی اقتدار حاصل کر کے اپنے باطل افکار و عقائد اور فاسقانہ اعمال و اطوار کی اشاعت و ترویج کی جائے اور پوری امت کو اصل اسلام سے ہٹا کر ایک ایسے اسلام کا پیرو بنا دیا جائے جو نام کا اسلام اور حقیقت کے لحاظ سے یہودیت مجوسیت وغیرہ باطل مذاہب کا ایسا مرکب ہو جس میں کچھ اجزاء اسلام کے بھی شامل ہوں۔

اسکیم یہ تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو گھیر گھار کر خلیفہ برائے نام بنا دیا جائے اور ان کی آڑ میں اقتدار حاصل کیا جائے۔ ان کی تعریف و ستائش میں حدود مبالغہ کو بھی پار کر لیا جائے۔ پھر اپنے افکار باطلہ کو ان کی طرف منسوب کیا جائے اور جو جماعت صحابہ اس فریب کے خلاف آواز اٹھائے یا جس سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس مفسد گروہ کی نقاب کشائی کرے گی اسے بدنام کر کے اس کے خلاف عام مسلمانوں کو ابھار دیا جائے۔ اس طرح رفتہ رفتہ ہم خیالوں کی تعداد و قوت میں اضافہ کر کے ایک دن خلافت و حکومت پر مکمل قبضہ کر لیا

جائے اور اس سے فائدہ اُٹھا کر پوری اُمت میں اپنے افکار باطلہ اور اعمال خبیثہ کو مروج کیا جائے۔ اگر خدانخواستہ ان کا یہ خواب پورا ہو گیا ہوتا۔ تو آج اہلسنت کی وہی حیثیت ہوتی جو شیعوں اور قادیانیوں کی ہے۔ یعنی وہ اُمت کا ایک قلیل التعداد فرقہ ہوتا اور سواد اعظم شیعوں پر مشتمل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ درجات و مراتب بلند فرمائے ام المؤمنین رضؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعید بن العاصؓ حضرت مروانؓ اور اُن کے سب رفقاء کے جن کے بروقت جرأت آمیز مجاہدانہ اقدام نے سبائیوں کی خطرناک اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اور اُن پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ ان کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔ آج اُن کے متبعین ایک قلیل التعداد فرقہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور سواد اعظم اہلسنت پر مشتمل ہے۔ یہ طفیل ہے ان حضرات کے اس مخلصانہ تاریخی اقدام کا اور یہ ایک بے بہا نتیجہ ہے جنگ جمل کا، جو اگر دس ہزار کیا دس لاکھ خون کر کے بھی حاصل ہوتا تو مفت ہی کہا جاتا۔

(۹) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انتخاب بحیثیت خلیفہ جن حالات اور جس طرز پر ہوا ان کا اثر یہ ہوا کہ آں ممدوح کو سبائیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اُنھیں بالکل شاہ شطرنج بنا دینے کی پوری کوشش کی یہ دوسری بات ہے کہ آں موصوف اپنے تدبر اور اپنی دانشمندی کی وجہ سے اُن کے قابو میں نہ آسکے لیکن سبائیوں نے تو کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور نظام حکومت پر حاوی ہو جانے کے لئے ہر قسم کی ممکن تدبیر اُنھوں نے کی۔ حضرت علیؓ پر وہ مکمل غلبہ نہ پاسکے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کی خلافت کو اپنے پیشرو خلفاء راشدین کی خلافت کے مثل استحکام حاصل نہ ہوا۔ اور سبائی امور خلافت میں خاصے دخیل ہو گئے۔ جیسا کہ ہم صفحات ماسبق میں عرض کر چکے ہیں۔

اُم المؤمنین علیہا السلام کی پیش گوئی "ان الامر لمستقیم" کی صحت و صداقت کو تاریخ کا ہر طالب علم معلوم کر سکتا ہے۔ جنگ جمل میں سبائیوں کی قوت ٹوٹنے اور ان مفسدوں کے بہت سے سرغنہ گندوں کے فی النار ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک حد تک استحکام پیدا ہوگیا اور انہیں اس مارِ آستین ٹولی سے پورے طور پر نہ سہی تاہم خاصی حد تک نجات حاصل ہوگئی۔ اگر جنگ جمل نہ ہوتی تو خلافت علوی میں اتنا استحکام نہ پیدا ہوتا۔ جنگ جمل کے یہ وہ اہم منافع اور تابناک پہلو ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد اس میں ہونے والے جانی و مالی نقصانات کا کوئی وزن باقی نہیں رہتا اور اس کے تاریک پہلو بالکل بے وقعت ہوجاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مورخین نے اس کے ان روشن پہلوؤں اور عظیم الشان مصلحتوں کی طرف مطلق نظر نہ کی بلکہ صرف اس کے تاریک پہلو کا مرثیہ لکھنے میں اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا۔

**مورخین اسلام پر تبصرہ** | اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر وغیرہم کے زمانہ میں شیعی پروپیگنڈے اور سیاسی حالات کی وجہ سے ایسی فضا تیار ہوگئی تھی کہ اس میں اس حادثہ کے روشن پہلو کی جانب نظر جانا بہت دشوار تھا ان حضرات نے صرف اس کے ایک ہی پہلو پر نظر کی اور وہ بھی ایسی فضا میں جو طبری، ابن اسحٰق، واقدی وغیرہ کے ایسے دشمنان صحابہ اور سبائیت زدہ مورخوں کے اڑائے ہوئے غبار سے کثیف ہو رہی تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے تبحر علمی کے باوجود مورخانہ فطانت و ذوق نہ رکھتے تھے۔ جہاں تک روایات کے استقصار اور انہیں جمع کرنے کا سوال ہے ان حضرات کی وسعت نظر اور ان کے وفور علم کا اعتراف نہ کرنا سخت ناانصافی ہے لیکن واقعات کی ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو جوڑنا اخبار و روایات کے منتشر اجزاء کو مناسبت کے لحاظ سے مربوط کرنا اور ان سے حقیقت واقعہ تک پہونچنا۔ حوادث

وواقعات کے جنگل میں گھس کر اسباب وعلل اور نتائج کا کھوج لگانا اُن کے بس کی بات نہ تھی نہ اُن کا ذہن ان چیزوں کے لئے تیار تھا۔ یہ حضرات وسیع النظر تھے۔ مگر دقیق النظر نہ تھے۔ ورنہ اگر یہ طبری وغیرہ کی روایتوں کو بھی مؤرخانہ نگاہ سے دیکھتے تو جنگ جمل کا روشن پہلو ان کی نظر سے اوجھل نہ رہتا۔ اور یہ اس حادثہ پر مرثیہ خوانی کے بجائے "عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد" کہتے اور انھیں کرشمۂ قدرت نظر آتا کہ سبائیوں کی مفسدہ پردازی سے جس قدر ضرر مسلمانوں کو پہونچا اس سے زیادہ ضرر خود اس مفسد گروہ کو پہونچا اور مسلمانوں کے ضرر کی تلافی ان منافع سے ہوگئی جو اس جنگ سے انہیں بحیثیت ملت حاصل ہوئے اور جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔

## حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے میدان جنگ سے ہٹ جانے کا قصہ

اس بحث کے آخر میں حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ کے متعلق ایک تاریخی غلط بیانی پر تبصرہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگا۔ جس کا اظہار مودودی صاحب نے اس طرح کیا ہے:۔

> "جنگ جمل کے آغاز میں حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو پیغام بھیجا کہ میں آپ دونوں سے بات کرنا چاہتا ہوں ———— دونوں حضرات تشریف لے آئے اور حضرت علیؓ نے ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یاد دلاکر جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت زبیرؓ میدان جنگ سے ہٹ کر الگ چلے گئے اور حضرت طلحہؓ آگے کی صفوں سے ہٹ کر پیچھے کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے" (ص ۱۲۹، ۱۳۰)

لیکن اُنھوں نے یہ نہیں لکھا کہ وہ ارشادات نبوی کیا تھے؟ اگر انکا اظہار

کر دیتے تو حقیقت حال ظاہر ہو جاتی اور ان دونوں حضرات کی جنگ سے علیحدگی کا قصہ سبائیوں کا طبعزاد افسانہ نظر آتا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ طبری وغیرہ مؤرخین نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرات طلحہؓ و زبیرؓ سے بطور پیشین گوئی فرمایا کہ تم حضرت علیؓ سے جنگ کرو گے۔ اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ یہ واقعہ حضرت علیؓ نے ان دونوں حضرات کو یاد دلایا۔ اس پر وہ جنگ سے الگ ہو گئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت کسی سند سے بھی ثابت نہیں۔ بلکہ اس کی ساخت بتا رہی ہے کہ سبائیوں کی وضع کی ہوئی بالکل جعلی روایت ہے۔ ان دونوں حضرات کی جنگ جمل سے علیحدگی اور اس سے بے تعلق ہو جانے کا افسانہ اسی موضوع روایت پر مبنی ہے۔ بنیاد کے منہدم ہونے کے بعد اس غلط افسانہ کا پورا قصر خود بخود زمین بوس ہو جاتا ہے۔

ذرا بھی فہم سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ قصہ خود اپنے خلاف شہادت دے رہا ہے بالکل فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ دونوں حضرات واقعی اس جنگ کو مذموم سمجھنے لگے تھے اور اس میں حصہ لینا کم از کم اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے تو یہ مخالف کیمپ میں واپس کیوں گئے؟ خود حضرت علیؓ کے کیمپ میں کیوں نہ آ گئے؟ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بصرے میں حضرت طلحہؓ کا بہت اثر تھا اور وہاں کے ہزاروں مخلص مسلمان ان کی وجہ سے اس جنگ میں شریک تھے۔ ایسے جلیل القدر صحابی کیا اس تعلیم نبوی سے بے خبر تھے کہ مسلمان کو دوسروں کے لیے بھی وہی بات پسند کرنا چاہیے جو اپنے لئے پسند کرے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ خود تو جنگ سے الگ ہو گئے مگر اپنے معتقدین کو اس سے روکنے کی تلقین نہ فرمائی۔ اور کھڑے کھڑے اُن کی زور آزمائی دیکھتے رہے؟

حضرت زبیرؓ کے متعلق بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان کا بھی خاتمہ اثر بصرے میں تھا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ خود ان دونوں حضرات کے ہزاروں معتقدین ان کی غیر جانبداری دیکھنے کے باوجود کیونکر مصروف جنگ رہے ہزاروں میں سے سو دو سو کو چھوڑیئے دس بیس کی بھی جنگ سے علیحدگی کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ ان قرائن سے روشن ہے کہ یہ پورا قصہ من گھڑت ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے ملاقات کر کے مصالحت کے بارے میں گفتگو کی ہو لیکن حضرت علیؓ کا انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی سنانا اور ان کا جنگ سے کنارہ کش ہو جانا حضرت طلحہؓ کا پچھلی صف میں شامل ہو جانا۔ حضرت زبیرؓ کا لشکر سے باہر چلا جانا یہ سب سر تا پا دروغ افسانے ہیں جو سبائیوں یا اُن کے ہمدردوں نے اپنے خاص مقاصد کے لئے تصنیف کئے ہیں جن میں صداقت کا شائبہ بھی نہیں۔ عقل و درایت کے معیار پر تو یہ قصہ افسانہ ثابت ہوتا ہی ہے تاریخی روایتیں بھی ایسی ملتی ہیں جو اسے غلط اور موضوع ظاہر کر رہی ہیں۔ طبری کی مندرجہ ذیل روایت ملاحظہ ہو:۔

| | |
|---|---|
| کان القتال یومئذ فی صدرہ | دن کے اول حصہ میں اس دن حضرت طلحہؓ |
| النہار مع طلحۃ والزبیر | و حضرت زبیرؓ سے جنگ ہوتی رہی۔ لوگ |
| فانہزم الناس وعائشۃ توقع | پسپا ہو گئے اور حضرت عائشہؓ صلح کی |
| الصلح۔ (طبری جلد ۳ احوال ۳۶ھ بیان جنگ جمل ص ۵۱) | توقع کر رہی تھیں۔ |

اس روایت سے ظاہر ہے کہ اختتام جنگ تک حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ مصروف جنگ رہے۔ پھر حضرت طلحہؓ پچھلی صف میں کب داخل ہوئے؟ اور حضرت زبیرؓ کب غیر جانبدار ہوئے؟ اگر ایسا ہوا ہوتا تو جنگ کا زور ان دونوں حضرات کی طرف کیوں ہوتا؟ دوسری روایت بھی ملاحظہ ہو:۔

عن محمد بن طلحة قال ولما انهزم الناس فی صدر النہار نادی الزبیر انا الزبیر ای ایہا الناس (الفصاص ۴۰۶)

محمد طلحہ سے روایت ہے کہ جب دن کے اوّل حصہ میں لوگ پیچھے ہٹے تو حضرت زبیرؓ نے آواز دی کہ میں زبیرؓ ہوں لوگو میرے پاس آؤ۔

آخر میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی مندرجہ ذیل روایت پر بھی نظر کیجئے:۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

لما وقف الزبیر یوم الجمل دعانی فقمت الی جنبہ فقال یُبنی لا یقتل الیوم الا ظالم او مظلوم وانی لا ارانی الا سأقتل الیوم مظلوماً (بخاری جلد ا کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ)

جب حضرت زبیرؓ یوم الجمل میں کھڑے ہوئے تو مجھے بُلایا اور جب میں اُن کے پاس آکر کھڑا ہوا تو فرمایا کہ اے میرے بیٹے آج کے دن مقتول ہونیوالے یا ظالم ہیں یا مظلوم اور مجھے یقین ہے کہ میں آج مظلوم قتل ہونگا

اسی روایت میں آگے ہے "فقتل" یعنی وہ شہید ہو گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ میدان جنگ ہی میں شہید ہوئے۔ جنگ سے کنارہ کش اور صفوں سے الگ ہو جانے کا قصہ بالکل غلط ہے کیونکہ انھوں نے میدان جنگ میں کھڑے ہو کر اپنے قتل کی پیش گوئی فرمائی جو بالکل صحیح نکلی اور وہ خود کو مظلوم سمجھ رہے تھے اگر وہ اس جنگ میں شرکت کو اپنی غلطی سمجھتے تو خود کو مظلوم کیوں کہتے۔ اس کے علاوہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عبداللہؓ اسے بھی نقل کرتے۔

# بابِ سوم

## حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف

مودودی صاحب نے حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت معاویہؓ کی آویزش اور

اس کے بعد حضرت معاویہؓ کے برسرِ اقتدار آنے کو خلافت سے اپنی اصطلاحی "ملوکیت" کی جانب نقطۂ انقلاب قرار دیا ہے یہ صرف اس لئے کہ وہ بنو اُمیہ کے سخت مخالف ہیں خصوصاً حضرت معاویہؓ سے تو انھیں اس قدر بغض وعناد ہے کہ انھیں موردِ الزام قرار دینے کے لئے وہ ان کے اقدام کو خطاءِ اجتہادی تسلیم کرنے پر بھی تیار نہیں جب پہلے سے ایک بات طے کر لی جائے تو اس قسم کے دلائل تلاش کئے جاتے ہیں جو اس قائم کردہ خیال کے ساتھ مناسبت اور مطابقت رکھتے ہوں۔ اس لئے نقلِ روایات میں بھی انھوں نے انہیں روایتوں کا انتخاب کیا جو حضرت معاویہؓ پر اعتراض کرنے میں معاون ہو سکیں خواہ وہ روایت و درایت کے معیار پر پوری اترتی ہوں یا نہ اترتی ہوں۔ اس قسم کا نقطۂ نظر اختیار کرنے کے بعد حقیقت تک رسائی ناممکن ہے۔ امرِ واقعی تو اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب ابتداء سے منصفانہ اور غیر جانبدارانہ زاویۂ نظر اختیار کیا جائے اور واقعات کو اپنی رائے کے مطابق بنانے کے بجائے ان کی بنیاد پر رائے قائم کی جائے صفحاتِ آئندہ میں اسی طرزِ فکر کو اختیار کر کے ہم نے اس اختلاف کی حقیقت واضح کی ہے۔

تحقیق کا آغاز کرنے سے پہلے اس واقعہ کا اظہار لازم ہے کہ اس بارے میں عام طور پر مورخینِ اسلام سے ناانصافی کا صدور ہوا ہے وہ کتابیں جو مسلمانوں کی تاریخ کا اصل ماخذ سمجھی جاتی ہیں یعنی طبری مغازی ابن اسحاق، طبقات ابن سعد ان پر ہم تبصرہ کر چکے ہیں اور واضح کر چکے ہیں کہ ان کی روایتوں اور ان کے بیانات پر شیعیت و یہودیت کا اثر نمایاں ہے طبری ابن اسحاق واقدی، تینوں تقیہ باز شیعہ اور سبائی پارٹی کے رُکن رکین تھے اس لئے انھوں نے حضرت معاویہؓ کے خلاف زہر اُگلنے، جھوٹی روایتیں گھڑنے اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے

میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ ان سے اسی کی توقع ہو سکتی تھی۔ لیکن متاخرین بھی ان کتابوں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ہر معاملہ میں حضرت معاویہؓ کے خلاف فیصلہ دینا انھوں نے لازم سمجھ لیا۔ انہیں مورخین کے بھروسہ پر متکلمین نے بھی اپنی بحث کی عمارت تعمیر کی اور ان کے محتاط لوگوں نے بھی حضرت سیدنا معاویہؓ کے متعلق علی الاطلاق خطاء اجتہادی کا فیصلہ کر دیا اور اس اختلاف کے سلسلہ کے ہر معاملہ میں انہیں کی غلطی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

اس فیصلہ کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ قرب عند اللہ کے اعتبار سے حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے افضل ہیں۔ ان حضرات نے یہ کلیہ بھی قائم کر لیا کہ جو شخص افضل ہو اس کی ہر بات صحیح اور اس کا ہر اقدام مناسب ہوگا بخلاف اس کے مفضول کا ہر اقدام غلط اور نامناسب ہوگا۔ یہ مفروضہ ان کے ذہن پر اس طرح غالب ہو گیا کہ انھوں نے واقعات و حالات پر نظر کرنے سے پہلے ہی یہ فرض کر لیا کہ ہر معاملہ میں حضرت علیؓ حق پر ہوں گے اور حضرت معاویہؓ غلطی پر۔ ظاہر ہے کہ یہ طرز بحث و فکر بالکل غیر محققانہ اور غیر منصفانہ ہے اس لئے ان حضرات کا قول اس بارے میں قابل اعتماد نہیں ہو سکتا نہ ان کی رائے بغیر صحیح دلیل کے مانی جا سکتی ہے ہم نے متاخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صحیح طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہم واقعات و ظروف پر نظر کر کے نتائج اخذ کریں گے۔ اور اس میں کسی جانبداری سے کام نہ لیں گے۔ ہمارے نزدیک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ عند اللہ حضرت معاویہؓ سے بدرجہا برتر و بلند ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ انہیں کی رائے صحیح ہو۔ وہ بھی معصوم نہ تھے غلطی کا صدور ان سے بھی ممکن ہے۔ اس زاویہ سے ہم واقعات و حالات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت کو آراستہ کرتے ہی جو کام سب سے پہلے کئے ان میں سے ایک یہ بھی

تھا کہ انھوں نے سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت سہل بن حنیفؓ کو مقرر کیا۔ یہ تبوک تک پہنچے تھے کہ کچھ سوار انہیں ملے۔ جنھوں نے ان کا مقصد معلوم کرنے کے بعد کہا کہ اگر تم حضرت عثمانؓ کی طرف سے آئے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ واپس جاؤ یہ مقام ہے جہاں سے دونوں حضرات کا اختلاف شدت و اہمیت اختیار کرتا ہے اس سے پیشتر جو اختلاف تھا وہ رائے کی حد تک محدود تھا بالکل وہی اختلاف جو حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے درمیان تھا۔ لیکن ام المومنینؓ کے ساتھ اختلاف جنگ جمل پر منتج ہوا۔ بخلاف اس کے حضرت معاویہؓ کے ساتھ اختلاف اس وقت تک کسی آویزش کا سبب نہیں بنا تھا۔ اس واقعہ کو ذکر کر کے جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

"یہ اس بات کا صاف نوٹس تھا کہ شام کا صوبہ نئے خلیفہ کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہے۔" (صفحہ ۱۳۲،۱۳۳)

ان کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی اس واقعہ سے یہی نتیجہ نکالا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ انھوں نے خود اپنی کتاب کے ص ۱۴۴ پر اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واقعہ تحکیم تک خلافت کے مدعی نہیں تھے۔ زیر بحث واقعہ تحکیم سے بہت پہلے کا ہے۔ اس وقت تک خلافت کا نام بھی ان کی زبان مبارک پر نہیں آیا۔ پھر جب وہ خود خلافت کے مدعی نہ تھے اور حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر اور ان کی اطاعت سے منحرف بھی تھے تو آخر وہ شام کا نظام حکومت کس بنیاد پر چلا رہے تھے؟ معمولی سی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب انھوں نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم کرتے

تھے اور ان کی اطاعت کیلئے تیار تھے زیر بحث واقعہ سے زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص معاملہ یعنی معزولی کے معاملہ میں حضرت علیؓ کی اطاعت کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن اس سے یہ کسی طرح نہیں معلوم ہوتا کہ وہ علی الاطلاق حضرت علیؓ کی اطاعت سے منحرف تھے۔ خلافتِ علوی جس صورت سے منعقد ہوئی اس کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے وہ آئینی طور پر یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ انھیں خلیفہ سابق کے عمال کو معزول کرنے کا اختیار ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت ہی کو چیلنج کر دیا تھا۔

رہا یہ مسئلہ کہ معزولی کے معاملہ میں انھوں نے حضرت علیؓ کے حکم کو کیوں نہ مانا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آئینی اور دستوری اعتبار سے آں ممدوح کو اس حکم دینے کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ عام طور پر مورخین و متکلمین نے اس واقعہ کو سطحی نظر سے دیکھا اور اس کے آئینی و دستوری پہلو پر غور نہیں کیا اس لئے اُسے بغاوت کے مرادف سمجھا حالانکہ اسے بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔ مسئلہ ذرا دقیق ہے اور جو زاویہ نظر میں پیش کر رہا ہوں وہ جدید ہے اس لیے قدرے تفصیل کی احتیاج ہے جو درج ذیل ہے۔

آغاز بحث اس نقطہ سے مناسب ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کی نوعیت کیا تھی؟ صفحات ماسبق میں مذکور ہو چکا ہے کہ ان کی خلافت ہنگامی حالت (EMERGENCY) میں منعقد ہوئی تھی جن لوگوں نے انہیں منتخب کیا تھا ان میں شام یا دوسرے ممالک اسلامیہ کا کوئی نمائندہ نہ تھا بلکہ درحقیقت صرف مدینہ طیبہ کے نمائندوں نے ان کا انتخاب کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ مہاجرین وانصار کی اکثریت بھی اس انتخاب میں حصہ دار نہ تھی یہ بھی واقعہ ہے کہ باغیوں کی

جماعت بھی اس میں حصہ دار تھی۔ ان حالات میں جو خلافت منعقد ہوئی وہ جائز تو تھی لیکن محض ہنگامی تھی اس کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے استصواب رائے اور دوبارہ انتخاب کی حاجت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے ہنگامی اور غیر معمولی حالات میں جو خلیفہ منتخب ہوا سے قبل استصواب رائے عامہ ازروئے اسلام اس کا حق حاصل ہے یا نہیں کہ وہ خلیفہ سابق کے مقرر کردہ عمال کو سبکدوش کر دے اور اُن کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرے؟ اس مسئلہ میں دو رائیں ہو سکتی ہیں اور ہوئیں۔

مسئلہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ معمولی حالات میں خلیفہ کا یکایک انتقال ہو جائے مملکت میں کسی بغاوت اور خلفشار کا وجود نہ ہو بلکہ امن و امان قائم ہو اس حالت میں مرکز کی مجلس عاملہ (ایگزیکیوٹو کمیٹی) عارضی طور پر کسی خلیفہ کا انتخاب کر لیتی ہے تاکہ وہ اس وقت تک نظم و نسق چلاتا رہے جب تک کسی دوسرے خلیفہ کا باقاعدہ انتخاب نہ ہو جائے یا استصواب رائے عامہ کے بعد خود یہی شخص منصب خلافت پر مستقل کر دیا جائے۔ اس حالت میں یہ سوال زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اسے خلیفہ سابق کے عمال کو سبکدوش کرنے اور بدلنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ بظاہر ازروئے آئین اسے یہ اختیار حاصل ہونا چاہیئے۔ لیکن جس معاملہ پر گفتگو ہو رہی ہے وہ اس قسم کا معمولی واقعہ نہ تھا۔ خلیفہ اسلام کے خلاف بغاوت ہوئی باغیوں نے انہیں شہید کر دیا اس کے بعد وہ مرکز پر قابض ہو گئے حضرت علیؓ کے انتخاب میں بھی ان کی رائے اور مرضی کو خاصا دخل تھا۔ انتخاب خلیفہ کے بعد اگرچہ ان کا تسلط نہیں باقی رہا۔ لیکن اس میں کلام کی گنجائش نہیں کہ انہیں خاصا اقتدار حاصل تھا۔ جہاں تک حکومت کی پالیسی کا تعلق ہے وہ پورے طور پر ان کے ہاتھ

میں تو نہ تھی۔ لیکن اس پر ان کا متفق ہو جانا ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ جس کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کا معزول ہونا باغیوں کی مرضی کے عین مطابق بلکہ انہیں کی تحریک اور انہیں کے اصرار کا نتیجہ تھا۔ ان حالات میں یہ سوال بہت اہمیت اختیار کر لیتا ہے کہ ایسے خلیفہ کو جو ایسی ہنگامی حالت میں منتخب ہوا ہو اور رائے عامہ نے ابھی اس کی خلافت کی توثیق نہ کی ہو خلیفہ مظلوم کے عمال کو سبکدوش کرنے کا اختیار ازروئے آئین دستور اسلامی حاصل ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ معزولی خلیفہ مظلوم کی پالیسی کے بالکل خلاف اور ظالم باغیوں کی مرضی و پالیسی کے عین مطابق ہو؟ کیا اس مسئلہ کے متعلق کوئی ایسی دلیل شرعی یا عقلی ہے جس سے اس کا ایک پہلو قطعی طور پر متعین ہو سکے؟ اور کیا اس میں دو رائیں بھی نہیں ہو سکتیں؟ اگر ہو سکتی ہیں اور یقیناً ہو سکتی ہیں تو حضرت سیدنا معاویہؓ نے اگر یہ رائے قائم کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو انہیں معزول کرنے کا اختیار نہیں ہے تو ان کی رائے کو غلط کس دلیل کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے اور غلطی تو غلطی خطاء اجتہادی کا انتساب بھی ان کی طرف کس بنیاد پر کیا جا سکتا ہے؟ اور اسے بغاوت و سرکشی کس دلیل سے کہا جا سکتا ہے؟ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھ جو حضرات فقہاء صحابہ و تابعین تھے سب کی رائے یہ تھی کہ حالات مذکورہ میں خلیفہ کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ خلیفہ شہید کی پالیسی کے خلاف اور باغیوں کی پالیسی کے موافق خلیفہ سابق کے عمال کو معزول کر دے کیونکہ ایسی ہنگامی حالت میں جو خلیفہ منتخب ہوتا ہے اس کی حکومت کی حیثیت جب تک استصواب رائے عامہ سے اسے استحکام نہ حاصل ہو جائے، عبوری حکومت (INTERIM GOVERMAMENT) کی ہوتی ہے۔ عبوری

حکومت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ حکومت سابقہ کی پالیسی کی اتباع کرے اور نظم ونسق انھیں خطوط پر چلائے جو خلیفہ سابق نے کھینچے تھے ایسے کسی ایسے اقدام کا حق نہیں ہوتا جو خلیفہ سابق کی پالیسی سے نسبت تضاد رکھتا ہو۔ اُسے ایسے اقدام کا حق صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ قوی دلائل اس بات کو بتا رہے ہوں کہ خلیفہ سابق کی پالیسی پر عمل کرنے سے کوئی ایسا مفسدہ پیدا ہوگا جو شرعاً مفسدہ سمجھا جاتا ہے یا کوئی ایسی مصلحت فوت ہو جاتی تھی جس کا حاصل کرنا حالات موجودہ میں بھی شرعاً ضروری اور واجب ہو۔ ممدوح کے نزدیک اس منصب پر قائم رہتے ہیں نہ کوئی ایسا شرعی مفسدہ تھا اور نہ کوئی ایسی شرعی مصلحت فوت ہو رہی تھی۔ اس حالت میں وہ خلیفہ کو اس کا حق دار نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اُنھیں معزول کر دیں۔ حالات کی خصوصیت نے ان کی اس رائے کو اور بھی وزنی اور اُن کی دلیل کو مزید قوی بنا دیا تھا۔ اسلام کے خلاف یہود کی سازش جو سبائی ٹولی کی صورت میں ظاہر اور سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت نیز جنگ جمل پر منتج ہوئی تھی اس کی گہرائی اور گیرائی سے حضرت سیدنا معاویہؓ خوب واقف تھے۔ کیونکہ اُنھیں اس سے واسطہ پڑا تھا۔ بلاشبہ مدبر مملکت کی "تاریخ" میں ان کا یہ روشن کارنامہ جلی اور ممتاز عنوان کا مستحق ہے کہ اُنھوں نے اس سراپا کید وفریب خوفناک یہودی سازش کو اپنے حدودِ حکومت میں قدم جمانے کا موقعہ نہیں دیا بلکہ شام میں اس کا نام ونشان بھی باقی نہ چھوڑا۔ ان کا یہ کارنامہ صرف تدبیر مملکت کا شاہکار ہی نہیں ہے بلکہ اُمت پر ان کا احسان عظیم بھی ہے۔

وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ اگر میں شام کی گورنری سے ہٹا اور کوئی دوسرا

شخص جو اس خبیث و پُر فتن سبائی تحریک سے کماحقہ واقف نہ ہو یا اس کے استیصال کی ضرورت کا احساس یا اس کی قوت نہ رکھتا ہو۔ میری جگہ مقرر ہوا تو یہ وبائے مہلک شام میں بھی پہونچ جائے گی اور مزید طاقت حاصل کرکے اپنا زہر پوری دُنیائے اسلام میں پھیلا دے گی ان کے پیش نظر یہ واقعات تھے کہ :۔

(۱) مرکز میں سبائیوں کی طاقت اگرچہ جنگ جمل کی وجہ سے کم ہوگئی ہے تاہم ابھی فنا نہیں ہوئی بلکہ وہ وہاں خاصی قوت و طاقت رکھتے ہیں۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ سبائیوں کے شدید مخالفت اور اُن کے ہتھکنڈوں سے کچھ نہ کچھ واقف ہیں لیکن اس ناپاک تحریک کی گہرائی اور اس کے مہلک اثرات سے اُنہیں اتنی واقفیت نہیں جتنی خود اُنہیں یعنی حضرت معاویہؓ کو ہے وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو ان بدباطنوں سے اس وقت تک اتنا واسطہ نہیں پڑا تھا جتنا حضرت امیر معاویہؓ کو بحیثیت گورنر شام پڑا تھا۔ اس ناپاک اور خوفناک تحریک کی ابتداء کس طرح ہوئی اور اس کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بے خبر تھے بخلاف اس کے حضرت معاویہؓ اس سے خوب واقف تھے وہ خوب جانتے تھے کہ سبائی ٹولی کے اصل لیڈر یہودی ہیں جن کا مقصد صرف خلافت عثمانیؓ کو ختم کرنا نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں وہ جانتے تھے کہ اگرچہ حضرت علیؓ بھی اس ٹولی کے مخالف ہیں لیکن وہ اسے صرف ایک باغی و سرکش جماعت سمجھتے ہیں۔ اور اسے اسلام کے خلاف یہودی تحریک و سازش نہیں سمجھتے۔ اس لئے ان کی پالیسی یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ استمالت کا برتاؤ کیا جائے اور تا بہ امکان خونریزی کی نوبت نہ آنے دی جائے مرکز کی اس نرم پالیسی

کی اتباع حضرت سہل بن حنیفؓ بھی کریں گے اور اس ٹولی کو شام میں اپنا زہر پھیلانے سے سختی کے ساتھ نہ روک سکیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ وہاں بھی اپنے قدم جمالیں گے بصرے کا تجربہ ان کے سامنے تھا جہاں حضرت عثمان بن حنیفؓ باوجود مخالف ہونے کے بصرے کو اس سبائی ٹولی کا مرکز بننے سے نہ روک سکے ان امور کے پیش نظر وہ سمجھتے تھے کہ اسلامی دستور ایسے خلیفہ کو جو ہنگامی حالت (EMERGENCY) میں منتخب ہوئے ہوں کیسے اجازت دے سکتا ہے کہ وہ ایسی پالیسی اختیار کرے جو باغیوں کو تقویت دے کر اس کے ایک مقصد انتخاب کو فوت کر دے ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کے انتخاب کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ بغاوت کو فرو کیا جائے اور باغیوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا جائے حضرت معاویہؓ کی معزولی سے یہ مقصد فوت ہو کر قلب موضوع لازم آتا تھا۔ وہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ اسلامی آئین خلیفہ کو ایسی چیز کا مجاز کرتا ہے جس سے موضوع خلافت منقلب ہو جائے۔ آئینی فقیہ کے اس مسئلہ پر نظر کئے بغیر متعدد علماء متاخرین نے آنکھیں بند کر کے فیصلہ کر دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاطی تھے لیکن ان کی خطاء اجتہادی تھی۔ حالانکہ موصوف فقیہ اور مجتہد تھے اور انکی رائے مبنی بر دلیل تھی انہیں اس رائے کے قائم کرنے کا حق تھا اور کوئی دلیل بھی ایسی نہیں ہے جو ان کی اس رائے یا دلیل کو یقینی یا ظنی ہی طریقہ سے غلط ظاہر کر رہی ہو پھر کسی کو کیا حق ہے یہ کہنے کا کہ وہ خاطی تھے؟ ومن ادعی فعلیہ البیان اور جب ان کا خاطی ہونا ثابت نہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ حق پر تھے۔

یہ موقف تھا حضرت امیر معاویہؓ کا وہ نہ تو حضرت علیؓ کی اطاعت سے کلیت منحرف تھے نہ ان کی خلافت کے منکر۔ وہ صرف اپنی معزولی کے مسئلہ میں ان کی

اطاعت واجب نہیں سمجھتے تھے اور ان کی یہ رائے آئین اسلام کی ایک مدلل و مبرہن تشریح پر مبنی تھی جسے کسی طرح غلط نہیں کہا جاسکتا ان کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف کیا تھا؟ اس کی تشریح ہم انشاء اللہ چند صفحات کے بعد کریں گے جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ وہ بھی حق پر تھے اور ان کی رائے کو بھی غلط نہیں کہا جاسکتا لیکن اس سے پہلے اسلامی آئین کے دو مسئلوں پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس سے حضرت معاویہؓ کا فقہی و آئینی موقف اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ ناگہانی طور پر وفات پا جائے خواہ قتل کر دیا جائے یا اور کسی طرح یکایک انتقال کر جائے تو دوسرے خلیفہ کے انتخاب تک اس کے مقرر کردہ عمال وحکام کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ آیا وہ معزول ہو جاتے ہیں؟ یا اپنے مناصب پر بدستور قائم رہتے ہیں؟ اور قائم رہنے کی صورت میں وہ مستقل وخود مختار ہو جاتے ہیں؟ یا خلیفہ مرحوم کے اب بھی نائب ہوتے ہیں؟ پہلی صورت خلاف نقل بھی ہے اور خلاف عقل بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا فاروق اعظمؓ کی وفات کے بعد ان کے مقرر کردہ سب عمال وحکام حسب سابق اپنا کام انجام دیتے رہے۔ ان کے اس طرز عمل کو صحابہ کرام نے صحیح سمجھا اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ حضرات اپنے مناصب پر قائم رہے اور معزول نہیں ہوئے اور یہ بات اجماع صحابہ سے ثابت ہوگئی اس کے علاوہ خود حضرت علیؓ نے عمال عثمانیؓ کو معزول فرمایا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تا معزولی وہ انہیں ان کے مناصب پر مامور اور قائم سمجھتے تھے ورنہ معزول کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ معزول کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انہیں اپنے مناصب پر قائم سمجھتے تھے۔ عقل بھی

بتاتی ہے کہ معزولی والی شق غلط ہے اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پورا نظام ہی درہم برہم ہو جائے اور یہ ماننا پڑے گا کہ ہر خلیفہ کی وفات کے بعد اسلامی حکومت کا نظام ختم ہو جاتا ہے اور انارکی کا ایک دور ضرور آتا ہے۔ کوئی معقول آئین خصوصاً اسلامی آئین اس قسم کے نقص کا حامل نہیں ہو سکتا۔

دوسری شق اختیار کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں خود مختار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جب خلیفہ کا انتقال ہو گیا تو اس سے احکام حاصل کرنا اور کسی معاملہ میں اس کی طرف رجوع کرنا ناممکن ہے اس کے ساتھ نظم و نسق کا باقی رکھنا بھی لازم ہے سوا اس کے چارہ کار کیا ہے کہ عمال یعنی گورنروں کو خود مختار تسلیم کیا جائے ہاں جو لوگ ان کے ماتحت ہیں۔ وہ بدستور ان کے ماتحت اور ان کے احکام کے تابع رہیں گے۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ گورنروں کا تقرر بلا واسطہ براہِ راست خلیفہ نے کیا تھا اور وہ انھیں کے سامنے مسئول و جواب دہ ہوتے ہیں اس لئے وہ خود مختار ہو جائیں گے لیکن گورنروں کے ماتحتوں کا تقرر ان کی رائے سے یا خود اُن کے حکم سے ہوتا ہے اور وہ انھیں کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں اس لئے وہ خود مختار نہ ہونگے گویا اصول یہ ہے کہ جن حکام یا عمال کا تقرر براہ راست خلیفہ کرتا ہے اور جو براہِ راست اسی کے سامنے جوابدہ اور اسی کے تابع ہوتے ہیں وہ خلیفہ کے انتقال کے بعد خود مختار ہو جاتے ہیں۔ اور جن عمال و حکام کا تقرر براہ راست خلیفہ کی جانب سے نہیں ہوا یا ہوا ہے لیکن اس میں قسم اول کے عمال کے مشورے یا مرضی کو بھی دخل ہے تو وہ بعد مرگ خلیفہ خود مختار نہ ہونگے بلکہ ان کی جو پوزیشن پہلے تھی وہ علی حالہٖ قائم رہے گی۔ تعامل صحابہ سے بھی یہی حکم سمجھ میں آتا ہے۔ دیکھئے حضرت علی جس وقت منصب خلافت پر

فائز ہونے کے بعد اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے عمال عثمانی رضہ کو معزول کیا۔ لیکن معزولی سے پہلے جو اقدامات اور کارروائیاں وہ ملکی نظم ونسق کے سلسلہ میں کر چکے تھے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا اور انہیں غیر قانونی (ILLEGAL) نہیں قرار دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی ان حضرات کو نظم ونسق کا ذمہ دار اور اس وقت تک خود مختار سمجھتے تھے۔ علیٰ ھذا سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے درمیان خاصہ وقفہ پایا جاتا ہے اس مدت میں کوئی خلیفہ نہیں تھا۔ اگرچہ ایک کمیٹی انتظامات کے لیے بنادی گئی تھی لیکن اس کا دائرہ عمل بہت محدود تھا اور عمال پر اس کا کوئی اثر و اقتدار نہ تھا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ ان عمال کو اس وقت خود مختار تسلیم کر لیا گیا تھا۔

دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر ملک میں بغاوت پھوٹ پڑے اور باغی خلیفہ کو شہید کر دیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو کہ باغی برسرِ باطل اور خلیفہ برسرِ حق تھا نیز باغیوں کو پورا غلبہ واقتدار بھی نہ حاصل ہوا ہو۔ تو کیا مرحوم خلیفہ کے منصب کی حمایت ونصرت اس کی شہادت کے بعد بھی تمام مسلمانوں خصوصاً مرحوم خلیفہ کے مقرر کردہ عمال وحکام وغیرہ پر واجب رہتی ہے یا نہیں اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا پڑے گا کہ خلیفہ سے عوام الناس کن باتوں کا عہد کرتے ہیں؟ نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عہد دو باتوں کا ہوتا ہے۔ اطاعت ونصرت۔ خلیفہ کی موت کے بعد اطاعت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا لیکن اگر خلیفہ پر ظلم ہوا ہے اور ظلم بھی اس کی ذات تک محدود نہیں بلکہ خود منصب خلافت کو ظلم کا شکار بنایا گیا اور آئینِ اسلام کو تبدیل کیا گیا تو نصرت کا عہد اس کی

وفات کے بعد بھی بدستور باقی رہے گا۔ دیکھیے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ — پس باغی گروہ سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع نہ کرے۔

اس میں خلیفہ مظلوم کی موت وحیات کی کوئی قید نہیں ہے۔ بلکہ علی الاطلاق باغیوں سے جنگ کا حکم فرمایا گیا ہے۔ خواہ خلیفہ کو انھوں نے شہید کر دیا ہو یا وہ زندہ ہو اس سے ظاہر ہے کہ خلیفہ کی نصرت عام مسلمانوں خصوصاً اس کے عمال پر اس کے انتقال کے بعد بھی واجب رہتی ہے اور اس حد تک اس کی بیعت باقی رہتی ہے کہ جن لوگوں نے اس پر ظلم کیا اور اس کے خلاف بغاوت کر کے دستور اسلامی کو توڑا۔ انھیں مغلوب ومقہور کیا جائے یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں اور ان کی طاقت وقوت ختم ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب باغیوں کا مخالف حق اور ظالم ہونا یقینی ہو تو خلیفہ کو شہید کر دینا ایسا جرم نہیں رہتا جو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو۔ بلکہ یہ جرم دستور اسلامی اور منصب خلافت سے تعلق رکھتا ہے[1]۔ خلیفہ کی موت کے بعد اس کی شخصیت تو باقی نہیں رہتی لیکن منصب خلافت یا بالفاظ دیگر تخت وتاج تو باقی ہی رہتا ہے اور اس کے ساتھ عہد بھی باقی رہتا ہے۔ کیونکہ بیعت اگرچہ بظاہر شخص خاص

---

[1] مودودی صاحب نقص بصیرت اور فقہ سے قلت مناسبت کی وجہ سے دونوں باتوں میں فرق نہیں کر سکے زیر بحث بغاوت کو انھوں نے حضرت عثمانؓ کی ذاتی مخالفت اور ان کی شہادت کو عثمانؓ ابن عفانؓ کی شہادت سمجھا حالانکہ شہادت خلیفہ عثمانؓ بن عفانؓ کی واقع ہوئی تھی اور بغاوت بھی انہیں خلیفہ راشد کے خلاف ہوئی تھی

کے ساتھ ہوتی ہے مگر درحقیقت اس کے منصب کے ساتھ ہوتی ہے بیعت کرنے والا اسے بحیثیت خلیفہ بیعت کرتا ہے نہ کہ زید و عمرو ہونے کی حیثیت سے یہاں اس مضمون کو بھی ذہن میں مستحضر کر لیا جائے جو پچھلے صفحات میں جنگ جمل کے سلسلہ میں مذکور ہو چکا ہے کہ اگر غیر دستوری طریقہ سے انقلاب کو گوارا کر لیا جاتا اور باغیوں کا قلع قمع کر کے دستوری طریقہ کی تجدید نہ کی جاتی تو دستورِ اسلامی کی عظمت کو ٹھیس لگتا اور انقلاب کا غیر دستوری طریقہ رائج ہونا یقینی تھا جس کے معنی تحریف شریعت ہوتے۔ ان دستوری نکات کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی صحت خوب روشن ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے ساتھ اس بارے میں سخت ناانصافی ہوئی۔ کہ ان دستوری اصول پر نظر کیے بغیر غلطی کو ان کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ اس مختصر بات کی شرح ملاحظہ فرمائیے۔ پچھلے صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کن حالات میں ہوئی تھی۔ ان حالات کا خلاصہ اختصار کے ساتھ مکرر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ وہ مستحضر ہو جائیں۔ ان میں اہم ترباتیں یہ ہے کہ ان کا انتخاب ان کے پیش رو خلفاء عظام کی طرح امن و اطمینان کی حالت میں نہیں ہوا بلکہ ایک ہنگامی حالت (ایمرجنسی) میں ہوا جبکہ سبائی باغی مرکز پر قابض اور ان کی جیرہ دستیوں سے اہل مدینہ نالاں تھے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس انتخاب میں سب مہاجرین تو کیا ان کی اکثریت بھی نہیں شریک تھی۔ تیسرے حضرات خلفاء ثلثہ کے زمانہ کے حالات بدل چکے تھے اور صرف مدینہ طیبہ یا حجاز ہی عالم اسلامی کا مرکز فکر نہ تھا بلکہ بہت سے مرکز بن چکے تھے۔ منجملہ ان کے دمشق اور شام بھی ایک اہم فکری مرکز تھا۔ اور وہاں کے قائدین کو بھی حق رائے دہی حاصل تھا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب

میں انہوں نے اپنا حق رائے دہی نہیں استعمال کیا۔ یہ ان کی کوتاہی نہ تھی بلکہ
حالات ہی ایسے تھے کہ وہ اپنا یہ حق استعمال نہ کر سکتے تھے اور نہ اس کا موقعہ
تھا کہ ان کی رائے کا انتظار کیا جاتا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس انتخاب میں خود باغیوں نے بھی رائے دی تھی اور
ان کی رائے کا وزن خاصا تھا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ بہت سے حضرات اکابر نے ان سے مشروط بیعت کی تھی
شرط یہ تھی کہ وہ قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یعنی سبائی پارٹی کی سرکوبی کریں
حضرت معاویہؓ نے اگرچہ بیعت نہیں کی مگر شرط مذکور کے بارے میں وہ مذکورہ
بالا اکابر ہی کے ہمخیال اور شرط پوری ہونے پر بیعت کے لیے تیار تھے۔

ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کی
خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن انکی خلافت
کی نوعیت ہنگامی (EMERGENCY) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم
اسلامی کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی
استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً و عقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات
پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا یعنی ہر شخص کو جو شرعاً حق رائے
دہی رکھتا تھا اپنے حق کو استعمال کرنے کا موقع دیا جاتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ
عنہ نے ان کی خلافت سے انکار نہیں فرمایا لیکن بجا طور پر اس کی نوعیت ہنگامی
خیال فرمائی اور اس بنا پر ان کا یہ مطالبہ تھا کہ استصواب رائے عامہ کیا جائے اس
سے قبل ان کے نزدیک خلافت مستحکم نہیں ہو سکتی تھی۔ اور نہ خلیفہ کو اس کا اختیار
حاصل تھا کہ وہ پرانے نظام میں کوئی ایسی تبدیلی کرے جو باغیوں کے لئے مفید اور
ان کی خواہش کے مطابق ہو۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ میں نے اور میرے رفقاء نے

اور صوبہ شام کے دوسرے اکابر نے جن میں صحابہ و تابعین دونوں قسم کے حضرات تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ووٹ نہیں دیا نہ ان سے بیعت کی اس لیے محض ہنگامی حالت میں خلیفہ منتخب ہو جانے سے انہیں اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجھے معزول کر دیں اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت از روئے دستور اس حد تک موجود ہے کہ میں ان کی نصرت کروں اور اس مفسد پارٹی اور مخالف اسلام یہودی تحریک کا قلع قمع کروں جن کی گردنوں پر ان کا خون ناحق ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ دستور اسلامی کی حفاظت جسے ان سبائیوں نے توڑا تھا میرے اوپر فرض ہے ان ٹھوس فقہی وجوہات کی بنا پر انھوں نے معزولی کے معاملہ میں حضرت علیؓ کی اطاعت سے انکار کر دیا اور حق یہ ہے کہ کوئی دلیل شرعی یا عقلی ایسی نہیں پیش کی جا سکتی جس کی بنا پر ان کے اس رویہ کو یقینی یا ظنی طور پر خطا کہا جا سکے۔ یہ دعویٰ کہ ان سے اس بارے میں خطا اجتہادی ہوئی تھی بالکل بے بنیاد اور دلیل سے تہی دست دعویٰ ہے جو علم کی عدالت میں ہرگز قابل سماعت نہیں۔ ومن ادعی فعلیہ البیان

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے اس بارے میں حضرت معاویہؓ کا موقف بالکل وہی ہے جو حضرات اصحاب جمل کا ہے اور وہ اپنے طرز عمل میں تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ اس وقت عالم اسلامی میں عام طور پر عزل عمال کے مسئلہ میں اختلاف تھا ایک جماعت حضرت علیؓ کی اطاعت بلا شرط کرنے کے لیے تیار تھی اور دوسری جماعت کی رائے یہ تھی کہ جب تک موصوف سبائی پارٹی کا استیصال نہ کر دیں اس وقت تک معزولی عمال کے بارے میں ان کے احکام واجب التعمیل نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت قیس بن سعد مصر پہنچے تو وہاں دو جماعتیں ہو گئیں ایک نے ان کی اطاعت کی اور دوسری نے اُس وقت تک اطاعت اور انکے منصب

کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جب تک قاتلین سیدنا عثمانؓ کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔[1]

بصرہ میں بھی حضرت عثمانؓ بن حنیف کے پہنچنے پر یہی اختلاف پیدا ہوا۔ کوفہ میں تو وہ جماعت جو حضرت علیؓ کے اس حق یعنی معزولی عمال کو تسلیم نہ کرتی تھی اور اسے قاتلین سیدنا عثمانؓ کے استیصال کے ساتھ مشروط کرتی تھی۔ اتنی قوی ہو گئی کہ وہاں سے حضرت علیؓ کے مقرر کردہ عامل عمارہؓ کو واپس آنا پڑا اور وہ وہاں کے عامل عثمانیؓ سے چارج نہ لے سکے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ منفرد نہ تھے بلکہ بکثرت مسلمانوں کی یہی رائے تھی کہ جن حالات میں حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہوئی تھی ان میں انہیں ازروئے دستور اس کا اختیار نہ تھا کہ وہ عمال عثمانیؓ کو معزول کر کے خود باغیوں کی مرضی کے مطابق دوسرے عمال کا تقرر فرمائیں اور اس بارے میں ان کا حکم نہ تسلیم کرنے کا اختیار آئینی طور پر مسلم عوام و عمال کو حاصل ہے۔ نیز اس جزئی نافرمانی کو بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔[2] دیکھیے جب محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر بصرہ پر حملہ کے لئے امداد طلب کرنے کو کوفہ گئے تو وہاں کے عثمانیؓ گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا:-

| | |
|---|---|
| واللہ ان بیعۃ عثمان لفی عنقی | خدا کی قسم بیشک حضرت عثمانؓ کی بیعت |
| وعنق صاحبکما فان لم یکن بد من قتال | میری گردن میں بھی ہے اور تمہارے صاحب |

---

[1] طبری جلد پنجم حوادث ۳۶ھ [2] آج دنیا کے بڑے حصہ میں حکومتوں کے قوانین پبلک توڑتی رہتی ہے اور ان کے خلاف احتجاج کرتی رہتی ہے۔ طلباء، مزدور، ملازمین حکومت وغیرہ کی طرف سے اس قسم کی سول نافرمانیاں حکومت کے احکام سے علی الاعلان سرتابیاں روزمرہ کا جزو بن گئی ہیں لیکن دنیا کے کسی ماہر دستور نے انہیں بغاوت نہیں کہا۔

فلا نقاتل احداً حتی نفرغ من قتلۃ عثمان حیث کانوا ومن کانوا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ہفتم تحت عنوان ابتداء واقعہ الجمل صفحہ ۲۳۵)

کی گردن میں بھی (مراد حضرت علیؓ) پس اگر جنگ سے چارہ نہ ہو سکا تو ہم اسوقت تک کسی سے قتال نہ کریں گے جب تک قاتلین عثمانؓ سے نہ فارغ ہو جائیں چاہے وہ جہاں ہوں اور جو بھی ہوں۔

بیعت سیدنا عثمانؓ باقی ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان کے منصب خلافت کی نصرت کی جائے اور جن لوگوں نے اُن کے خلاف بغاوت کی ہے۔ ان کی قوت کو توڑ دیا جائے۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قاتلین سیدنا عثمانؓ کی ایک تعداد ختم ہو چکی تھی اور ایک تعداد حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئی تھی لیکن سبائی تحریک جو ملت اسلامیہ کو تباہ اور نظام خلافت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے شروع ہوئی تھی بدستور موجود تھی۔ اور اس کے لئے جو بین الاقوامی سازش یہود کی رہنمائی اور سرپرستی میں کی گئی تھی اس میں ذرا بھی کمزوری نہ آئی تھی اس کا منافق لیڈر ابن سبا موجود تھا اس لئے وقاتلوا اللتی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ کا فریضہ اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس خطرناک سازش اور ناپاک تحریک کا بالکل خاتمہ نہ کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت عمرو بن العاص اور بہت سے دوسرے صحابہؓ کرام اور تابعین عظام کی رائے یہ تھی کہ اس سبائی پارٹی سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک کہ اس کا قلع قمع نہ ہو جائے۔ اور اس شجرۂ خبیثہ کو جڑ سے نہ اکھاڑ دیا جائے جو شخص تاریخ کا غائر نظر سے مطالعہ کریگا وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان کی رائے بالکل صحیح تھی اسی بنا پر وہ نظم سلطنت میں کسی ایسے تغیر کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے اس فتنہ کو کچلنے میں رکاوٹ پیدا ہو یا جو

باغیوں یعنی سبائی پارٹی کو تقویت پہنچائے اسی مسئلہ پر مصر میں حضرت علیؓ کی بیعت کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس پر مصر تھی کہ بیعت سے پہلے سبائی پارٹی کا استیصال ضروری ہے اہل بصرہ نے بھی اسی بنیاد پر بیعت سے انکار کر دیا تھا کوفہ میں بھی اس سوال پر دو پارٹیاں ہو گئیں تھیں[۱] گویا اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے رفقاء تنہا نہ تھے بلکہ مسلم ارباب فکر اور عوام کی ایک بہت بڑی جماعت بھی یہی نقطہ نظر رکھتی تھی جو صرف شام میں نہ تھی بلکہ دوسرے اسلامی ممالک یعنی مصر و عراق میں بھی پھیلی ہوئی تھی[۲]

---

۱ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم تذکرہ خلافت حضرت علیؓ

۲ یہاں اس دستوری نکتہ کی وضاحت لازم ہے جس کی طرف عام طور پر مؤرخین اور متاخرین فقہا و متکلمین کا ذہن نہیں گیا کہ ان سب حضرات کا بیعت سے انکار خلافت علویؓ تسلیم کرنے سے انکار کے مترادف نہیں تھا چند امور پیش نظر رہیں تو یہ بات روشن ہو جائے اول خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر اور کوفہ کے ان لوگوں کو باغی قرار نہیں دیا جنہوں نے بیعت سے انکار کیا تھا اور اس کے لئے سبائیوں کے استیصال کی شرط لگائی تھی۔ علیٰ ہذا بصرے کے لوگوں کو بھی آپ نے باغی نہیں سمجھا اور فوج کشی اس وقت کی جب ام المؤمنینؓ کا لشکر عازم بصرہ ہوا۔ دوم اگر یہ لوگ بشمول حضرت معاویہؓ خلافت علویؓ کے منکر تھے تو سبائیوں سے قتال کے مطالبے اور اس میں حضرت علیؓ کی اتباع و نصرت کے کیا معنی تھے؟ اور ان کی خلافت تسلیم کئے بغیر یہ صورت کس بنیاد پر اختیار کی جا سکتی تھی؟ اور یہ مطالبہ کس بنیاد پر تھا؟ سوم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء، نیز مصر، بصرہ اور کوفہ کے بیعت سے انکار کرنے والوں نے کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کی جس سے معلوم

(باقی صفحہ ۱۸۸ پر)

حضرت معاویہؓ کا یہ موقف تھا جس کی صحت میں شرعاً یا عقلاً کسی طرح کلام کی گنجائش نہیں علماء سلف ان کے موقف کو سمجھتے تھے لیکن بعد کے سطح بین متکلمین و مورخین نے ان کے اس موقف کو سمجھے بغیر اس اقدام کو ان کی خطاء اجتہادی سے تعبیر کر دیا اس کی شہرت اتنی ہوئی کہ بعض علماء محققین بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے اور اسے خطاء اجتہادی کہنے لگے حالانکہ کسی دلیل شرعی یا عقلی سے ان کی غلطی ثابت نہیں ہوتی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت معزول ہونے سے انکار کر کے انھوں نے امت پر احسان عظیم کیا۔ اگر وہ سبکدوشی اختیار کر لیتے تو

---

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) ہو تا کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہیں جہاں جہاں عمال علوی مقرر ہو گئے تھے وہاں کی پبلک نے ان کی اطاعت کی اور جن لوگوں نے بیعت سے انکار کیا تھا وہ بھی حضرت علیؓ کے مقرر کردہ گورنروں کے اطاعت کرتے رہے۔ حضرت معاویہؓ نے بھی صرف معزول ہونے سے انکار کر دیا اس کے علاوہ کسی بات میں بھی حضرت علیؓ کی مخالفت نہیں کی نہ خلافت کا دعویٰ کیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے لشکر کشی کی تو انھوں نے بھی مقابلہ کیا ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب افراد حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر نہیں تھے۔ سوال یہ ہے کہ پھر انھوں نے غیر مشروط بیعت سے کیوں انکار کیا؟ جواب یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو خلیفہ تو تسلیم کرتے تھے لیکن ان کی خلافت کو ہنگامی خلافت سمجھتے تھے۔ (جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں کی جا چکی) اور سبائی پارٹی کے استیصال سے پہلے انہیں مستقل خلیفہ بنانے کے لئے تیار نہ تھے ان کی رائے تھی کہ مفسدوں کا قلع قمع کئے بغیر ان کی خلافت مستحکم نہیں ہو سکتی نہ اس سے مکمل طور پر مقاصد خلافت حاصل ہو سکتے ہیں فتنہ پردازوں کا استیصال خلافت کی قوت کی ایک علامت ہوگی اگر خلافت قوی اور مستحکم نہ ہو تو سبائیوں کے اثر سے پاک نہ ہوگی بلکہ اس سے وابستگی کی وجہ سے اس ٹولی کو مزید

(باقی صفحہ ۱۸۹)

یقیناً شام کا صوبہ بھی سبائی ریشہ دوانیوں اور زہر چکانیوں کا شکار ہو جاتا اور پوری دنیائے اسلام ان منافقوں کی گرفت میں اسی طرح ہوتی جس طرح آج یورپ و امریکہ یہود کی گرفت میں ہیں اور خود حضرت علیؓ کی خلافت و حکومت بھی خطرہ میں پڑ جاتی۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف:

فقہی اعتبار سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ وہ ہنگامی حالت میں منتخب شدہ خلیفہ کے اختیارات و حقوق بھی وہی سمجھتے تھے جو مستقل خلیفہ کو حاصل ہیں۔ ان کے نزدیک اسے یہ حق بھی حاصل تھا کہ ماتحت حکام و عمال میں سے جسے چاہے معزول کر دے۔ ان کے نزدیک عزل و نصب کا یہ اختیار اسے نفس خلافت کی وجہ سے حاصل ہو جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کا انتخاب ہنگامی ہے یا مستقل۔ خلیفہ سابق کی پوزیشن پر اس کی پوزیشن کو بھی قیاس کرنا چاہیے اس کے علاوہ قرآن مجید میں اطاعت اولی الامر کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ وہ اولی الامر ہنگامی ہوں یا مستقل اور اطاعت بھی عام ہے جو عزل و نصب کے بارے میں اطاعت پر بھی مشتمل ہے[1] یہ دلیل بھی اپنی جگہ مستحکم ہے اور اس پر بھی کوئی اعتراض

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) قوت حاصل ہو جاتی۔ ان وجوہ کی بنیاد پر ابھی انہیں مستقل خلیفہ منتخب کرنا مناسب نہیں۔ اکثر فقہا کا یہ باریک نکتہ حضرات فقہا و متکلمین سلف کی نگاہ دقیقہ رس سے مخفی نہیں رہا یہی سبب ہے کہ انھوں نے فریقین کو حق پر تسلیم کیا اور کسی طرف خطا کی نسبت نہیں کی جیسا کہ آئندہ صفحات میں مناسب موقع پر آپ انشاء اللہ ملاحظہ فرمائیں گے مگر متاخرین اسے نہ سمجھ سکے جس کی وجہ سے اس مسئلہ میں ان سے لغزش ہوئی اس پر کسی مناسب جگہ انشاء اللہ روشنی ڈالی جائے گی منہ

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اولی الامر اور اطاعت دونوں میں

(باقی صفحہ ۱۹۰ پر)

نہیں ہو سکتا اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس کی بنا پر کہا جائے کہ حضرت علیؓ سے اس مسئلہ میں شرعی اعتبار سے خطاء اجتہادی سرزد ہوئی بلکہ قائل ہونا پڑے گا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح وہ بھی حق پر تھے۔ یہ تو ان کا شرعی موقف تھا۔ لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے اس اختیار کو جو انہیں اپنے خیال میں حاصل تھا حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں ——— کیوں استعمال کیا؟ اس کی ضرورت کیا تھی؟ اور اس میں اتنی عجلت کی کیا وجہ تھی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

"مورخین نے حضرت علیؓ کے حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے کا واقعہ کچھ ایسے انداز سے بیان کیا ہے جس سے پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ تدبر سے بالکل ہی کورے تھے۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے ان کو عقل کی بات بتائی تھی کہ معاویہؓ کو نہ چھیڑیں مگر انھوں نے اپنی نادانی سے یہ رائے نہ مانی اور حضرت معاویہؓ کو خواہ مخواہ بھڑ کا کر مصیبت مول لے لی حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود انہی مورخین کی لکھی ہوئی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؓ اگر حضرت معاویہؓ کی معزولی کا حکم صادر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۹) تخصیص کے قائل تھے۔ یہ ایسا ہی اختلاف ہے جیسے بہت سی آیتوں اور حدیثوں کی تشریح میں احناف و شوافع وغیرہ کے درمیان اختلاف ہے جس میں کسی فریق کو بھی یقینی طور پر خاطی نہیں کہا جا سکتا ورنہ ہر فریق کو حق پر ماننا پڑتا ہے۔

کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی ان کے اس
اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہؓ کس
مقام پر کھڑے ہیں زیادہ دیر تک ان کے موقف پر پردہ پڑا
رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا ۔ (صفحہ ۱۴۰، ۱۴۳)

مورخین سے ان کی مراد ابن کثیر و ابن اثیر ہوں گے مگر ان پر تو ان کا یہ الزام چسپاں نہیں ہوتا ان حضرات میں سے کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ معاذ اللہ حضرت علیؓ "تدبر سے بالکل ہی کورے تھے" نہ ان کے اسلوب بیان سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے ان کے بیان سے زیادہ سے زیادہ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس معاملہ میں ان سے ایک سیاسی غلطی سرزد ہوئی۔ کسی مدبر سے ایک دو سیاسی غلطیاں سرزد ہو جائیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ دو تدبر سے بالکل ہی کورے تھے"۔ یہ سخت الفاظ موصوف نے صرف بطور ایک نفسیاتی تدبیر یا مغالطہ دینے کے لئے استعمال کئے ہیں اور ان کی نسبت خواہ مخواہ مورخین کی طرف کر دی وہ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ "تدبر سے کورا" ہونے کی نسبت کوئی سُنی بھی حضرت علیؓ کی طرف گوارا نہ کرے گا۔ اور اسے سُنتے ہی اس کے دل میں ان کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوگا ایسی حالت میں وہ ان کی بیان کردہ توجیہہ معزولی کو بسہولت قبول کر لے گا۔ یہ خطابی طرز بیان مرثیہ خوانی کے لئے خواہ کتنا ہی مناسب کیوں نہ ہو علمی نہیں کہا جا سکتا اور کسی ایسی کتاب کے لئے قطعاً مناسب نہیں جس کے مصنف کو اس کے متعلق تحقیقی ہونے کا دعویٰ ہو۔

قاری کو مشتعل کرنے کے بعد انھوں نے ان کے زیر بحث اقدام کی توجیہہ فرمائی ہے۔ اس میں حُب علیؓ کے بجائے بغض معاویہؓ کار فرما نظر آتا ہے۔ تاریخ

کا ہر طالب علم اس سوال پر مجبور ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے میں تاخیر کی جاتی تو اس میں غلطی کیا ہوتی؟ وہ کیا خطرات تھے جو اس تاخیر سے پیش آجاتے؛ سوا جنگ کے خطرہ کے اور کون سا خطرہ درپیش ہو سکتا تھا؟ اور جنگ تعجیل کی وجہ سے ہوئی نہ کہ تاخیر کی وجہ سے نیز اس کی ابتدا بھی حضرت علیؓ کی جانب سے ہوئی

یہ بات تو مضحکہ خیزی کی حد تک عجیب اور اصطلاح منطق میں "دور" کی ایک مثال ہے کہ حضرت علیؓ کے اس اقدام سے حضرت معاویہؓ کا موقف واضح ہو گیا۔ شاید جناب مصنف کے حافظہ نے یہاں ان کا ساتھ چھوڑ دیا انہیں یاد نہیں رہا کہ یہ اقدام انہیں معزول کرنے ہی کا اقدام تھا۔ اسے سامنے رکھئے تو ان کی توجیہ کی یہ شکل ہوگی کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے سیدنا معاویہؓ کو اس غرض سے معزول کیا کہ ان کا موقف معلوم ہو جائے۔ جواب تک معلوم نہ تھا۔ اور چونکہ ان کا موقف معلوم تھا اس لئے معزول کر دیا۔ یہ متعارض اور متناقض مقدمات سے مرکب استدلال جس قدر لغو اور مہمل ہے اس کی وضاحت کی حاجت نہیں۔

بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جب معزولی کا حکم دینے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا۔ کہ "حضرت امیر معاویہؓ کس مقام پر کھڑے ہیں" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں اس سے پہلے ان کے موقف کا علم نہ تھا اور جب اس کا انہیں علم ہی نہ تھا تو یہ سوال بدستور باقی رہتا ہے کہ انہیں معزول کیوں کیا گیا؟ اور کوئی سمجھ رکھنے والا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ ان کا موقف معلوم ہونے کی وجہ سے انہیں معزول کیا گیا؟ کیا یہ دونوں متناقض اور متضاد باتیں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں کہ حضرت علیؓ کو ان کے موقف کا علم ہو بھی گیا تھا اور نہیں بھی ہوا تھا؟ کوئی باہوش ایسی لغویات کا قائل نہیں ہو سکتا مگر جناب مودودی صاحب کی شان تحقیق ملاحظہ ہو کہ وہ اجتماع نقیضین کے بھی قائل ہو گئے کیا کہنا:-

ج :- جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

سچ یہ ہے کہ عداوت صحابہؓ کے ساتھ سلامت فہم جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لغو بیانی اور مہمل نگاری کے علاوہ اُنھوں نے یہ بات بھی صاف نہ کی کہ اگر ان کے کہنے کے مطابق حضرت معاویہؓ کے موقف پر پردہ پڑا رہتا، تو اس سے خطرہ کیا تھا؟ اس کی وضاحت ان کے ذمہ تھی مگر اُنھوں نے قصداً اس سے پہلوتہی کی کیونکہ کوئی بات ان کے بنائے نہ بن سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ بظاہر واقعات کو دیکھنے کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہونچیگا کہ حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علیؓ کی شرعی نہیں بلکہ سیاسی غلطی تھی لیکن اس سے نہ ان کی دینی عظمت میں کوئی فرق آتا ہے نہ ان کے مدبر ہونے پر کوئی حرف۔ وہ معصوم نہ تھے اگر ان سے ایک سیاسی غلطی ہوگئی تو نہ یہ لائق تعجب ہے نہ کوئی عیب۔ تاہم یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس غلطی کا منشاء کیا تھا؟ اور یہ کیوں صادر ہوئی؟ ایک مدبر اور دانشور شخصیت سے اس قسم کی غلطی کا صادر ہونا ممکن تو ہے مگر بعید از قیاس یقیناً ہے اس وجہ سے یہ سوال غور طلب ہے کہ حضرت علیؓ کے ایسے مدبر و دانشمند نے یہ اقدام کیوں کیا؟ ؎

---

؎ صفحہ ۱۳۴ پر جناب مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

"حضرت علیؓ نے اس کے بعد شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کردی اس وقت ان کے لئے شام کو اطاعت پر مجبور کر دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا کیونکہ جزیرۃ العرب عراق اور مصر ان کے تابع فرمان تھے تنہا شام کا صوبہ ان کے مقابلے پر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکتا تھا" چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :- "لیکن عین وقت پر اُم المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین

( باقی صفحہ ۱۹۴ پر )

بات اس وقت اور بھی اہم ہوجاتی ہے جب یہ مسئلہ بھی سامنے آجاتا ہے کہ موصوف نے بعض صحابہ کرام کے اس مخلصانہ اور دانشمندانہ مشورے کو کیوں نہ قبول فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کو سردست چھیڑا ہی نہ جائے اور انہیں اپنی جگہ بدستور قائم رکھا جائے؟ انہوں نے اس وقت تک نہ خود خلافت کا دعویٰ کیا تھا نہ کسی دوسرے کو خلیفۃ المسلمین کے مقابلہ میں امیدوار خلافت بنایا تھا۔ ان کی روش سے بالکل عیاں تھا کہ اگر وہ اپنے منصب پر برقرار رکھے جاتے اور سبائیوں کی سزا کا کوئی انتظام کردیا جاتا تو وہ بے چون چرا حضرت علیؓ کا ساتھ دیتے۔ ان مفسدوں کی قوت کو توڑ دینا خود حضرت علیؓ کو بھی مطلوب تھا پھر کیا وجہ ہے کہ انھوں نے اس مشورے کو قبول نہ فرمایا اور انہیں معزول کرنے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۳) کے اس اقدام نے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں حالات کا نقشہ یکسر بدل دیا اور حضرت علیؓ کو شام کی طرف بڑھنے کے بجائے ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرے کا رخ کرنا پڑا۔"

اس عبارت سے ان کے دو مقصد ہیں۔ ایک تو یہ ظاہر کرنا کہ حضرت علیؓ نے جو حضرت معاویہؓ کی معزولی میں عجلت فرمائی اور ان کے خلاف لشکر کشی پر فوراً تیار ہوگئے اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت پوری اسلامی دنیا ان کے ساتھ تھی۔ اور صرف شام کو ان کے بارے میں اختلاف تھا۔ ایسی صورت میں اس پر قابو پانا آسان تھا لیکن گزشتہ صفحات میں ہم واضح کرچکے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ اس وقت بھی مصر و عراق میں خاصی تعداد ایسے لوگوں کی موجود تھی جو حضرت علیؓ کی پالیسی سے اختلاف رکھتے تھے۔ بلکہ ایسے افراد بھی بکثرت تھے جو خود ان کی خلافت ہی سے راضی نہ تھے اور انھوں نے بیعت ہی نہیں کی تھی۔ تاریخی روایات سے قطع نظر معمولی عقل بھی اتنی بات سمجھ سکتی ہے کہ اگر سب کے سب

(باقی صفحہ ۱۹۵ پر)

پر مصر ہے ؟

## حکم معزولی کا اصل سبب :-

اس سوال کا جواب اگر آپ طبری میں تلاش کریں تو آپ دیکھیں گے کہ اس تقیہ باز سبائی مورخ نے شیعوں اور کذابوں کی گھڑی ہوئی جھوٹی روایتوں کا ایک متعفن ڈھیر لگا کر قاری کے ذہن کو مسموم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اور اس پہ یہ نقش بٹھانا چاہا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے سخت متنفر تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ ہی سے ان سے ایسی عداوت رکھتے تھے کہ ان کا گورنر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴) ان سے متفق تھے تو ام المومنین اور ان کے متبعین کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں سے آگیا؟ اور ان کی دعوت پر لبیک کہنے والے کدھر سے آگئے؟ دوسرا مقصد یہ ہے کہ بہت چالاکی کے ساتھ ان سب مشکلات کا ذمہ دار اصحاب جمل ہی کو قرار دیا جائے جو شام کے بارے میں حضرت علیؓ کو پیش آئیں۔ ہم حضرات اصحاب جمل کا موقف واضح کر چکے ہیں اس کے بعد اس الزام کی غلطی آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں اگر جنگ جمل کا وقوع ہی نہ ہوتا تو حقیقت یہ ہے کہ ان مشکلات میں کمی کے بجائے زیادتی کا امکان زیادہ تھا۔ کیونکہ جو لوگ ام المومنینؓ کے لشکر میں شریک ہو کر لڑے تھے وہ سب حضرت معاویہؓ کے علم کے نیچے جمع ہو جاتے بلکہ امت کے شہید اعظم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے جو اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ اس سے دیکھتے ہوئے یہ اندیشہ بے جا نہیں ہے کہ مختلف مقامات پر مسلمان تلواریں کر نکل آتے جنگ متعدد محاذوں پر لڑنا پڑتی جس سے ان کی دقتوں میں اور اضافہ ہو جاتا۔ بات صحیح ہو یا نہ ہو جناب مودودی صاحب نے ام المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہم کے خلاف ایک الزام کا اضافہ کر کے اپنے دل کی بھڑاس تو نکال لی۔ منہ۔

رہنا انہیں کسی قیمت پر بھی گوارہ نہ تھا لیکن یہ شیعی مورخ اور اس کے شیعہ کذاب رواۃ یہ بتانے سے بالکل قاصر ہیں کہ اس نفرت و عداوت کا سبب کیا تھا؟ ان دونوں حضرات کے درمیان اس سے پہلے نہ کوئی لڑائی ہوئی تھی۔ نہ حضرت معاویہؓ میں کسی ایسے عیب کا پتہ چلتا ہے جسے اس نفرت کا سبب کہا جا سکے نہ ان کے فرائض منصبی میں کسی کوتاہی کا کوئی ثبوت ملتا ہے پھر آخر حضرت علیؓ ان سے اس قدر کیوں متنفر تھے؟ جناب مودودی صاحب نے بھی وہی سبائی طرز اختیار کیا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ کے ساتھ سخت بدگمانی اور ان سے سخت نفرت تھی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سربرآرائے خلافت ہوتے ہی انہیں معزول کرنا ضروری سمجھا لیکن سبب نفرت کے سوال نے انہیں بھی پریشان کر دیا جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے الٹی سیدھی ایک وجہ تراش کر بیان کر دی جس کی غلطی اور لغویت آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اس توجیہ سے انہوں نے اپنے مذہب شیعیت کی ایک خدمت تو انجام دے دی۔ لیکن یہ ان کی قسمت کہ وہ اس قدر لغو اور بدیہی البطلان ہے کہ ان کی یہ خدمت شیعیت کے لئے بالکل مفید نہ ہو سکی۔ تاہم اگر اس توجیہ کو صحیح بھی فرض کر لیا جائے

---

اور ان کا یہ بیان تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ کی طرف سے بغاوت کا یقین ہو گیا تھا تو بھی دانشمندی کا تقاضا یہی نظر آتا ہے کہ انہیں معزول نہ کیا جاتا۔ اس کے بجائے استمالت سے کام لے کر بغاوت کے خطرے کو کم از کم موخر ہی کر دیا جاتا۔ تاآنکہ خلافت میں استحکام پیدا ہو جاتا۔ انہیں معزول کرنا اس وقت نہ ضروری معلوم ہوتا ہے نہ قرین تدبر و مصلحت۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ سے کوئی عداوت تھی نہ نفرت۔ علیٰ ہذا حضرت معاویہؓ کو بھی ان سے کوئی عداوت یا نفرت نہ تھی۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کے فضل وکمال اور اخلاص کے معترف ومعترف تھے۔ باوجود اس کے حضرت علیؓ نے انھیں معزول کرنے میں جو عجلت کی اس کے دو سبب سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا سبب سبائیوں کے متعلق دونوں حضرات کی پالیسی کا اختلاف تھا۔ حضرت علیؓ بھی سبائی مفسدوں اور منافقوں سے متنفر تھے اور ان کے فتنہ کو مٹانے کے اسی قدر خواہش مند تھے جس قدر حضرت معاویہؓ اور حضرات اصحاب جمل۔ لیکن ان کے پیش نظر یہ چیز تھی کہ اگر اس فتنہ پرداز گروہ کو اس وقت تک تیرے کام سے کر ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ لوگ دنیائے اسلام میں دور دور تک فساد کی آگ لگا دیں گے وجہ یہ تھی کہ بکثرت قبائل دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور ان میں بکثرت ایسے تھے جو اس وقت تک دین سے پوری واقفیت نہ رکھتے تھے۔ ان کی قبائلی یا نسلی یا اور کسی جاہلی عصبیت کو ابھار کر انھیں جنگ وجدل اور فتنہ وفساد کے لئے آمادہ کر لینا ان مسلم نما یہود یعنی پیروان ابن سبا کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ جب حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے آں محترم سے قاتلین سیّدنا ذی النورین کو سزا دینے کے لئے زور دیا۔ تو آں محترم نے اس میں تاخیر کی یہی وجہ بیان فرمائی تھی۔ اسی مصلحت کے پیش نظر وہ سبائیوں کے ساتھ استمالت اور نرمی کا برتاؤ فرما رہے تھے۔

ان کی اس رائے کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ شرعًا بھی ان کا طرز عمل جائز تھا اور مصلحت مذکورہ بھی اپنی جگہ قابل لحاظ تھی یہ ان کا اجتہاد تھا اور اصولاً انھیں اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا چاہیئے تھا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ سبائی طرح طرح کی فریب کاریوں اور عیاریوں سے فساد انگیزی کی کوشش میں مصروف تھے اور ان پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ جلد از جلد حضرت

معاویہؓ بلکہ جملہ عمال عثمانیؓ کو معزول کر دیں اور ان کی جگہ دوسرے عمال مقرر فرمالیں لہ
ان کی سیاسی و انتظامی پالیسی پر یہ مفسد گروہ خاصی حد تک حاوی ہو چکا تھا اور

---

لہ حضرت علیؓ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے رشتہ داروں کو اعلیٰ مناصب حکومت پر مقرر
کیا تھا مثلاً حضرات عبید اللہ بن عباس (یمن) معبد بن عباس (مکہ) قثم بن عباس مدینہ، عبد اللہ بن
عباس (عراق) (رضی اللہ عنہم) جب مودودی صاحب سے کہا گیا کہ وہ حضرت عثمانؓ پر تو معترض ہوئے
مگر حضرت علیؓ پر یہ اعتراض کیوں نہ کیا؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے لکھا ہے۔
"حضرت علیؓ نے یہ کام ایسے حالات میں کیا تھا جب کہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے
اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل
ہو گیا اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے ان حالات
میں وہ انھیں لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں" ص۱۲۶ و ص۱۲۷)
لیکن وہ بھول گئے کہ وہ اپنی اسی کتاب کے ص۱۲۳ پر یہ غلط دعویٰ کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ کے
ساتھ صفین کے موقع پر آٹھ سو اصحاب بیعت رضوان شریک تھے پھر یہ حضرات کہاں چلے گئے تھے
جو ان محترم کو اپنے اعزا و اقارب کو مناصب دینے پڑے! یہ بات تو غلط ہے لیکن وہ تو اس کے
قائل ہیں۔ مندرجہ بالا عبارت میں گویا انھوں نے اپنے اس غلط قول کی خود ہی تردید کر دی۔ اس سے
قطع نظر یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ کیا اکابر صحابہؓ میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہ تھا؟ کیا حضرت
طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے اپنے خدمات نہیں پیش کئے تھے؟ پھر انہیں کیوں نہ قبول کیا گیا؟ حضرت
ابو موسیٰ اشعریؓ کو کیوں معزول کر دیا گیا؟ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حالات یہ تھے کہ صحابہؓ
کا ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا تیسرے
گروہ میں سے بھی لوگ آئے دن نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے گویا وہ بھی ناقابل اعتماد تھا۔
تو حضرت علیؓ کی خلافت کیسے صحیح رہی؟ اور یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ان محترم کو ارباب حل و عقد

(باقی صفحہ ۱۹۹ پر)

مسلمانوں کے درمیان فساد ڈلوا کر انہیں کمزور کرنا اس کی زندگی کا بہت اہم مقصد تھا
دوسری طرف حضرت معاویہؓ دیکھ رہے تھے کہ سبائی سازش کی جڑیں مضبوط اور
دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور یہ جماعت مفسدین انہیں پھیلانے اور مضبوط کرنے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸) کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی؟ پھر آں محترم کے خلیفہ رہنے سے فائدہ کیا تھا جبکہ اکثریت اور حالات مملکت ان کے قابو سے باہر تھے۔ اس موقع پر تو آں محترم کو خود ہی مستعفی ہو جانا چاہیے تھا؟ اگر یہ نہ کر سکتے تھے تو حضرت معاویہؓ کا مطالبہ استصواب رائے اور تجدید انتخاب منظور کر لینا چاہیئے تھا؟ حالات کی مندرجہ بالا تصویر کو دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہے کہ مندرجہ بالا مطالبہ جسے صحابہؓ و تابعینؒ کی بہت بڑی جماعت بلکہ نظر بر حالات مذکورہ بالا کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی، بالکل بجا اور درست تھا اور حضرت علیؓ کے لئے لازم تھا کہ اسے پورا کریں۔ علاوہ بریں جب صحابہؓ و تابعینؒ کی اکثریت یا تو تعاون سے گریزاں تھی یا مخالف یا آمادۂ مخالفت گویا خلیفہ سے ناراض تو ان کی حکومت اقلیتی گروہ کی حکومت کہی جائے گی مودودی صاحب فرمائیں کہ یہ ڈکٹیٹر شپ کہی جائے گی یا خلافت؟ کیا آئین اسلامی میں اسکی گنجائش ہے؟ اس سے قطع نظر کیا کسی جمہوری آئین میں بھی اسے جائز اور جمہوری حکومت کہا جاسکتا ہے؟ خصوصاً جب اقلیتی پارٹی میں بھی اکثریت سبائی روافض اور یہودیت زدہ گندوں یا سبائی فریب میں مبتلا لوگوں کی ہو؟ یہ سب لوازم ہیں مودودی صاحب کے مندرجہ بالا قول کے۔ آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ موصوف نے عہد علوی کی جو تصویر مندرجہ بالا سطور میں پیش کی ہے وہ درحقیقت شیعی تصویر ہے۔ انھوں نے رنگ ہلکا رکھا ہے تاکہ اہل سنت بھی فریب میں آجائیں کتب شیعہ میں اس کا رنگ ذرا گہرا اور شوخ ہے۔ مگر دین سے ناواقف اور سنی ذہن سے محروم سنیوں کو گمراہ اور صحابہ کرامؓ کی اکثریت سے بدگمان کرنے کے لئے مودودی صاحب کی کھینچی ہوئی مندرجہ بالا تصویر شوخ رنگ کی شیعی تصویر سے زیادہ کارآمد ہے (باقی صفحہ ۲۰۰ پر)

میں مصروف ہے ان کی رائے یہ تھی کہ شدت وقوت سے کام لے کر اس سازش کا جو ایک ناپاک تحریک بھی ہے جلد از جلد استیصال کر دیا جائے۔ اگر اس ناگن کا سر نہ کچلا گیا تو کچھ مدت کے بعد یہ اژدھا بن جائے گی اور اس کا زہر پھیل کر پورے عالم اسلامی کی فضا کو مسموم بنا دے گا۔ ان کی فراست ایمانی اور ان مفسدوں کے نفسیات سے ان کی واقفیت انھیں بتا رہی تھی کہ یہ صرف ایک سازش نہیں ہے بلکہ الحاد و زندقہ کی دعوت اور نہایت مکروہ قسم کی ایک مذہبی تحریک بھی ہے۔ جس کا مقصد دین اسلام کو العیاذ باللہ مٹانا ہے۔ ان وجوہ سے وہ سبائیوں کی سرکوبی میں تاخیر کو بالکل نامناسب اور خلاف مصلحت دینی وسیاسی سمجھتے تھے۔ بکثرت اکابر صحابہ مثلاً حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ وغیرہ کی بھی یہی رائے تھی۔

کوئی منصف مزاج ان کی اس رائے کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ ان کا یہ اجتہاد اصول شریعت کے مطابق تھا اور جو مصلحت ان کے پیش نظر تھی یعنی حفاظت دین وتحفظ نظام مسلمین اس کی خوبی اور اہمیت وعظمت میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ مجتہد ہونے کی حیثیت سے انھیں اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا چاہیئے تھا۔ اور یہی انھوں نے کیا۔ جب ان کے پاس فرمان معزولی پہونچا تو ان کے سامنے دو راستے تھے۔ پہلا یہ تھا کہ وہ تعمیل حکم کریں۔ اور ان سب مفاسد وخطرات کو گوارا کریں جو ان کے نزدیک

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹) حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ مناصب اپنے اعزا واقارب کو کسی مصلحت ہی سے دیئے ہوں گے۔ وہی یا اسی طرح کی کوئی دوسری مصلحت حضرت عثمانؓ کے پیش نظر بھی ہوگی۔ اگر حضرت علیؓ کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں تو حضرت عثمانؓ کا یہ کام بھی قابل اعتراض نہیں ایک پر اعتراض کرنا اور دوسرے پر نہ کرنا یقیناً ناانصافی وجانبداری اور بڑے درجے کی دھاندلی ہے

(منہ)

ان کے ہٹنے سے پیش آنے والے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر میں صوبہ شام سے ہٹا تو سبائی اس اسلامی ملک بلکہ ان سب ممالک پر چھا جائیں گے جو ان کے زیر انتظام ہیں۔ اور امت کے جسم کا یہ بدگوشت بڑھ کر اور زیادہ زہریلا ہو کر کینسر کی شکل اختیار کرے گا۔ حکم معزولی پر سر تسلیم خم کر دینا ان کے نزدیک سبائی افعیٰ کے لئے غذا و رامن مہیا کرنے کے مرادف تھا وہ خوب جانتے تھے کہ اگر ایسا کیا گیا تو اس کے سپنولئے پوری دُنیائے اسلام میں پھیل جائیں گے اور پوری زمین کو زہر آلود کر دیں گے۔ اُمت کے لئے ایک مستقل فتنہ اور دین کے لئے ایک مستقل خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ دین حق کی محبت اور اُمت مسلمہ پر شفقت نے اُنھیں مجبور کیا کہ وہ یہ راستہ نہ اختیار کریں۔

دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ ان ہولناک مفاسد کو روکنے اور تحفظ دین و ملت کے مصالح عظیمہ کے حصول کی خاطر حکم معزولی کی تعمیل سے انکار کر دیں اور اگر بزور شمشیر انھیں اس کی تعمیل پر مجبور کرنے کی کوشش کی جائے تو اپنا دفاع کریں انھوں نے یہی راستہ اختیار کیا۔ بلاشبہ وہ اس میں حق بجانب تھے۔ تقریباً چودہ سو برس کے تجربات شاہد ہیں کہ ان کے اندیشے بالکل صحیح تھے اور ان اندیشوں کو صحیح مان کر ان کی رائے کو غلط کہنا یقیناً ہٹ دھرمی ہے۔ حضرت علیؓ نے جو طریقہ اختیار فرمایا اس پر شرعاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا وہ یقیناً جائز تھا۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ نے جو طریقہ اختیار فرمایا اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں وہ بھی یقیناً جائز تھا۔

دونوں نے اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ دونوں کا مقصد اسلام اور اُمت کی بہی خواہی تھا۔ سبائی فتنہ کا استیصال بھی دونوں کے درمیان متفق علیہ تھا۔ فرق صرف طریق کار کا تھا۔ اس کے بارے میں اختلاف رائے تھا۔ دونوں میں سے کسی کی رائے کو بھی غلط نہیں کہا جا سکتا۔

دونوں حضرات کی رائے اپنی اپنی جگہ صحیح تھی اور ان کے درمیان صحیح و غلط

یا خطاء و صواب کا تقابل نہ تھا۔ لیکن اگر اس وقت سے لے کر موجودہ زمانہ تک کے واقعات اور شیعی کردار سے استفسار کریں تو ان کا متفقہ جواب یہ ہوگا کہ حضرت علیؓ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت معاویہؓ کی رائے اصح یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھی۔

## فریقین کی آویزش کے لئے
## سبائیہ کی ریشہ دوانیاں

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ دونوں حضرات کی پالیسی شرعاً و عقلاً اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح تھی اور دونوں میں سے کسی پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ دونوں میں سے کسی سے اس بارے میں نہ کوئی خطاء واقعی ہوئی اور نہ خطا اجتہادی جو حضرات اس مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کو خطاء اجتہادی کا مرتکب سمجھتے ہیں وہ خود خطاء اجتہادی میں مبتلا ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ یہاں ہمیں یہ مسئلہ واضح کرنا تھا کہ اگر صرف اس اختلاف کی وجہ سے حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو معزول فرمایا ہوتا اور اس کی وجہ سے حضرت معاویہؓ اس فرمان معزولی کی تعمیل سے انکار فرما دیتے تو یہ معاملہ اسی حد تک رہتا اور کسی جنگ و جدل کی نوبت نہ آتی اگر ایک تیسرے فریق کی ریشہ دوانیاں اور مفسدہ پردازیاں حالات کو بگاڑ کر اور فضا کو خراب کر کے وہ آتشگیر مادہ نہ جمع کر دیتیں جو معمولی سی گرمی سے بھڑک اٹھا اور امن و امان کی تباہی کا سبب بنا۔ یہ فریق سبائی گروہ تھا۔

جس کی بڑی تعداد حضرت علیؓ کے پاس موجود تھی۔ فریقین کے درمیان جنگ و جدل بپا کرنے میں ان کا جو کردار رہا ہے اس کی پردہ پوشی کی پوری کوشش مودودی صاحب نے کی۔ طبعاً انہیں اس گروہ سے ہمدردی ہے اس لئے انہوں نے باوجود ادعائے تحقیق اُن کے اس پارٹ کو بالکل نظر انداز کر دیا جو انہوں نے فریقین کے تعلقات بگاڑنے میں ادا کیا تھا حالانکہ تحقیق کا تقاضا یہ تھا کہ ان سب اسباب کو روشنی میں لایا جاتا جو جنگ صفین پر منتج ہوئے۔ دیانت اور دقیقہ رسی کے ساتھ اگر ان اسباب کی چھان بین کی جاتی تو سبائیوں کا کردار یقیناً بہت نمایاں طور پر سامنے آتا۔ یہی وہ "ان کہی" ہے! جسے "کہنے" سے مودودی صاحب نے گریز کیا۔ بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ سبائیوں کا مقصد حضرت علیؓ کی حمایت نہ تھا بلکہ ان کا حقیقی نصب العین مسلمانوں کے اجتماعی شیرازے کو پراگندہ کرنا اور اُن کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے دین اسلام کی بیخ کنی کرنا تھا۔ اس ناپاک تخریبی مقصد کے لئے وہ ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ جنگ جمل صرف انہیں کی فریب کاریوں کا نتیجہ تھی۔ اسی طرح اپنے ناپاک مقاصد کے پیش نظر اُنہوں نے حضرت معاویہؓ کے متعلق حضرت علیؓ کو بہت غلط اور اشتعال انگیز اطلاعات دیں اور مسلسل ایسی جھوٹی خبریں انہیں پہونچاتے رہے جن کی بنیاد پر اُنہیں یقین ہو گیا کہ گورنر شام ان کی خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے ہیں ایسی صورت میں جو عجلت اُنھوں نے کی وہ لائق تعجب نہیں اور وہ اس میں ایک حد تک معذور ہیں۔ بڑے سے بڑا مدبر فیصلہ کے لئے معلومات کا محتاج ہوتا ہے اور اُنہیں کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ واقعات کی تصویر اگر صحیح ہے تو فیصلہ صحیح ہوگا اور غلط ہے تو غلط ہو سکتا ہے۔ لشکر کشی کا فیصلہ بھی اسی وجہ سے ہوا کہ سبائیوں نے واقعات کی تصویر ہی ایسی پیش کی کہ لشکر کشی ضروری معلوم ہونے لگی۔ قلمی یہودیوں یعنی سبائیوں نے اس سلسلہ میں کیا کیا ریشہ دوانیاں اور

فریب کاریاں کیں جو جنگ صفین پر منتج ہوئیں۔ ان کا علم تاریخ کے سرسری مطالعہ
سے نہیں ہو سکتا بلکہ قدرے غور و تامل کی حاجت ہے۔

## پہلی تدبیر:

اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے اس واقعہ کو سامنے رکھنا ضروری ہے کہ
جس دور میں ہماری وہ تاریخ مدون کی گئی جو آج متداول اور مابعد کی سب کتب تاریخ
کا ماخذ ہے، اس میں بنو امیہ کا آفتاب اقبال غروب ہو چکا تھا اور عالم اسلامی کے بڑے
حصے کی سیاسی فضا ان کے لئے مسموم ہو چکی تھی۔ چونکہ سبائیوں نے ابتداً محض
بنو امیہ کا اقتدار زائل کرنے کے لئے عباسیوں کی امداد کی تھی۔ اس لئے اس موقعہ
پر انہوں نے اپنی پالیسی یہ بنائی کہ ایک طرف عباسی حکومت میں دخیل ہو کر اقتدار
میں حصہ لیا جائے۔ دوسری طرف بنو ہاشم میں نسلی عصبیت پیدا کی جائے جس کا بہترین
ذریعہ یہ تھا کہ بنو امیہ کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا جائے اور عام مسلمانوں خصوصاً
ہاشمیوں کو یہ باور کرا دیا جائے کہ بنو امیہ ان کے آبائی دشمن تھے اور ان کی دشمنی
کی بنیاد نسلی عصبیت تھی۔ اس پروپیگنڈے سے ان کے سامنے کئی مقاصد و فوائد
تھے۔ ایک مقصد خون بنی ہاشم کے ان دھبوں کو دھونا تھا جو ان کی آستینوں پر لگے ہوئے
تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو برتاؤ سبائیوں نے کیا یہاں تک کہ انہیں شہید کر کے
چھوڑا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر میدان کربلا کو ان کے اور ان کے خانوادے کے خون سے
لالہ زار بنایا یہ سب ہولناک جرائم وہ بنو امیہ کے زوال سے فائدہ اٹھا کر ان کے سر تھوپ
دینا چاہتے تھے تاکہ خود ان کے پردے میں چھپ کر عام مسلمانوں کی نظروں میں
سپید رو بنے رہیں اور اپنی خیانتوں کو مستور کرنے کے لئے نقاب تقیہ و نفاق کی بخیہ گری
کر سکیں۔ اگرچہ ان کا یہ پروپیگنڈا دور اموی میں بھی کسی حد تک کامیاب ہو چکا تھا تاہم
اس وقت تک ایسے افراد بکثرت موجود تھے جو حقیقت حال سے واقف تھے اور ان

کی غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کی تردید بھی کرتے رہتے تھے امویوں کے زوال کے بعد سبائی پروپیگنڈے کی رفتار تیز ہو گئی جو لوگ حقیقت حال سے واقف تھے وہ تردید کی جرأت نہ کر سکتے تھے اس لئے کہ سیاسی فضا امویوں کی موافقت میں ایک لفظ بھی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ حکومت خود یہ چاہتی تھی کہ بنو امیہ کو زیادہ سے زیادہ بدنام کیا جائے۔ موقع پرست و موقع شناس سبائیوں نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر اپنی پوزیشن صاف کرنے اور اپنے سب جرائم کو بنو امیہ کے سر تھوپنے کی پوری پوری کوشش کی۔ دوسرا مقصد امویوں سے انتقام لینا تھا جس کی وجہ یہ بھی کہ بنو امیہ کے عظیم الشان دینی خدمات میں سے اُن کی یہ خدمت عظیمہ نمایاں جگہ پانے کی مستحق ہے کہ انہوں نے سبائی فتنہ کو مٹانے کی جتنی کوشش کی اس میں وہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مفسد گروہ کو جس قدر عداوت ان حضرات سے ہے اتنی کسی سے بھی نہیں۔ ان کے زوال کے بعد انہیں اس کا خوب موقع ملا کہ ان کے خلاف جھوٹ افترا اور بہتان کے انبار لگا دیں۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ بنو عباس کے خلاف بھی تدریجاً فضا تیار کی جائے تاکہ اُن کی خلافت کو مستحکم نہ ہونے دیا جائے اور فسادات برپا کر کے اُسے بھی تباہی و بربادی تک پہونچا دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا تھا کہ بنو امیہ سے عداوت اور بنو ہاشم سے مودت کا خوب اظہار کیا جائے اور اس بات کا پروپیگنڈا کیا جائے کہ ان دونوں خاندانوں میں خاندانی عصبیت کی بنیاد پر ہمیشہ عداوت رہی ہے۔ اس نفسیاتی تدبیر سے ہاشمیوں میں بھی خاندانی عصبیت پیدا ہو گی۔ اور اس کے پیدا ہونے کے بعد اس کا رُخ عباسی خلافت کے خلاف بھی موڑ دینا آسان ہے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ سبائیوں نے عباسی دور میں متعدد بار ہاشمیوں کو اپنے فریب کا شکار بنا کر خلافت کے خلاف کھڑا کیا اور اس طرح مسلمانوں کے نظام اجتماعی کو پارہ پارہ

کرنے کی کوشش کی۔

محمد بن اسحاق۔ واقدی۔ ابو مخنف۔ سیف۔ ابن جریر طبری وانسالہم باوجود اختلاف زمانہ ایک ہی کشتی کے سوار اور ایک ہی دور کی پیداوار ہیں۔ یہ سب شیعی ذہنیت رکھنے والے اور سبائیت کے پختہ کار مبلغ تھے۔ انہوں نے پورا زور بیان وقلم اور اپنا پورا سبائی آرٹ مندرجہ بالا مقاصد کے پیش نظر یہ دکھلانے میں صرف کر دیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں ابتداء ہی سے سخت عداوت تھی۔ اور اول الذکر سراسر خطاکار تھے۔ اس کے ساتھ ان کے پیشرو سبائیوں نے اس سلسلہ میں جو میسر کاریاں کی ہیں ان کی پردہ پوشی کی بھی ان لوگوں نے پوری کوشش کی۔ اس کے لئے روایتیں گراھی گئیں اور واقعات کی ترتیب کو توڑا مروڑا گیا۔ طبری میں شہادت عثمانیؓ کے بیان ہی سے اس کی تمہید شروع کر دی گئی ہے اور ایسی موضوع من گھڑت روایات تمہید افسانہ بنائی گئی ہیں جو صاف طور پر سبائی کارخانہ کی ڈھلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان روایات کا ذکر کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شہادت عثمانیؓ سے پہلے ہی حضرت معاویہؓ کے دل میں تمنائے خلافت پیدا ہو چکی تھی۔ اور انہیں توی توقع تھی کہ حضرت عثمانؓ کے بعد تاج حکومت ان کے سر پر رکھا جائے گا۔ حالانکہ تاریخ کا ہر طالب علم اگر واقعی طالب علم ہے تو معمولی غور و فکر سے اسے افتراء پردازی اور بہتان طرازی کے سوا کچھ نہ سمجھے گا اس لئے کہ اگر یہ صحیح ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے شروع ہی سے خلافت کا دعویٰ کیوں نہ کیا؟

کتب تاریخ کا متفقہ بیان ہے کہ انہوں نے واقعہ تحکیم سے پہلے خود خلیفہ ہونے کا ادنیٰ رجحان بھی نہیں ظاہر فرمایا تھا[1] ان مورخین نے اپنے اس غلط اور دشمن

---

[1] یہ واقعہ مودودی صاحب نے بھی خلافت و ملوکیت ص ۱۴۲ پر تسلیم کیا ہے جو ہم صفحات سابقہ میں نقل کر چکے ہیں۔

دیانت رجحان کو آخر تک نباہا۔ یہی وجہ ہے کہ طبری میں واقعہ صفین اور اس کے متعلقات کے سلسلہ میں تناقض بیان اور بعض جگہ ابہام پیدا ہوگیا ہے۔ خصوصاً ان واقعات کی تفصیل بالکل نہیں ملتی جو حضرت معاویہؓ کو حکم معزولی بھیجنے سے پہلے پیش آئے ہوں گے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ کتاب اور اس کے کذاب رواۃ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتے کہ حضرت علیؓ کا رویہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں اتنا سخت کیوں ہوگیا تھا؟ پس منظر کے بلیک آؤٹ کی وجہ یہی ہے کہ یہ شیعہ مورخین تاریخ نگاری نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ اپنے مندرجہ بالا ناپاک مقاصد کے لئے تاریخ سازی کر کے حضرت معاویہؓ کو بدنام اور سبائیوں کے کرتوتوں کی پردہ پوشی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن باوجود اس تعصب و خیانت کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ایسے ان کے منہ سے نکل گئیں جن سے سبائیوں کے کردار پر روشنی پڑتی ہے [1] مگر مودودی صاحب

---

[1] سبائیوں یا خود ابن سبا کے خلاف طبری کی یہ روایتیں ملتی ہیں یا بعض شیعہ رواۃ سے منقول ہیں ان کے بیان کرنے کی یا تو وجہ یہ ہے کہ وہ اس قدر مشہور واقعات تھے جن کا چھپانا غیر ممکن تھا یا یہ کہ ان کا تقیہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ سبائیہ سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی جائے تاکہ مسلمانوں میں اعتماد بڑھے اور پروپیگنڈا موثر ہو۔ علاوہ بریں کوئی شیعہ آج بھی ابن سبا کی طرف اپنا انتساب پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح اس وقت بھی شیعہ اس کی طرف اپنی نسبت پسند نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اس کا منافق اور مفسد ہونا مشہور تھا بشیعہ مذہب اس وقت تک مدون بھی نہیں ہوا تھا بعض اصول و فروع جو موجودہ مذہب شیعہ کے عناصر ہیں اس وقت موجود نہ تھے۔ مثلاً عقیدہ امامت و وصایت کی تعلیم اگرچہ ابن سبا نے دی تھی مگر یہ عقیدے اس وقت اپنی موجودہ شکل میں عام طور پر شیعوں میں نہیں پائے جاتے تھے۔ وہی شیعہ یہ عقیدے ان کی موجودہ صورت میں رکھتے تھے جو بہت غالی تھے تاہم تھوڑے سے فرق کے ساتھ امامت کا باطل عقیدہ علیٰ ہذا حضرت علیؓ کی خلافت کے منصوص ہونے

( باقی صفحہ ۲۰۸ پر )

نے سبائی آرٹ میں اپنی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے ان متعصب شیعوں سے بھی قدم آگے بڑھا دیا۔ ملاحظہ ہو کہ انہوں نے سبائیوں کی پردہ پوشی کی کوشش کس طرح فرمائی ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"جنگ جمل (جمادی الاخری ۳۶ھ) سے فارغ ہو کر حضرت علی نے پھر شام کے معاملہ کی طرف توجہ کی اور حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو حضرت معاویہ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا جس میں ان کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ امت جس خلافت پر جمع ہو چکی ہے اس کی اطاعت قبول کرلیں اور جماعت سے الگ ہو کر تفرقہ نہ ڈالیں" ص ۱۲۴

(بحوالہ طبری ابن اثیر، البدایہ)

لیکن اس موقعہ پر سردار سبائیہ مالک اشتر نے کیا کہا تھا؟ اسے انھوں نے بالکل قلم انداز کر دیا پورا واقعہ مختصراً درج ذیل ہے ، حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس کسی شخص کو گفت وشنید کے لئے بھیجنا چاہا تاکہ معاملات صلح و آشتی کے ساتھ طے ہو جائیں اس موقعہ پر حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے اپنے خدمات پیش کئے اور یہ کہا کہ میرے حضرت معاویہؓ سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اس لئے توقع ہے کہ میں ان سے گفتگو کر کے معاملات کو بسہولت طے کرا دوں گا۔ حضرت علیؓ اس پر راضی ہو گئے۔ لیکن مالک اشتر سبائی نے سخت مخالفت کی، اور حضرت جریرؓ پر الزام لگایا کہ یہ ان سے ملے ہوئے ہیں۔ اور ان کے بجائے خود جانے کی پیش کش کی۔ اور جب حضرت جریرؓ وہاں سے واپس آئے تو اس نے نہایت غصے کا اظہار کیا اور کہا کہ میں اگر گیا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷) اور قرابت رسولؐ کے بنا پر استحقاق خلافت سے حاصل ہونے کے فاسد عقیدے طبری کے یہاں بھی موجود ہیں۔ امامت کا عقیدہ اس کے یہاں بعینہٖ اس صورت میں تو نہیں ملتا جس صورت میں آج کے اثنا عشریوں کے یہاں پایا جاتا ہے، مگر جس صورت میں ہے وہ بھی اعلیٰ اور مسلک اہلسنت کے خلاف ہے۔

ہوتا تو معاویہؓ کے ساتھ ایسا طرز اختیار کرتا کہ انہیں سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ اس کے ساتھ اس نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ حضرت جریرؓ کو قید کر دیں انھیں ان واقعات سے سخت ناگواری ہوئی اور وہ قرقیسا چلے گئے جہاں انہوں نے سب واقعات کی اطلاع حضرت معاویہؓ کو دی اور ان کے بلانے پر انہیں کے پاس چلے گئے۔[1]

اسی طرح جب حضرت معاویہؓ نے قبیصہ عبسی کو سفیر بنا کر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تو سبائی انہیں قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے حالانکہ ایلچی ہمیشہ مامون ہوا کرتے ہیں۔ اور انہیں تو خاص طور پر حضرت علیؓ نے امان دیدی تھی۔ اگر قبیلہ مضر کے لوگ انہیں بچا نہ لیتے تو سبائیوں نے انہیں قتل ہی کر ڈالا تھا۔ ان دونوں روایتوں سے بالکل عیاں ہے کہ سبائی پوری کوشش کر رہے تھے کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے تعلقات سدھرنے نہ پائیں اور ان دونوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔ گزشتہ صفحات میں بسلسلہ واقعات جمل بحوالہ تاریخ مذکور ہو چکا ہے کہ سبائیوں نے اس موقع پر کیسی فساد انگیزی کی تھی اور جنگ صرف ان کی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ تھی ورنہ فریقین میں سے کوئی بھی جنگ پر آمادہ نہ تھا۔ لیکن اس پارٹی کی پالیسی ہی یہ تھی کہ مسلمانوں کے آپس میں خونریزی ہوتی رہے اور اس طرح یہ لوگ سیاسی فوائد حاصل کریں۔ اسی طرح یہ بھی مذکور ہو چکا ہے کہ یہ گروہ صحابہ کرام کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے کے لئے برابر کوشاں رہتا تھا۔ بطور نمونہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ پیش کیا جا چکا ہے کہ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بدگمان کرنے کے لئے انہوں نے کس طرح غلط اور جھوٹی اطلاع دی اور عین وقت پر حضرت ام کلثوم بنت حضرت علیؓ ان کی صفائی پیش نہ کرتیں تو ان

---

[1] طبری حوادث ۳۶ھ ج ۵

[2] حوالہ الانیز البدایہ والنہایہ ج ہفتم واقعہ صفین۔

لوگوں نے حضرت علیؓ کو ان کی طرف سے بدگمان کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ حضرت معاویہؓ کے متعلق اس مفسد گروہ کی یہ پالیسی تبدیل ہوگئی ہو۔ ان کی پوری کوشش یہی تھی۔ کہ ان دونوں حضرات کے درمیان مصالحت نہ ہوسکے اور دونوں کے تعلقات روز بروز بگڑتے چلے جائیں تاآنکہ دونوں جانب سے تلوار نکل آئے۔ اپنے اس ناپاک مقصد کے پیش نظر ان مفسدوں نے حضرت علیؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کے مسئلہ کو بہت بھیانک شکل میں پیش کیا۔ غلط اطلاعات دیں۔ افترا پردازی اور بہتان طرازی سے کام لیا۔ اور وہ سب جتن کیے جو جنگ جمل برپا کرانے کے لئے انہوں نے کئے تھے۔

سبائیت کی بنیاد ہی صحابہ کرام سے عداوت اور اسلام کی دشمنی پر رکھی گئی تھی۔ ان کا مقصد وحید مسلمانوں کی قوت وطاقت کو منتشر کرنا۔ اس سے سیاسی قوت حاصل کرنا اور اپنے ضلال کو پھیلانا تھا ان کی تخریبی ذہنیت نہ حضرت علیؓ سے ہمدردی رکھتی تھی نہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وغیرہ سے حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی ہمدردی محض نمائشی تھی۔ جو صرف خود غرضی پر مبنی ڈپلومیسی کے لقب کی مستحق ہے۔ مگر حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کی عداوت ودشمنی میں مخصوص حالات نے بہت اضافہ کر دیا تھا۔ ہر منصف مزاج اعتراف کرے گا کہ عمال عثمانیؓ میں کامیاب ترین گورنر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اس قدیم یہودی سازش کو جو سبائیت کی جدید صورت میں نمایاں ہوئی تھی خوب سمجھ لیا تھا۔ اور اپنے زیر ولایت ممالک یعنی شام وغیرہ میں اس کے قدم کسی طرح نہ جمنے دیئے۔ ابن سبا کے ایسے گیا دا ور فریب کار لیڈر کی دال بھی انہوں نے نہ گلنے دی۔ اور بالآخر اسے شام سے بے نیل مرام خائب وخاسر ہوکر بھاگنا پڑا۔ اپنے تدبر اخلاص، عدل وانصاف اور حسن اخلاق کی وجہ سے وہ اپنی رعایا میں اس قدر مقبول اور محبوب تھے کہ ان کے خلاف کوئی سازش کامیاب

نہ ہوسکتی تھی۔ ادھر سبائیوں کو شام میں قدم جمانے کی سخت فکر تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ شام کی سرحد رومی سلطنت سے ملی ہوئی تھی۔ اور یہ لوگ وہاں بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سلطنت روما سے ساز باز بہت آسانی کے ساتھ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ سمندر کو بھی اپنی گندی تخریب کے لئے استعمال کر کے دوسرے اسلامی ممالک تک فتنہ فساد کو پہونچا سکتے تھے۔ ممکن ہے کہ ان کے پلان کا ایک حصہ یہ بھی ہو کہ قبرص وغیرہ جزائر میں پہونچکر عیسائیوں کی امداد سے اپنی ایک سلطنت قائم کرلیں جو مسلمانوں کے لئے مستقل دردسر بن جائے اور وہاں قوت جمع کر کے مناسب موقع پر بقیہ دُنیائے اسلام پر قبضہ جمانے کی فکر کی جائے۔ جب یہ مفسد ٹولی حضرت معاویہؓ کی عظیم شخصیت کی طرف دیکھتی تھی تو ان کے ناپاک ارمانوں پر اوس پڑ جاتی تھی۔ کیونکہ وہ ان کے لئے سنگ راہ بنے ہوئے تھے۔ اور ان سے یہ کسی طرح پیش نہیں پاتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنی پوری روباہی صلاحیتیں اس کوشش میں صرف کردیں کہ حضرت معاویہؓ ان کی راہ سے ہٹ جائیں۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ موصوف معزول کر دیئے جائیں اور ان کی جگہ کوئی ایسا گورنر مقرر ہو جائے جو ان کی طرح ہماری راہ میں حائل نہ ہو سکے۔ اور شام میں بھی ہم اپنا مرکز بنالیں۔

سفارت مذکورہ کے بیان میں جناب مودودی صاحب نے پہلی مورخانہ خیانت تو یہ کی کہ سبائیوں کے کردار کو بالکل قلم انداز کر دیا جس کی تفصیل آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ دوسری خیانت یہ کی کہ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے جواب کا بالکل تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ یہ بات بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ طبری میں مذکور ہے۔ مگر انہیں تو کسی نہ کسی طرح حضرت معاویہؓ کو متہم کرنا تھا اس لئے روایت کا ایک حصہ طبری سے لیکر اس کا پیوند استیعاب کی ایک مہمل اور سراپا کذب و دروغ روایت میں لگا دیا۔

لکھتے ہیں :-

"حضرت جریر بن عبداللہ نے دمشق میں شام کے با اثر لوگوں سے
ملاقاتیں کرکے ان کو یقین دلایا کہ خون عثمانؓ کی ذمہ داری سے حضرت علیؓ
کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ کو اس سے تشویش لاحق ہوئی
اور انھوں نے ایک صاحب کو اس کام پر مامور کیا کہ کچھ گواہ ایسے تیار کریں
جو اہل شام کے سامنے یہ شہادت دے دیں کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ
کے قتل کے ذمہ دار ہیں چنانچہ وہ صاحب پانچ گواہ تیار کرکے لے آئے
اور انھوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت علیؓ نے حضرت
عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ (ص ۱۳۵ بحوالہ استیعاب ج ۲ ص ۵۸۹)

چند سطروں کے بعد ہم واضح کریں گے کہ یہ روایت سراپا کذب و دروغ اور خالص جھوٹ اور بہتان ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب نے بغض معاویہؓ سے مغلوب ہو کر نقل روایت میں کیا کارروائیاں کی ہیں۔

پہلی کارروائی تو انھوں نے یہ کی کہ ان کے بقول جن صاحب کو گواہ تیار کرنے پر مامور کیا گیا تھا نہ ان کا نام لکھا نہ گواہوں کا نام۔ روایت میں حضرت شرحبیل بن السمط رضی اللہ عنہ کو جو صحابی ہیں گواہ ساز دکھایا گیا ہے۔ اور گواہوں میں حضرات یزید بن اسدؓ، بسر بن ارطاۃؓ اور حابس بن سعد الطائیؓ بالاتفاق صحابی ہیں۔ چوتھے حضرت ابو الاعورؓ السلمی کی صحابیت مختلف فیہ ہے۔ گویا گواہ ساز بھی صحابی اور پانچ جھوٹے گواہوں میں سے تین یا چار صحابی۔ یہ بات کسی سنی کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ اصحاب رسول اس قدر گھٹیا اور قابل نفرت کردار کا اظہار کریں۔ اس لئے جناب مصنف نے ان سب حضرات کا نام حذف کر دیا تاکہ قاری بلا تامل اس زہریلے جھوٹ کو حلق کے نیچے اتار لے۔ اور حیرت و استعجاب اس بہتان کی راہ میں حائل نہ ہو۔ دوسری کارروائی روایت میں تحریف معنوی کی صورت میں فرمائی۔ استیعاب

کی اصل روایت ملاحظہ ہو:-

| | |
|---|---|
| قیل لمعاویۃ ان جریراً قد ردبصائر اھل الشام فی ان علیاً قد قتل عثمان رضی اللہ عنہ ولابد لک من رجل یناقضہ فی ذلک | حضرت معاویہؓ سے کہا گیا کہ حضرت جریرؓ نے شام کے صاحب بصیرت لوگوں کی یہ رائے رد کر دی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے۔ تو آپ کسی ایسے شخص کو مقرر کریں جو ان سے (حضرت جریرؓ سے) اس بارے میں بحث و اختلاف کرے۔ |

مؤلف نے پہلی تحریف یہ کی "یناقضہ" کا مطلب شہادت دینا بیان کیا روایت سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مشورہ حضرت جریرؓ کے ساتھ بحث کرنے کے لئے کسی ایک شخص کے تقرر کا دیا گیا تھا۔ انھوں نے اسے گواہ تیار کرنے سے تعبیر کر کے حضرت معاویہؓ کی طرف منسوب کیا۔ حالانکہ روایت بتاتی ہے کہ انھیں مشورہ دیا گیا تھا۔ خود انھوں نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔

تیسری کارروائی یہ کی کہ "فشھدو عندہ" کا مطلب "لوگوں کے سامنے شہادت دی" بیان کیا حالانکہ عربی کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ "ہ" ضمیر واحد ہے فقرے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے حضرت جریرؓ کے سامنے شہادت دی۔ واحد کی ضمیر کا مرجع جمع کر دینا کھلی ہوئی تحریف معنوی ہے انھوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ مندرجہ بالا فقرے کے بعد ایک سطر کے بعد مذکور ہے۔ فلقی جریراً فناظرہ یعنی حضرت شرحبیلؓ نے حضرت جریرؓ سے ملاقات کر کے ان سے مناظرہ کیا اس سے بالکل روشن ہو جاتا ہے کہ یناقضہ کے معنی مباحثہ کے ہیں اور گواہیاں بھی انھیں کے سامنے پیش کی گئیں مگر ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے انھوں نے روایت کو اپنے خود ساختہ معنی پہنانے کی کوشش کی۔ ان کارروائیوں سے دیانت کے گلے پر چھری پھر گئی تو ان کی بلا سے۔

حضرت معاویہؓ اور بعض دوسرے صحابہ کو برا کہہ کر انھوں نے اپنا جی تو ٹھنڈا کر لیا۔ بلکہ غالباً ان چالاکیوں کو "حکمت عملی" کے باب میں داخل فرما کر خلعت استحباب سے نوازا گیا ہو گا۔ باوجود اس کے جناب معترض اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے ناواقف اور جاہل تو اس سے دھوکہ کھا سکتے ہیں مگر باخبر اور فہیم مسلمان اس فریب اور مغالطہ سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہو سکتا۔

اب خود اس روایت پر نظر کیجیے۔ اس کی لغویت اسی بات سے ظاہر ہے کہ بے سند ہے، حافظ ابن عبدالبر پانچویں صدی ہجری کے آدمی ہیں اپنی پیدائش سے کئی صدی پیشتر کا یہ واقعہ انھوں نے کس طرح دیکھ لیا؟ جبکہ استیعاب کے سوا کسی تاریخ کی کتاب میں اس کا نشان نہیں ملتا۔ استیعاب کی حیثیت پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں اور واضح کر چکے ہیں کہ یہ کتاب کسی طرح قابل اعتماد نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل دلائل سے بھی روز روشن کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ یہ روایت کسی رافضی کی وضع کی ہوئی بالکل جعلی اور جھوٹی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ از روئے روایت مذکورہ جھوٹے گواہ تیار کرنے کی خدمت پر حضرت شرجیل بن السمط رضی اللہ عنہ کو مامور کیا گیا تھا جو صحابی ہیں۔ شہادت دینے والوں میں حضرات یزید بن اسد، بسر بن ارطاۃ اور حابس بن سعد الطائی بالاتفاق صحابی ہیں چوتھے ابوالاعور سلمی ہیں جن کی صحابیت میں اختلاف ہے کیا کسی مومن کی عقل باور کر سکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ایسی ناپاک حرکت کر سکتے ہیں؟ خصوصاً بیک وقت اتنے اصحاب رسول کا جھوٹی گواہی دینے اور تیار کرنے پر اجتماع ہو جانا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ مودودی صاحب نے یہ چالاکی کی کہ ان حضرات کے نام نہیں ذکر کیے۔

دوسری۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی بطور سفیر گئے تھے۔ انھیں حضرت معاویہؓ نے

یہ اجازت کیسے دیدی کہ وہ حضرت علیؓ کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کریں؟ بالفرض انھوں نے آداب سفارت سے تجاوز کرکے یہ کام شروع بھی کیا تھا تو وہ انھیں حکما منع کرسکتے تھے۔ ملاقاتوں کے بارے میں ان پر پابندی عائد کرسکتے تھے انھیں جھوٹے گواہ تیار کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی؟

ثالثاً: حضرت معاویہؓ کو اس ناروا کارروائی کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ان کا مطالبہ تو یہ تھا کہ قاتلین خلیفہ برحق سے حضرت علیؓ قصاص لیں یا انہیں ہمارے حوالے کردیں اس مطالبہ پر پورا صوبہ شام بلکہ اس وقت کی دنیائے اسلام کا خاصا بڑا حصہ ان کا ہمنوا اور متفق تھا بلکہ خود اہل شام نے ان سے اس مطالبہ کا مطالبہ کیا تھا۔ انھیں کیا ضرورت تھی کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کا قاتل ثابت کرنے کی کوشش کرتے؟

ان کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ خلیفہ کا انتخاب دوبارہ ہو کیونکہ حضرت علیؓ کا جو انتخاب ہوا تھا وہ اول تو ہنگامی تھا دوسرے آزادانہ انتخاب نہ تھا تیسرے حق رائے دہی رکھنے والے بکثرت بلکہ اکثر افراد اس میں اپنے حق سے محروم رہے۔ اور ان کی رائے کے بغیر انتخاب ہوگیا یہ مطالبہ بھی تنہا ان کا نہ تھا بلکہ ممالک اسلامیہ کے بہت بڑے حصے کا مطالبہ تھا جس کی نمائندگی وہ کررہے تھے یہی نہیں بلکہ جو ممالک خود حضرت علیؓ کے قبضہ میں تھے ان میں بھی خاصی تعداد ایسے افراد کی تھی جو اس مطالبے میں اصولاً حضرت معاویہؓ سے متفق تھے۔ اگرچہ عملاً ان کے ساتھ نہ تھے مثلاً اہل خربتا" یہاں تک کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی اس اصولی بات کے قائل اور نفس اصول میں حضرت معاویہ رضی اللہ سے متفق تھے۔ ثبوت کے لئے طبری جلد چہارم حوادث ۳۶ھ ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں مذکور ہے کہ جب حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ چلے گئے اور حضرت علیؓ کو اس سے تشویش ہوئی اس وقت حضرت حسنؓ نے ان سے منجملہ دوسری باتوں کے ایک بات یہ کہی:۔

| | |
|---|---|
| ثم امر تك يوم قتل الا تبايع | پھر جس دن حضرت عثمانؓ قتل کیے گئے |
| حتی یاتیك وفود اهل | اس دن میں نے آپ سے کہا کہ آپ اس وقت |
| الامصار والعرب وبيعة | تک بیعت نہ لیں جب تک دوسرے لوگ اور عرب |
| كل مصر | کے وفود نہ آجائیں اور ہر شہر کے لوگ آپ سے |
| | بیعت نہ کرلیں۔ |

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ بھی اصولاً خلافت کے مستقل انعقاد کے لئے پورے عالم اسلامی کے ارباب حل عقد کی رائے دہی اور تائید کو ضروری سمجھتے تھے۔ ان حالات میں حضرت معاویہؓ کو اپنے اس مطالبہ کی تقویت کے لئے حضرت علیؓ کو سیدنا حضرت عثمانؓ کا قاتل کہنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

چہارم۔ حضرت جریرؓ یہ سب دیکھنے کے باوجود کچھ دن کے بعد حضرت معاویہؓ کے طرفدار ہو گئے۔ اگر یہ واقعہ ہوتا اور وہ گواہوں کو جھوٹا سمجھتے تو ایسے شخص کا ساتھ کیوں دیتے؟ اگر سب کچھ جان بوجھ کر انھوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ چھوڑا تو یہ ان کی سیرت پر بہت بدنما داغ ہے۔ پھر وہی بات آجاتی ہے کہ ایک صحابیٔ رسولؐ نے ایسی ذلیل حرکت کیسے کی؟ یقیناً کوئی سُنّی اُسے باور نہ کرے گا۔

پنجم۔ جن لوگوں نے حضرت جریرؓ کے سامنے یہ جھوٹی شہادت دی ان سے انھوں نے یہ کیوں نہ پوچھا کہ تم لوگ تو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت وہاں موجود ہی نہ تھے پھر تمہیں اس کا علم کس ذریعے سے ہو گیا کہ ان کی شہادت میں حضرت علیؓ کا ہاتھ ہے؟ حالانکہ یہ سوال فطرۃً ایسے موقع پر پیدا ہوتا ہے۔ روایت میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت جھوٹی اور سبائیوں کی وضع کی ہوئی ہے۔

ششم۔ یہ کہ اول روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کارروائی کا مقصد لیصائر

اہل شام کے خیالات کو تبدیل کرنا تھا۔ مگر "پیتا فصدا" اور "قشہد وعند ۃ" سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد خود حضرت جریرؓ کی رائے پر اثر ڈالنا تھا۔ یہ اختلاف واضطراب معنوی روایت کی لغویت اور اس کے جعلی ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔ "اہل شام" کے سامنے شہادت دینے کا مضمون مودودی صاحب کا اختراع کیا ہوا ہے۔ روایت میں اس کا کہیں پتہ نہیں، ان دلائل وقرائن سے واضح ہو جاتا ہے کہ استیعاب کی یہ روایت کسی سبائی کی وضع کی ہوئی بالکل جعلی اور جھوٹی ہے۔ اسے روایت کے بجائے چنڈو خانہ کی گپ اور بازاری افواہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس کے بعد دوسری روایت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

> "جب وہ (حضرت جریرؓ بن عبداللہ حضرت معاویہؓ کے پاس پہونچے تو انہوں نے جواب دینے میں تاخیر کی اور انہیں منتظر رکھا۔ اور حضرت عمروؓ بن العاص سے مشورہ کیا انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ شام کے معزز لوگوں کو بلا بھیجیں اور حضرت علیؓ کو خون سیدنا عثمانؓ کا ذمہ دار قرار دیں اور اس کی بنیاد پر ان سے جنگ کریں۔ اور اسی کے مطابق انہوں نے عمل کیا۔" (طبری جلد پنجم حوادث ۳۶ھ زیر عنوان توجیہ علیؓ جریر بن عبداللہ البجلی الی معاویہ)

اس سے قطع نظر کہ ابن جریر خود شیعہ ہے۔ اس روایت کی انحصار عوانہ پر ہوتی ہے جن کی وفات ۱۵۸ھ میں ہوئی۔ اور وہ ان واقعات کے وقت موجود نہ تھے انہوں نے یہ روایت کس سے سنی ؟ اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے یعنی یہ روایت منقطع ہے اس لئے ساقط عن الاعتبار ہے تاہم جھوٹے گواہ تیار کرنے کا تذکرہ اس میں بھی نہیں۔ اس میں عمرو بن العاصؓ کا مشورہ اور اس کے مطابق حضرت معاویہؓ کے عمل کا تذکرہ سفید جھوٹ

اور کسی سبائی کا تصنیف کردہ ہے "عوانہ" کے سامنے واقعہ بیان کرنے والا کوئی سبائی ہوگا جس نے اتنا ٹکڑا اپنی طرف سے ملا دیا۔ اس کے انقطاع سے قطع نظر یہ دوسری روایت کے بالکل خلاف ہے جو باعتبار سند کے اس سے زیادہ قوی ہے ملاحظہ ہو علامہ ابن کثیرؒ بحوالہ علامہ ابن عساکرؒ مشہور محدث امام شعبی کی مندرجہ ذیل روایت نقل فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی کو حضرت معاویہؓ کے پاس اپنا خط دیکر بھیجا۔ (اس کے بعد خط نقل کیا گیا ہے جس کا ماحصل دعوت بیعت ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جب ان کے پاس خط پہونچا تو) حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ جواب کے لئے اتنا انتظار کیجئے کہ میں اہل شام کی رائے معلوم کرلوں۔ اس کے بعد انہوں نے اجتماع و جلسہ عام کا اعلان فرمایا۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو انہوں نے ایک تقریر فرمائی۔ (اس کے بعد ان کا پورا خطبہ ذکر کیا ہے جس کے آخر میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا تذکرہ کرکے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| وقد علمتم انه قتل مظلوماً وانا احب ان تعلمونی ذات انفسکم فی قتل عثمانؓ۔ | یعنی تم جانتے ہو کہ وہ مظلوم قتل کئے گئے اور میری خواہش یہ ہے کہ ان کے قتل کے بارے میں تم اپنی رائے سے آگاہ کرو۔ |

اس کے بعد مذکور ہے:۔

| | |
|---|---|
| فقال اهل الشام با جمعهم بل نطلب بدمه | اس پر اہل شام نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم خون عثمانؓ کا قصاص لینا چاہتے ہیں۔ |

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۷ تا ص ۱۲۸ ترجمہ حضرت سیدنا امیر معاویہؓ)

یہ روایت ابن عساکر کی ہے جن کے مقابلہ میں ثقاہت اور علم و فضل کے اعتبار سے ابن جریر طبری کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ خود شام کے قائدین و مفکرین جو عوام کے نمائندے تھے۔ سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں اور سبائی

سازشں کے پرزوں کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے۔ یہ شام کی متفقہ آواز تھی۔ تنہا حضرت معاویہؓ کی رائے نہ تھی[۱]۔ دوسری بات جو اس سے بالکل صاف ہوجاتی ہے یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ یا اہل شام یا حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ کو امت کے شہید اعظم کے قتل کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ ان کے غیظ وغضب کا رُخ صرف قاتلین سیدنا عثمانؓ کی جانب تھا لیکن مودودی صاحب کی آنکھوں میں بغض معاویہؓ کا دھواں ایسا لگا کہ یہ روایت ان کی نظر سے مخفی ہوگئی۔ اور شیعی طبری کی موضوعہ من گھڑت اور منقطع روایت کا بھی اتنا ہی حصہ نظر آیا جو ان دونوں بزرگوں کے خلاف پڑتا ہے۔ سبائیوں کے لیڈر مالک اشتر کا مفسدانہ طرز عمل اس میں بھی نہ دکھائی دیا۔ علامہ ابن کثیر کی مندرجہ ذیل واضح عبارت بھی ان کی نظر سے اوجھل ہوگئی۔

---

[۱] ابن عساکر کی منقولہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ شام کی پبلک کی یہ وفاداری اور جاں نثاری دیکھ کر حضرت جریرؓ بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ اگر حضرت علیؓ مجھے شام اور مصر دونوں کا گورنر بنانا منظور کرلیں اور یہ بھی منظور کرلیں کہ اُن کے بعد کسی کی بیعت میرے اوپر واجب نہ ہوگی تو میں ان سے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ خلافت کی کوئی خواہش نہ رکھتے تھے بلکہ سبائی فتنہ سے اسلام کو بچانے کے لئے شام کی گورنری پر قائم رہنا چاہتے تھے۔ مصر کا اضافہ اُنہوں نے کیوں کیا؟ اس کی وجہ بھی حالات پر غور کرنے سے بالکل روشن ہوجاتی ہے۔ تاریخ سے ظاہر ہے کہ مصر اس وقت سبائیوں کا مرکز بن گیا تھا وہ اس پر والی بن کر وہاں اس فتنہ کا استیصال کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ مصر و شام کے اتصال کی وجہ سے وہاں بیٹھ کر سبائی شام میں بھی ریشہ دوانیاں کرتے تھے۔ اس کے انسداد کے لئے بھی وہاں کی ولایت مفید تھی۔ ان کی فراست ایمانی اور دوربین نگاہ اس اندیشہ کو محسوس کررہی تھی کہ سبائی کسی دن حضرت علیؓ کے ساتھ بھی وہی کرنا نہ کریں جو حضرت عثمانؓ کے ساتھ کرچکے ہیں۔ اور اُن کے بعد معلوم نہیں کون خلیفہ ہو اور کس طرح ہو؟ اس لئے وہ اپنا حق رائے دہی

(باقی صفحہ ۲۲۰ پر)

تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت جریرؓ نے حضرت علیؓ کا خط حضرت معاویہؓ کو دیا تو :-

| | |
|---|---|
| "فطلب معاویۃؓ عمرو بن العاصؓ | حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص اور |
| ورؤس اهل الشام فاستشارهم | شام کے لیڈروں کو بلایا اور ان سے مشورہ |
| فابوا ان یبایعوا حتی یقتل قتلة | کیا ان سب نے کہا کہ ہم اس وقت تک حضرت |
| عثمان بن عفان رضی الله عنه | علیؓ کی بیعت پر تیار نہیں ہیں جب تک حضرت |
| فرجع جریر الی علیؓ فاخبره | عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص نہ لیا جائے۔ اس |
| بما قالوا۔" (البدایہ والنہایہ ج ہفتم فصل | پر حضرت جریرؓ واپس آگئے اور حضرت علیؓ کو ان |
| فی وقعۃ صفین ص ۲۰۲) | کی رائے سے مطلع کر دیا۔ |

اس روایت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ سے بیعت کرنے کو سبائیوں کی سرکوبی کے ساتھ مشروط کرنا اور حضرت معاویہؓ کو گورنری کے منصب پر باقی رکھنا اہل شام کا متفقہ فیصلہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے بھی یہ فیصلہ ان کے فیصلہ کے بعد کیا اور ان کا عزم بھی جمہور اہل شام کے مطالبہ سے مصمم ہوا تھا۔ ہاں تو میں ان تدبیروں کا تذکرہ کر رہا تھا جو سبائی پارٹی فریقین کے درمیان خلیج افتراق وسیع سے وسیع تر کرنے ــــــ اور خونریزی کرانے کے لئے کر رہی تھی۔ ان میں سے ایک تدبیر تو وہی تھی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو شخص فریقین کے درمیان صلح وصفائی کی کوشش کرتا تھا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) محفوظ رکھنا چاہتے تھے تاکہ ایسے موقع پر انہیں بیعت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔ اور حسب موقع مناسب رویہ اختیار کر سکیں۔ اس کے علاوہ ان کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ کے انتخاب میں جملہ اسلامی ممالک کو حق رائے دہی حاصل ہے خصوصاً صحابہ کو اس حق کو بھی وہ محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔

اسے یہ لوگ بیچ سے ہٹانے، بددل کرنے، اور حضرت علیؓ کو اس سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت جریرؓ کا واقعہ اس کا شاہد ہے۔ اس موقع پر ان کی روانگی سے پہلے اور واپسی کے بعد مالک اشتر نے جو گفتگو ان سے اور حضرت علیؓ سے کی جو ہم نقل کر چکے ہیں وہ صاف بتا رہی ہے کہ اس کا مقصد حضرت علیؓ کو مشتعل کرنا اور حضرت معاویہؓ کی مصالحت پسندی سے انہیں مایوس کرنا تھا علی ہذا حضرت قبیصہ کے قتل پر آمادگی کا مقصد حضرت معاویہؓ کو اشتعال دلانا اور انہیں حضرت علیؓ کی صلح پسندی سے مایوس کرنا تھا حضرت علیؓ کی مصالحت پسندی کے باوجود ان مذکرات کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا چنانچہ البدایہ والنہایہ میں جو روایت بحوالہ ابن عساکر ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اسی کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت جریرؓ کے سامنے دو شرطوں کے ساتھ بیعت پر آمادگی ظاہر کی۔ ایک تو یہ کہ انہیں شام و مصر دونوں جگہ کی گورنری دیجائے۔ دوسری شرط یہ تھی۔ کہ اس بیعت سے یہ پابندی ان پر عائد نہ ہوگی کہ حضرت علیؓ کے بعد جو خلیفہ مقرر ہو محض اس بیعت کی وجہ سے اسکی بیعت بھی لازم ہو جائے یعنی وہ اپنا حق رائے دہی اور آزادی رائے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ جب یہ پیام صلح حضرت جریرؓ نے حضرت علیؓ کو پہونچایا تو انھوں نے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| "هذه خديعة وقد سألني المغيرة بن شعبة ان اولي معاوية الشام وانا بالمدينة فابيت ذالك ثم كتب الى جرير بالقدوم اليه" | یہ فریب ہے اور جب میں مدینہ میں تھا تو مجھے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے مشورہ دیا تھا کہ میں حضرت معاویہؓ کو شام کی ولایت پر قائم رکھوں تو میں نے منظور نہیں کیا اس کے بعد (حضرت علیؓ نے) حضرت جریرؓ کو واپس آنے کا حکم بھیجدیا۔ |
| (البدایہ والنہایہ ج ۸ ترجمہ حضرت معاویہؓ ص ۱۲۵) | |

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ اس صلح جوئی کو فریب ہی سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ تاریخ کسی ایسے واقعہ کی نشاندہی نہیں کرتی۔ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو کوئی دھوکہ دیا تھا۔ بغیر کسی دلیل شرعی کے سوء

ظن کرنا حضرت علیؓ کی شان سے بہت فروتر چیز ہے۔ انہوں نے تو تا بہ امکان خوارج کے ساتھ بھی حسن ظن قائم رکھا۔ وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ بغیر کسی بنیاد کے بدگمانی کیسے کر سکتے تھے؟ اس سے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی بنیاد سبائیوں کی گھڑی ہوئی غلط خبریں تھیں جو وہ لوگ بہت پُر فریب انداز میں انہیں پہونچاتے ہوں گے حضرت جریرؓ کا مندرجہ بالا واقعہ ان کی مفسدہ پردازی اور افتراق انگیزی کا ایک نمونہ ہے۔ ان کے سامنے مالک اشتر نے جب اتنا زہر اُگلا تھا تو ان کے جانے کے بعد خصوصاً جبکہ اُن کی واپسی میں تاخیر ہوئی۔ اُس نے معلوم نہیں کیا کیا ان کے خلاف حضرت علیؓ سے لگایا ہوگا اور ان کے معاونین کے کس کس طرح کان بھرے ہوں گے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی جانب سے اس قدر بدگمان ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جریرؓ سے بھی بدگمان ہو گئے۔ کیونکہ وہ واپسی کی تھوڑی ہی مدت کے بعد وہ قرقیسیا اور وہاں سے حضرت سیدنا امیر معاویہؓ کے پاس چلے گئے۔

## دوسری تدبیر

سبائیوں نے فریقین کے درمیان تفرقہ اندازی اور جنگ کرانے کے لیے دوسری تدبیر ایسی کی جس کا انکشاف بہت سے حضرات کو غرق حیرت کر دے گا۔ اور جس میں سبائی آرٹ کا کمال نظر آئے گا سطور ذیل اس کی نقاب کشائی کریں گی۔ اہلسنت کے نزدیک یہ بات مسلم بلکہ عقیدہ ہے کہ امت کے شہید اعظم سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے خون ناحق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقدس دامن بالکل پاک ہے۔ انہیں بھی اس حادثہ فاجعہ سے اتنا ہی قلق اور رنج ہوا جتنا دوسرے صحابہ کرام کو جنگ جمل کے موقعہ پر جب ام المومنین علیہا السلام اور اُن کے اہل لشکر نے قاتلان سیدنا عثمانؓ پر لعنت کی تو انھوں نے بھی ان مجرموں پر لعنت کی ان کی بھڑکائی ہوئی آتش فتنہ کو وہ بھی بجھا دینا چاہتے تھے۔ لیکن اس بارے میں ان کی رائے اور پالیسی ان سے اختلاف رکھنے والے

حضرات صحابہؓ سے مختلف تھی۔ مقصد میں اختلاف نہ تھا۔ تدبیر کی نوعیت میں اختلاف تھا۔ جس کی تفصیل ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ ان کے ساتھ محبت و عقیدت کے دعوے کے ساتھ ان پر اس خون ناحق کا الزام لگانا بظاہر بالکل بعید از قیاس ہے۔ لیکن آپ کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ ان سبائیوں نے اس کی پوری کوشش کی کہ اس خون کی چھینٹیں ان کے مقدس دامن پر بھی ڈال دی جائیں۔ ان کا یہ کید اس قدر باریک اور مخفی ہے کہ عام طور پر مورخین اہل حق کی نظر سے بھی اوجھل رہا۔ اور وہ اس قسم کی روایتیں نقل کرنے کے باوجود جن سے ان کے اس کید خفی پر روشنی پڑتی ہے ان سے صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر رہے۔

واقعہ یہ تھا کہ ملت اسلامیہ اس حادثہ فاجعہ کو فراموش کرنے کے لیے کسی طرح تیار نہ تھی۔ اور اس مفسد گروہ کے خلاف غیظ و غضب سے اس کا قلب لبریز تھا۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے انہیں پناہ دیدی تھی مگر خود وہ اور اُن کے صالح رفقاء صحابہ و تابعین سب اس گروہ سے نفرت کرتے تھے۔ ان لوگوں کے لئے سوا اسکے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ خود حضرت علیؓ کو اس جرم عظیم میں معاذ اللہ ملوث مشہور کرکے اپنی پوزیشن کو مستحکم بنالیں۔ اس تدبیر سے ان کے پیش نظر مندرجہ ذیل مقاصد تھے۔

الف :- جو لوگ حضرت علیؓ پر اعتماد رکھتے ہیں۔ وہ یہ خیال کریں گے کہ واقعی حضرت عثمانؓ معاذ اللہ اسی قابل تھے کہ انہیں قتل کردیا جائے۔ اس طرح سبائیوں کے خلاف ان کی آتش غیظ و غضب سرد پڑجائے گی۔

ب :- جو لوگ سبائیوں کو پناہ دینے کی وجہ سے حضرت علیؓ کے مخالف ہیں ان کی آتش غیظ و غضب میں مزید اشتعال پیدا ہوگا اور وہ اُن کے اور زیادہ مخالف ہوجائیں گے اس طرح مخالفت کا رُخ سبائیوں کی طرف سے پھر کر حضرت علیؓ کی طرف ہوجائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ اس گمراہ جماعت کی حمایت پر مجبور ہوجائیں

گئے۔ ان لوگوں نے بھانپ لیا تھا کہ انہوں نے انہیں پناہ تو دیدی ہے مگر وہ ان سے خوش نہیں ہیں۔ اور زیادہ مدت تک ان کی حفاظت نہ کریں گے۔ اس لئے انہوں نے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہا جس سے وہ ان کی پشت پناہی پر مجبور ہوں۔ اس مقصد میں سبائی کہاں تک کامیاب ہوئے؟ اس سے یہاں بحث نہیں کہنا صرف یہ ہے کہ ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا۔

ج:- سبائیوں کا تیسرا مقصد اور شاید سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء زیر اثر اسلامی خطہ حضرت علیؓ کے خلاف مشتعل ہو جائیں۔ ادھر خود انہیں اور ان کے رفقاء اور ان کے زیر اثر عام مسلمانوں کو غلط خبروں سے خوب اشتعال دلایا جائے تاکہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان جنگ اور خونریزی ہو کر رہے اور کسی کی مصالحت کوشی کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ ناپاک مقاصد تھے جنہیں سامنے رکھ کر سبائیوں نے سلیقہ کے ساتھ یہ کوشش کی کہ شہادت سیدنا عثمانؓ میں حضرت علیؓ کی شرکت ثابت ہو جائے۔ اس مفسد گروہ کی اس کوشش کو دیکھنے کے لئے مندرجہ ذیل روایت ملاحظہ ہو جو ہم صفحات ماسبق میں نقل کر چکے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ و حضرت عمارؓ اور سردار سبائیہ مالک اشتر کو اصحاب جمل کے مقابلہ کے لئے امداد طلب کرنے کے لئے بھیجا اور وہاں جاکر ان سب نے عوام کے سامنے تقریریں کیں جن میں انہیں خلیفۃ المسلمین کی اعانت کے لئے ابھارا تو مالک اشتر نے بھی ایک طویل تقریر کی جس میں سیدنا عثمانؓ کی شان میں بے ادبی کی اور انھیں برا بھلا کہا۔ اس پر عوام اہل کوفہ برہم ہو گئے اور اسے تقریر سے روک دیا گیا۔ مالک اشتر سیدنا حسنؓ کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذمت کرکے عوام میں یہ بات مشہور کرنا چاہتا تھا کہ حضرت موصوف اور ان کے والد محترم بھی خلیفہ مظلوم کے سخت مخالف تھے۔ جس کے معنی یہ ہیں

کہ وہ بھی ان کے قتل میں شریک تھے یا کم ازکم انہوں نے اسے ناپسند نہیں کیا۔ طبری کی اسی روایت میں چند سطروں کے بعد مذکور ہے کہ اس وفد کے پاس ایک شخص مسروق بن الاجدع آئے اور انہوں نے حضرت عمارؓ بن یاسر کو مخاطب کرکے پوچھا کہ تم لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو کس وجہ سے قتل کر دیا؟ ایسا ہی سوال حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بھی ان سے کیا۔ یہ تو معلوم ہے کہ حضرت عمارؓ اس جرم سے بالکل بری ہیں اور ان پر قتل عثمانؓ سے خوش ہونے یا اسمیں شریک ہونے کا الزام سبائیوں کا افترا اور بہتان ہے۔ لیکن اس روایت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کوفہ میں شہرت یہ تھی کہ خود حضرت علیؓ اس جرم میں معاذاللہ شریک ہیں۔ یہ شہرت یقیناً سبائیہ کے پروپیگنڈے کی وجہ سے ہوئی اس لئے کہ اس وقت تک حضرت معاویہؓ کی طرف سے کوئی شخص کوفہ نہیں پہونچا تھا۔ ام المومنینؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کی طرف سے جو دعوت اعانت کوفہ پہونچی اس میں کہیں بھی اس جُرم کو کسی صحابی کی جانب نہیں منسوب کیا گیا ہے۔ تاریخ کے صفحات ملاحظہ ہوں اس میں صرف صرف اتنا تذکرہ ملے گا کہ ان حضرات نے انہیں سبائیوں کے خلاف ابھارا ہے۔ اس کے علاوہ طبری میں مذکور ہے جو خود مودودی صاحب نے بھی نقل کیا ہے کہ جب حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی کو حضرت علیؓ نے شام بھیجا۔ اس وقت حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کے مشورے سے حضرت علیؓ پر خون عثمانؓ کی تہمت لگائی

---

لہ گذشتہ صفحات میں ہم ثابت کرچکے ہیں کہ یہ روایت موضوع اور سبائیوں کی گھڑی ہوئی ہے لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت سے پہلے حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو خون عثمانؓ کا ذمہ دار قرار نہیں دیا تھا۔ اتنی بات سبائیہ اور دشمنان معاویہؓ کو بھی تسلیم ہے اور ہمارا مقصد یہاں اتنا ہی ثابت کرنا ہے۔

اس سے پہلے انہوں نے یہ بات نہیں کہی تھی۔ زیر بحث واقعہ حضرت جریرؓ کی سفارت سے بہت پہلے کا ہے۔ کیونکہ وہ جنگ جمل کے اختتام کے بعد پہنچ گئے تھے اور یہ واقعہ جنگ جمل سے پہلے کا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اہل کوفہ میں یہ غلط اور جھوٹی بات خود سبائیوں ہی کی مشہور کی ہوئی تھی یہ کوئی جدید انکشاف نہیں ہے۔ جس کی تحقیق میں میں منفرد ہوں بلکہ قدیم علماء اہلسنت کو بھی اس کی خبر تھی۔ چنانچہ مشہور و ممتاز عالم دین علامہ محمد بن احمد سفارینی الاثری الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:۔

"وکان فی جہال الفریقین من یظن بالامامین علی وعثمان رضی اللہ عنہما ظنونا کاذبۃ منہم من یزعم ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر بقتل عثمان رضی اللہ عنہ وکان علیؓ یحلف وھو البار الصادق بلا یمین انہ لم یقتلہ ولا رضی بقتلہ ولم یمالئ علی قتلہ قال شیخ الاسلام وھذا معلوم بلا ریب من علی رضوان اللہ علیہ فکان اناس من محبیہ ومبغضیہ یشیعون ذلک فمحبوہ یقصدون الطعن علی عثمانؓ وانہ کان یستحق القتل وان علیا امر بقتلہ ومبغضوہ

فریقین کے بعض جاہل افراد حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کے متعلق خلاف واقعہ بدگمانیاں رکھتے تھے ان میں سے بعض کہتے تھے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کروایا ہے حالانکہ حضرت علیؓ جو بغیر قسم کے بھی ہمیشہ سچی بات فرماتے تھے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ انہوں نے نہ انہیں قتل کیا اور نہ ان کے قتل پر راضی ہیں اور نہ کسی کو ان کے قتل کی ترغیب دی شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ بات بلا شبہ حضرت علیؓ کے متعلق معلوم ہے (یعنی یہ کہ وہ قتل عثمانؓ سے بری ہیں) تاہم حضرت علیؓ کے محبین اور ان کے مخالفین دونوں نے اس (الزام قتل) کی اشاعت کی ان کے محبین کا مقصد اس سے حضرت عثمانؓ پر طعن کرنا تھا اور ان کے

یقصدون الطعن علی علیؓ ؎۱" مخالفین کا مقصد حضرت علیؓ پر طعن کرنا تھا۔

اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کے قتل کا الزام لگانے والے ان کے مخالفین میں حضرت معاویہؓ یا ان کے رفقاء صحابہ و تابعین نہیں تھے بلکہ بعض جاہل تھے۔ دوسری بات جس کا اظہار خاص طور پر ہمیں مقصود ہے یہ معلوم ہوئی کہ ان کی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کا ایک گروہ بھی ان کے مقدس دامن کو خون عثمانؓ سے داغدار ظاہر کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ یہ وہی جاہل گروہ تھا جو حضرت عثمانؓ کا مخالف تھا۔ ظاہر ہے کہ سبائیوں کے سوا اور کون لوگ اس سے مراد ہو سکتے ہیں، جاہل بھی یہی تھے اور حضرت عثمانؓ کے مخالف بھی یہی تھے جو مخلص حضرات حضرت علیؓ کے ساتھ تھے ان میں سے کوئی بھی حضرت عثمانؓ سے بغض نہ رکھتا تھا۔ ۳۷ھ میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اور مصالحت کی توقع میں عارضی التوا رکے جنگ کا معاہدہ ہو گیا تھا تو حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس ایک وفد مصالحت کی گفتگو کے لئے بھیجا۔ اس وفد میں حضرت عدی بن حاتمؓ اور دیگر ارکان کے علاوہ ایک شخص شبث بن ربعی بھی تھا۔ یہ شخص سبائیوں کا ایک لیڈر اور سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں میں سے تھا دوران گفتگو جب حضرت معاویہؓ نے قاتلین شہید اعظمؓ کی سپردگی کی شرط پیش کی تو اس نے کہا "کیا اے معاویہؓ تم اس پر خوش ہو گے کہ اگر عمارؓ پر قابو پا جاؤ تو انھیں (قصاص عثمانؓ میں) قتل کر دو گے"؟

حضرت عمارؓ کا مخصوص طور پر وہاں کوئی تذکرہ نہ تھا پھر اس جملے کے کیا معنی۔؟

---

؎۱ لوائح الانوار البہیہ وسواطع الاسرار الاثریہ شرح الدرۃ المضیۃ فی عقیدۃ الفرقۃ المرضیہ المعروف بہ عقیدہ سفارینی ج ۲ ص ۳۲۶ بحث خلافت علیؓ و قتل عثمانؓ

یہ بات بھی روشن ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ اُن کے قریبی اور مخلصانہ تعلقات کے پیشِ نظر اُنھیں اس جُرم میں ملوث سمجھنے کے بعد کوئی شخص حضرت علیؓ کو اس سے بَری نہیں سمجھ سکتا۔ اس سبائی لیڈر کا مقصد یہی تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ دونوں کے متعلق یہ بدگمانی پیدا کرے کہ دو سیدنا عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے۔

یہ تاریخی شہادتیں اس واقعہ کو واضح کر رہی ہیں کہ سبائی اپنے ان ناپاک مقاصد کے لئے جن کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، بہت ہوشیاری اور مکاری کے ساتھ یہ مشہور کر رہے تھے کہ معاذ اللہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حضرت علیؓ کا بھی ہاتھ تھا اور جو کچھ ہوا ان کی رائے اور مرضی سے ہوا۔ لیکن انھیں اس کا خطرہ بھی تھا کہ جب ان کی اس بہتان طرازی اور دروغ بافی کا علم موصوف اور اُن کے مخلص رفقاء کو ہوگا تو وہ یقیناً ان سے سخت ناراض ہوں گے اس وقت تک وہ اُنھیں ناراض کرنا خلاف مصلحت سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی یہودی فطرت نے اپنی پُرانی ٹیکنک سے کام لیا یعنی حضرت معاویہؓ اور اُن کے رفقاء پر الزام لگا دیا کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کا قاتل کہتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ بات کی شہرت بھی ہو جائے اور ہماری طرف اس کی نسبت بھی نہ ہو۔ اگر اہل شام کو حضرت علیؓ کے بارے میں یہ بدگمانی پیدا ہوئی تو وہ بھی درحقیقت سبائیوں ہی کی وجہ سے ہوئی۔

یہ تو ان سبائیوں کی ڈپلومیسی تھی جو حضرت علیؓ کی فوج میں موجود تھے یا بظاہر ان کے مؤید اور معتقد تھے۔ یہی جماعت ایک مدت کے بعد شیعہ اور خارجی کے نام سے دو فرقوں کی شکل میں نمودار ہوئی۔ ان میں سے شیعوں نے اپنے بانیان مذہب کی پیروی کی۔ مگر حالات زمانہ کا لحاظ رکھا۔ جیسا موقع دیکھا ویسی بات کی سچائی اور اظہار حقیقت سے ان لوگوں کو کیا واسطہ؟

ابن اسحاق، واقدی، سیف، ابومخنف اور ان جیسے شیعوں نے کبھی نقاب

تقیہ ڈال کر اور کبھی سنیت کا غازہ لگا کر ایسی روایتیں وضع کر کے بیان کیں۔
جن سے ان کے پیشرو سبائیوں کے مندرجہ بالا پروپگینڈے کو تقویت پہونچتی ہے
ابن جریر طبری نے ابن سبا کی گردن پر یہ احسانِ عظیم کیا کہ اس قسم کی جھوٹی اور
سراپا دروغ جعلی روایتوں کو یکجا کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ ان میں اپنی طرف سے بھی نمک
مرچ ملا کر اور جھوٹ میں مزید جھوٹ کی آمیزش کر کے انھیں مشہور مثل "ایک تو کڑوا
کریلا دوسرے نیم چڑھا" کا مصداق بنا دیا۔ اپنے استادوں کی طرح یہ فریب کاری کی کہ
کہیں کہیں ابن سبا اور سبائیوں کی مذمت بھی کر دی اور حضرت علیؓ کی زبان مبارک
سے اس الزام سے ان کی براءت بھی نقل کر دی خیال فرمایئے کہ اس دام ہمرنگ زمین سے
محفوظ رہنا کتنا مشکل ہو گیا۔ بطور نمونہ تاریخ طبری حوادث ۳۷ھ کے ذیل میں زیر
عنوان " ذکر ما کان فیھا من الاحداث وموادعة الحرب بین علیؓ ومعاویہؓ"
یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے پاس گفتگوئے صلح کے لئے
ایک وفد بھیجا۔ جس میں حضرت شرحبیلؓ ابن السمط بھی تھے۔ انھوں نے دوران گفتگو
کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ مظلوم شہید ہوئے۔ اس کے جواب میں
حضرت علیؓ فرماتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| فقال لھما لا اقول انہ قتل | حضرت علی نے ان دونوں ارکان وفد سے فرمایا |
| مظلوماً ولا انہ قتل ظالماً | کہ میں نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم شہید ہوئے۔ |
| | اور نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ قتل ہونے کے وقت ظالم تھے |

اس بات پر قسم کھائی جا سکتی ہے کہ یہ مضمون حضرت علیؓ کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ان پر
کسی سبائی کا افترا اور بہتان ہے۔ حضرت عثمانؓ کا مظلوم ہونا ایسی بدیہی حقیقت ہے
جس سے انکار کوئی شیعہ ہی کر سکتا ہے۔ حضرت علیؓ ان کی مظلومیت کا انکار کریں!
کوئی سُنّی اسے باور نہیں کر سکتا [1]

---

[1] یہ ساری گفتگو بروایت ابو مخنف منقول ہے۔ جس کا شیعہ اور کذاب و مفتری ہونا (باقی صفحہ ۲۳۰ پر)

اس روایت کے وضع کرنے کا مقصد کیا تھا؟ صفحات سابقہ ہم نے جو عرض کیا ہے۔ اس کی روشنی میں ان کے مقصد کی مکروہ شکل صاف نظر آتی ہے سبائیوں کے ان اخلاف نے اپنے اسلاف کی پیروی میں بہت چالاکی کے ساتھ یہ دکھانا چاہا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹) مشہور و معروف ہے غالباً یہ پوری روایت اسی کی گڑھی ہوئی ہے۔ جس سے وہ اپنے پیشرو اور اپنے مذہب کے بانیوں کی تائید کرنا چاہتا ہے۔ طبری نے بھی اسی مقصد سے اسے اپنی کتاب میں جگہ دی۔ مذکورہ بالا جملوں کے علاوہ اس روایت میں بعض اور بھی ایسی باتیں ہیں جو مذہب شیعہ کی تائید اور ایک بنیادی عقیدے کا اظہار کر رہی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"پھر لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنا لیا اور انھوں نے عمرؓ کو بنایا۔ ان دونوں نے بہت اچھے کردار کا اظہار کیا اور اُمت میں انصاف کیا۔ اور ہمیں ان پر غصہ آیا کہ وہ لوگ ہمارے اوپر حاکم ہو گئے۔ حالانکہ ہم آل رسول ہیں مگر ہم نے انھیں معاف کر دیا۔ ان کے بعد عثمانؓ خلیفہ بنائے گئے انھوں نے ایسی باتیں کیں جنہیں لوگوں نے معیوب سمجھا۔"

خط کشیدہ فقروں پر غور کیجیے۔ شیخینؓ کی خلافت پر حضرت علیؓ کا غصہ اور وہ بھی اس بنا پر کہ ہم آل رسول ہیں۔ ہمارے ہوتے ہوئے خلافت انھیں کیسے مل گئی۔ کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ انکے نزدیک آل رسول ہی مستحق خلافت تھے؟ اور کیا یہ اصول شیعیت کی چھت کا ستون نہیں؟ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت علیؓ اس شیعی اصول کی تعلیم دیں؟ اس کے علاوہ یہ کذب صریح بھی ہے اول تو آل کے معنی اولاد کے نہیں ہیں۔ بلکہ کسی شخص کی آل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو اس کا معاون و مددگار رہا ہو اور اس سے کوئی خاص ربط رکھتا ہو یا اس کے تابع ہو۔ اس میں اولاد و غیر اولاد سب داخل ہیں اس معنی میں جو لفظ آل کے حقیقی معنی ہیں حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی آل رسولؐ ہیں۔ پھر اس بنا پر غصہ کے کیا معنی؟ بالفرض آل کے معنی اولاد کے ہوں۔ تو حضرت علیؓ اس میں کیسے داخل ہو گئے؟ اس سے ظاہر ہے (باقی صفحہ ۲۳۱ پر)

کہ حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے یا کم از کم انھیں اس حادثۂ فاجعہ سے کوئی ناگواری نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ خلیفۂ شہید کو مستحق قتل سمجھتے تھے۔ لیکن ابن سبا کے اس پانچویں کالم کو اہلسنت کا خوف بھی تھا۔ اس لئے وہ کھل کر اس مضمون کو نہ بیان کر سکے۔ بلکہ ایسا اسلوب اختیار کیا کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں بات بھی آجائے اور ان کی گرفت بھی نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ طبری اور کتب شیعہ میں ایسی روایتیں بھی پائیں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اس جرم عظیم سے بالکل بری ہیں۔ اور انھوں نے حضرت عثمانؓ کی اعانت کی تھی۔ اس قسم کی روایتوں کو ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۰) کہ یہ کلام حضرت علیؓ کا نہیں ہے۔ وہ نہ شیعیت کے موید تھے نہ جھوٹ بول سکتے تھے یہ کسی سبائی کی وضع کی ہوئی سراپا کذب روایت اور آں ممدوح پر بہتان و افترا ہے۔ دوسرا خط کشیدہ فقرہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ یہ کہنا کہ "لوگوں (یعنی عام پبلک نے) حضرت عثمانؓ کے بعض کاموں کو معیوب سمجھا بھی کذب صریح ہے۔ اس سے ترشح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک امت کے شہید اعظم کا قتل بے جا نہ تھا بلکہ انھیں کی غلطیوں کا نتیجہ تھا۔ گویا ان کے قاتل ایک حد تک معذور ہیں۔ یہ بات بھی حضرت علیؓ نے کبھی نہ فرمائی ہوگی اور یہ بھی ان پر اسی سبائی کا بہتان و افترا ہے۔ جس کا مقصد یہی تھا کہ خون سیدنا عثمانؓ کی چھینٹیں ان کے دامن پر بھی ڈال دی جائیں۔ اور یہ دکھایا جائے کہ وہ بھی اس خون ناحق سے خوش تھے۔

ان قرائن سے روز روشن کی طرح روشن ہو گیا کہ یہ روایت سراپا کذب و دروغ اور سبائیوں کی گڑھی ہوئی ہے۔ طبری تو کیا چیز ہے کہ اگر بالفرض یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی ہوتی تو قابل قبول نہ ہوتی۔ ان حضرات پر حیرت ہوتی ہے جو اس قسم کے نمونے دیکھنے کے بعد بھی اس پر مصر ہیں کہ طبری اُمسنی تھا اور اہلسن تقیہ باز شیعہ کے فریب میں گرفتار ہیں۔ مودودی صاحب کو تو اس کی کتاب میں کہیں شیعیت کی جھلک نظر ہی نہ آئی اور انہیں کیوں نظر آتی؟ وہ تو خود شیعہ ہیں۔

اہل سنت مشتعل ہوجائیں تو یہ روایتیں دکھا کر ان کے اشتعال کو دور کرکے یہ بتایا جائے کہ ہم بھی سُنی ہیں اور حضرت علیؓ کے دامن کو اس خونِ ناحق سے بالکل پاک سمجھتے ہیں۔

کچھ زمانہ گزرنے کے بعد شیعوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور اس انکِ مبینؔ کی اشاعت زیادہ سرگرمی اور صراحت کے ساتھ کرنے لگے۔ دیکھئے شریف رضی شیعی اور ان کے بھائی شریف مرتضیٰ شیعی کی مشترک تصنیف نہج البلاغة میں (جسے وہ اور سب شیعہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اور اس میں ایک خطبہ بھی حضرت علیؓ کا نہیں) لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جب مالک اشتر کو مصر کا گورنر مقرر فرمایا تو اہل مصر کے نام ایک فرمان تحریر فرمایا۔ جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| من عبد الله امیر المؤمنین علی | (یہ مکتوب) اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المؤمنین |
| الی القوم الذین غضبوا لله | علیؓ کی جانب سے اس قوم کو (بھیجا جا رہا ہے) |
| حین عصی فی ارضه وذهب | جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے واسطے غصہ کیا جب کہ |
| بحقه فضرب الجور سرادقه | زمین میں اس کی نافرمانی کی گئی اور اس کا حق |
| علی البر والفاجر والمقیم | ضائع کیا گیا۔ پس ظلم و ستم نے ہر نیک و بد اور مقیم |
| والظاعن فلا معروف یستراح | مسافر پر اپنے پردے ڈال دیئے۔ پس نہ کوئی خوبی |
| الیه ولا منکر یتناهی عنه | باقی رہی جس سے راحت حاصل کی جا سکتی اور |
| (شرح نہج البلاغة ابن ابی الحدید ج۲ | نہ کوئی برائی ایسی باقی رہی جس سے باز آیا جا سکتا |
| جزو ۱۶ مطبوعہ طہران ص۲۹۵) | (مطلب یہ ہے کہ نیکی کا رواج ختم ہو گیا اور بدیاں پھیل گئیں) |

اس کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید لکھتا ہے:۔

---

لہ یہ کٹر شیعہ اول درجہ کا دشمن اسلام تھا خلافت عباسیہ کو تباہ اور بغداد میں اہلسنت کا قتل عام کرنے کی جو سازش شیعوں نے کافر تاتاریوں سے کی تھی اس کے کارپردازوں اور قائدوں میں ابن علقمی کی طرح یہ منافق بھی تھا۔

"وهٰذا معضل یشکل علی تاویلہ لان اہل مصر ھم الذین قتلو عثمان واذا شہد امیر المومنین علیہ السلام انہم غضبوا للّٰہ حین عصی فی الارض فھذہ شہادۃ قاطعۃ علی عثمان بالعصیان واتیان المنکر"

(حوالہ بالا)

یہ مسئلہ ایسا ہے جس کی تاویل مشکل ہے اس لئے کہ اہل مصر ہی نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا تھا اور جب امیر المومنین علیہ السلام (یعنی حضرت علیؓ) نے شہادت دی کہ ان لوگوں کو ان پر غصہ اللہ کے واسطے آیا تھا جبکہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کی گئی۔ تو یہ (حضرت) عثمانؓ کے گناہگار اور مرتکب منکر ہونے کی قطعی شہادت ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک حضرت عثمانؓ العیاذ باللہ ظالم اور عاصی تھے اور انھیں قتل کرنے والے بڑے اللہ والے اور مخلص تھے۔ جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انھیں قتل کیا تھا۔ گویا ان کا قتل بالکل جائز اور مناسب تھا (معاذ اللہ)

اس کے بعد اس منافق نے اس قول کی تاویل تراشی مگر اس کی رکاکت اور کمزوری کا خود بھی اعتراف کیا ہے۔ اس کی ضرورت اسے اس لئے محسوس ہوئی کہ خلافت عباسیہ کے آفتاب کو اگرچہ شیعیت کا گہن لگ چکا تھا۔ تاہم اہل سنت کی اکثریت تھی اور حکومت کا رعب و دبدبہ بہت کم ہو جانے پر بھی خاصا باقی تھا۔ اسے جرأت نہ ہوئی کہ کھلم کھلا قاتلین سیدنا عثمانؓ کی مدح یا امت کے شہید اعظم پر قدح کرے۔ رضی غیر مرضی نے جو لکھا اسے نباہنے کے لئے اس نے اس پر تاویل کی پالش لگائی۔ مگر تاویل اس طرح کی کہ اس کی رکاکت کا خود معترف ہونا پڑا۔ اس شعبدہ بازی کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف ناواقف سنیوں کے ذہن میں رفض کی تخم ریزی ہو جائے دوسری طرف حساس اہلسنت کے غیظ و غضب کو تاویل کا پانی ڈال کر ٹھنڈا کیا جائے۔ رہ گئے خرد

اس کے ہم مذہب یعنی شیعہ تو تادیل کی رکاکت دیکھ کر وہ اسے تقیہ پر محمول کرلیں گے۔ "بیک کرشمہ دوکار" کے بجائے "سہ کار" کرنے والی ابن سبائی ہنر مندی پر یہود بھی پھڑک اٹھے ہوں گے۔

یہ تو یقینی ہے کہ یہ مکتوب حضرت علیؓ کا نہیں ہے۔ اس میں جن خیالات فاسدہ اور افکار باطلہ کاسدہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ ان سے بری ہیں سبائی طرف اس کی نسبت ان پر افترا اور بہتان ہے۔ مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ برابر اس کوشش میں لگے رہے کہ اس خون ناحق اور جرم عظیم کی نسبت کسی نہ کسی طرح حضرت علیؓ کی طرف ہو جائے۔ اسی مقصد سے یہ جعلی اور فرضی مکتوب ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ ان متقدمین سبائیہ کی پالیسی اور ڈپلومیسی شیعیت کا ایک ستون بن گئی ایک نمونہ گذر چکا۔ ایک اور ملاحظہ ہو شیعوں کے مشہور عالم علی جن کا نام حسن بن یوسف ہے اور ابن مطہر کی کنیت سے مشہور ہیں اپنی کتاب "منہاج الکرامۃ" میں شہادت ذی النورینؓ کے متعلق لکھتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| وا جمعوا علی قتل عثمان لہ | اور قتل (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) پر سب کا اجماع ہو گیا تھا۔ |

یہ زمانہ وہ تھا جب کہ خلافت عباسیہ سیل تاتار میں بہکر غرق دریائے فنا ہو چکی تھی اس بربادی کا ایک ذمہ دار طوسی غدار مملکت تاتار میں وزیر تھا اور شیعہ اس خونخوار قوم کے چہیتے اور متنفعی بنے ہوئے اس کے آغوش عاطفت میں اہلسنت کے خون پر پرورش پا رہے تھے ان حالات میں حلّی کو سنیوں کا خوف کیوں ہوتا؟ اس نے کھل کر کہہ دیا کہ حضرت عثمانؓ ارباب حل و عقد کی متفقہ رائے سے شہید کئے گئے۔ جن میں حضرت علیؓ یقیناً داخل ہیں۔

---

لہ المنتقی من منہاج الاعتدال بین الرفض والاعتزال لابن تیمیہؒ تلخیص ذہبی ص ۲۲۵

امام ابن تیمیہؒ نے حلّی کا یہ قول باطل نقل کرکے اس کی بہتان طرازی کی تجزیہ درجی فرمائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ پر یہ الزام خالص بہتان وافترا ہے

شبہا دین تو اور بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن جو کچھ ہم پیش کر چکے ہیں وہ خود کفایت سے بھی زیادہ ہیں اور ہر منصف مزاج انھیں دیکھ کر اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جو سبائی بظاہر ان کے خیر خواہ اور درحقیقت ان کے بلکہ دین اسلام کے دشمن اور یہودیا یہود کے آلۂ کار تھے، ان کی سیاسی تدبیر یہ تھی کہ خون ذی النورین کا دھبہ فریب وافترا کے جادو سے کام لے کر آں محترم کے پاک اوصاف دامن پر بھی دکھا دیں۔ اس سے منجملہ دیگر مقاصد کے ان کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ معتد بہ تعداد میں اہل شام ان کے خلاف ہو جائیں۔ اور شدت اشتعال کی وجہ سے ان کے اور حضرت معاویہؓ کے درمیان کسی طرح بھی صلح نہ ہونے پائے بلکہ آتش جدال وقتال بھڑک کر رہے۔ جس راستہ پر چل کر ان لوگوں نے جنگ جمل برپا کرائی تھی اسی پر یہ لوگ اس وقت بھی گامزن تھے۔

## تیسری تدبیر :-

سبائیوں نے فریقین کے درمیان صلح کے امکانات ختم اور آتش جنگ مشتعل کرنے کیلئے یہ تیسری تدبیر یہ کی کہ اپنا پورا زور گفتگوئے مصالحت کو ناکام بنانے پر صرف کر دیا اور برابر ایسے طریقے اختیار کرتے رہے جن سے فریقین کا اشتعال بڑھتا رہے اور کسی مرحلہ پر بھی صلح کا کوئی متفقہ فارمولا طے نہ ہو سکے۔ بطور نمونہ مندرجہ ذیل واقعہ پر نظر کیجئے:۔

فریقین کے لشکر آمنے سامنے پڑے ہوئے ہیں اور بامید صلح جنگ رکی ہوئی ہے گفتگوئے مصالحت کے لئے حضرت علی مرتضیٰؓ ایک وفد حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجتے ہیں جس کے دو ارکان بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہیں، اور تیسرا رکن مشہور سبائی شبث بن ربعی ہے۔ وہاں پہونچکر پہلے بشیر بن عمروؓ نے گفتگو

کی ان کے بعد قیس بن عمرو بات شروع کرنے ہی والے تھے کہ شبث بن ربعی بول پڑا۔ ذرا اس کی فتنہ انگیز تقریر ملاحظہ فرمائیے:۔

"یا معاویة إنی فهمت ما رددت علی ابن محصن انه والله لا یخفی علینا ما تطلب انک لم تجد شیئا تستغوی به الناس وتستمیل به اهواءهم وتستخلص به طاعتهم الا قولک قتل امامکم مظلوما فنحن نطلب بدمه فاستجاب له سفهاء الناس وطغام وقد علمنا ان قد ابطأت عنه بالنصر واحببت له القتل لهذه المنزلة التی اصبحت تطلب۔ ورب متمنی امر وطالبه الله عز وجل یحول دونه بقدرته وربما اوتی المتمنی امنیته وفوق امنیته ووالله ما لک فی واحدة منهما خیر لئن اخطأت ماترجو انک لشر العرب حالا فی ذلک ولئن اصبت ما تمنی لا تصیبه حتی تستحق من ربک

اے معاویہؓ ابن محصن کو جو جواب تم نے دیا میں خوب سمجھ گیا۔ خدا کی قسم جو تم چاہتے ہو وہ ہم سے مخفی نہیں ہے۔ تم نے لوگوں کو بہکانے، انھیں اپنی طرف مائل کرنے اور اپنا مطیع بنانے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہ پایا کہ تم ان سے کہو کہ تمہارے امام مظلوم قتل ہوئے پس ہم ان کا قصاص چاہتے ہیں تمہاری اس بات کو احمق اور کم فہم لوگوں نے مان لیا۔ اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ تم نے ان کی (حضرت عثمانؓ کی) امداد کرنے میں دیدہ دانستہ تاخیر کی۔ اور تم خود چاہتے تھے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں۔ تاکہ تمہیں یہ مرتبہ حاصل ہو جائے جسے تم طلب کر رہے ہو۔ اور بہت سے تمنا کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے اور ان کے مطلوبہ امر کے درمیان اللہ عزوجل حائل ہو جاتا ہے اور بہت سے تمنا کرنے والوں کی تمنا پوری ہوتی ہے بلکہ اس کی تمنا سے زائد مطلب ہے اللہ خدا کی قسم تمہارے لئے ان دونوں میں سے کسی بات میں بھی بھلائی نہیں ہے۔ اگر تم اپنی اُمید میں ناکام رہے تو تم بدترین عرب ہو گے اور اگر

صلی النار فاتق اللہ یا معاویۃ ودع ما انت علیہ ولا تنازع الامر اھلہ"

(طبری ج ۵ حوادث ۳۶ھ زیر عنوان دعاء علیؓ معاویہؓ الی الطاعۃ والجماعۃ ص ۲۴۳)

تمہاری تمنا پوری ہو گئی تو تم اپنی مراد پا نے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کا ایندھن بننے کے مستحق ہو جاؤ گے۔ پس اے معاویہؓ اللہ سے ڈرو اور اپنا طریقہ چھوڑ دو۔ اور حکومت کے بارے میں اس شخص سے نہ جھگڑو جو اس کا اہل ہے"

آپ خود دیکھئے کہ اس سبائی لیڈر کی تقریر کس قدر غیر مہذب، ناشائستہ، اشتعال انگیز اور آداب سفارت کے خلاف ہے! اس کے بعد مصالحت کی کیا توقع ہو سکتی تھی؟ اس میں اس نے کیا کچھ کہہ ڈالا۔ اس کی توضیح آپ کو انشاء اللہ چند سطروں کے بعد ملے گی۔ پہلے اتنا عرض کر لینے دیجئے کہ مودودی صاحب کو اس طویل روایت کا صرف ایک جملہ یاد رہا۔ جسے اس کے پس منظر سے الگ کر کے انھوں نے پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:-

ذی الحجہ کے آغاز میں باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس اتمام حجت کے لئے ایک وفد بھیجا مگر ان کا جواب یہ تھا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے اور تمہارے درمیان تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (ص ۱۳۵)

حالانکہ حسب روایت مذکورہ بالا انھوں نے یہ بات شبث بن ربعی کی مندرجہ بالا مفسدانہ بکواس سننے کے بعد فرمائی تھی۔ اس تقریر کو پھر ایک بار غور سے دیکھ جائیے آپ خود سمجھ لیں گے کہ اسے سنکر ایک عاقل و مدبر شخص کس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے؟ اور فریق ثانی کے رویہ کے متعلق کیا رائے قائم کر سکتا ہے؟

وفد کا یہ سبائی رکن آداب سفارت ہی نہیں بلکہ آداب مجلس کو بھی بالائے طاق رکھ کر متکبرانہ اور متمردانہ لب ولہجہ میں گفتگو کرتا ہے۔ آغاز کلام ہی میں آں محترم پر غیر شریفانہ جملے کرتا ہے کہ:-

(۱) تمہارا مقصد حصول اقتدار ہے۔

(۲) عوام کو بے وقوف بنانے اور پھانسنے کے لئے تم نے مطالبہ قصاص امام مظلوم کو بہانہ بنایا ہے

(۳) تمہارے معاونین اور تمہاری بات پر کان دھرنے والے احمق اور بے وقوف ہیں اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ چوتھا حملہ یہ کرتا ہے کہ آں محترم کو شہادت سیدنا عثمان رضی کا خواہش مند اور ان کی اعانت وحفاظت سے قصداً پہلو تہی کرنے والا گویا ان کے قتل کا مرتکب کہتا ہے پانچویں بے ادبی یہ ہرزہ سرا مستحق نار سبائی یہ کرتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت معاویہ رضی کو مستحق نار کہتا ہے۔

ان پانچ دروغ بافیوں اور ہرزہ سرائیوں کے ساتھ چھٹا جھوٹ یہ بولتا ہے کہ انھیں خلافت کے بارے میں منازعت کرنے والا کہتا ہے۔ "لا تنازع الامر اهلہ" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی مستحق خلافت ہیں اور تم خود خلیفہ بننا چاہتے ہو اور اسی کے لئے ان سے جھگڑ رہے ہو۔ یہ کھلا ہوا بہتان تھا کیونکہ اس وقت تک حضرت معاویہ رضی نے صریحاً آرائے خلافت ہونے کی ادنیٰ خواہش کا بھی اظہار نہ فرمایا تھا۔ بلکہ ان کے رویہ اور حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ وہ خود خلیفہ بن جائیں۔ خود مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ واقعہ تحکیم سے قبل انھوں نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ پھر اس دروغ بافی اور غلط بیانی کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ فریقین کے درمیان خلیج اختلاف کو وسیع کیا جائے اور ایسا فساد ڈلوایا جائے جس کی اصلاح نہ ہو سکے۔ یہ مفسد اپنی تہدید آمیز گستاخانہ تقریر سے انھیں غیر مشروط اطاعت UNCONDITIONAL SURRENDER پر آمادہ کرنا چاہتا تھا کیا مصالحت اسی طرح ہوتی ہے؟ اور کیا آں محترم کو اس پر تیار ہو جانا چاہیے تھا؟ کوئی منصف

مزاج اور سمجھدار آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ انھیں ایسا کرنا چاہیئے تھا۔ تدبر اور دانشمندی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنی مدافعت کے لئے تیار ہو جائیں ان کا رد عمل درست تھا۔ اخلاقاً سیاستہً ہر طرح بالکل صحیح تھا۔ اس سبائی کی تہدید آمیز، خلاف آئین اور شرافت و تہذیب سے گری ہوئی تقریر سنکر وہ بجا طور پر یہ سمجھ گئے کہ اب خلافت کی پالیسی پر سبائی پارٹی پوری قوت کے ساتھ اثر انداز ہو رہی ہے۔ اور یہ اس قدر طاقت پکڑ چکی ہے کہ ان اثرات سے بچنا غیر ممکن ہے۔

یہ سبائی لیڈر امت کے شہید اعظم کو قتل کرنے میں شریک تھا اور یہ بات مشہور بھی تھی۔ باوجود اس کے اس کی یہ جرأت کہ حضرت معاویہؓ کے دربار میں آئے اس بات کی واضح دلیل تھی کہ یہ مفسدہ پرداز گروہ بہت طاقت پکڑ چکا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ خلیفۃ المسلمین کے دوسرے سفیر کی بات کاٹ کر خود گفتگو شروع کر دینا۔ پھر ایسی گستاخانہ، اشتعال انگیز اور پر از بہتان وافترابات کرنا اور بجائے شرائط صلح پیش کرنے یا سننے کے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کرنا، اس حقیقت کی روشن نشانیاں اور واضح علامتیں تھیں کہ سبائی گروہ بہت طاقتور اور حضرت علیؓ کے قابو سے باہر ہو چکا ہے۔ وہ حضرت علیؓ کے مرتبہ اور ان کے اخلاق عالیہ سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ بہت صلح پسند ہیں لیکن اس سبائی کے رویہ سے وہ سمجھ گئے کہ ان کی مصالحت جوئی اور امن پسندی کی پالیسی کو یہ بد باطن گروہ چلنے نہ دے گا اور کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کا خون بہا کر رہے گا ان کے سامنے دو راستے تھے ایک یہ کہ وہ بغیر کسی شرط کے اطاعت قبول کر لیں دوسرا یہ کہ اپنی مدافعت کے لئے تلوار اٹھائیں۔

## فیصلہ کن جنگ :-

مودودی صاحب جنگ صفین کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اس جنگ کے دوران ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نص صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسر جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمارؓ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہؓ میں مشہور و معروف تھا اور بہت سے صحابیوں نے اسکو حضور کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ تقتلک الفئة الباغیة (تم کو ایک باغی گروہ قتل کریگا)"

کئی سطروں میں حدیث کے حوالے دینے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"متعدد صحابہؓ و تابعین نے جو حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کی جنگ میں مذبذب تھے۔ حضرت عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کیلئے ایک علامت قرار دیا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون"

پھر ایک صفحہ کے بعد لکھتے ہیں :۔

"اور ظاہر ہے کہ ان کو قتل حضرت معاویہؓ کے گروہ نے کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ کے گروہ نے (ص ۱۳۹)

حدیث کی صحت میں ہمیں کوئی کلام نہیں۔ لیکن یہ بات کہ یہ حضرت معاویہؓ اور انکی جماعت کے باغی ہونے پر "نص صریح" ہے۔ بالکل غلط ہے۔ یہ دعویٰ صرف اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ انھیں حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل کیا تھا۔ یہ دعویٰ صرف "ظاہر ہے" کہدینے سے ثابت نہیں ہو جاتا۔ کیا اس کے لئے بھی کوئی "نص صریح" ہے؟ اگر نہیں تو آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کا باطل پر ہونا نص صریح سے ثابت ہو گیا؟ "نص صریح" ثبوت حکم کے اعتبار سے قطعی الدلالۃ ہوتی ہے۔ مگر اپنے مصداق پر قطعی الدلالۃ صرف اس وقت ہوتی ہے۔ جب مصداق کا مصداق ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جب تک یہ بات یقینی نہ ہو کہ اس کا مصداق فلاں ہے اس وقت تک اس "فلاں" کے لئے یہ حکم نصی ثابت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً قصاص کا حکم منصوص ہے لیکن اگر زید پر الزام

لگایا گیا کہ اس نے عمرو کو قتل کر دیا ہے تو محض اس الزام کی بناء پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید سے قصاص لینا نص صریح سے ثابت ہے۔ یہ اسی وقت کہہ سکتے ہیں جب دلیل شرعی سے زید کا قاتل ہونا بھی ثابت ہو جائے اسی طرح اس حدیث سے یہ صراحۃً ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عمارؓ کو جو گروہ قتل کریگا وہ باغی ہوگا۔ لیکن اس سے یہ بات کسی طرح نہیں ثابت ہوتی کہ حضرت معاویہؓ کا گروہ "فئۃ باغیہ تھا یا باطل پر تھا یہ صرف اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جب دلیل شرعی سے یہ بات بھی ثابت ہو جائے کہ اسی گروہ نے انہیں قتل کیا تھا۔ یہ کہنا کہ نص صریح سے یہ بات کھل گئی کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر" حدود سے تجاوز اور قول باطل ہے جو قائل کی کم علمی و کم فہمی کی دلیل ہے۔ یہ دعویٰ کہ انھیں حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل کیا تھا "ظاہر" نہیں کہا جا سکتا۔ انشاء اللہ چند سطروں کے بعد آپ اس کی بحث دیکھیں گے تو آپ پر حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ بہتان خالص ہے۔

## فیصلہ کن تنقیحات :-

اس مقام پر دو تنقیحات فیصلہ کن ہیں :-

ایک یہ کہ حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل کیا یا نہیں ؟ اور اگر نہیں کیا تو ان کا قاتل کون گروہ ہے ؟

دوسری اہم تر بحث یہ ہے کہ آیا نفس حدیث مذکور کے ________ پیش نظر حضرت معاویہؓ کے گروہ کو اس کا مصداق بنایا بھی جا سکتا ہے یا نہیں ؟ دوسری تنقیح اہم تر بھی ہے اور اس کی روشنی میں پہلی تنقیح کا مرحلہ بھی آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔ اس لئے آغاز بحث اسی سے مناسب ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کوئی فضول اور غیر مفید بات نہیں نکل سکتی۔ جو بات بھی آنحضور نے ارشاد فرمائی اس میں کوئی نہ کوئی حکمت و منفعت ...

غیر مفید اور لایعنی بات سے آپ کی ذات اقدس بلند و برتر ہے۔ اس عقیدہ صحیحہ کی روشنی میں حدیث مذکور پر غور کیجئے کہ اس ارشاد سے آنحضورؐ کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ فی نفسہٖ یہ اطلاع کہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا ایک خبر ہے جس میں کوئی بھی افادیت نہیں جب حضرت عمارؓ شہید ہو گئے تو انھیں اس سے کیا کہ انھیں کس نے شہید کیا؟ اور اگر عالم آخرت میں پہونچکر انہیں معلوم ہوا کہ جس گروہ نے انھیں شہید کیا ہے وہ باغی ہے۔ تو اس سے انہیں کیا نفع پہونچ سکتا تھا؟ باغیوں کے ہاتھ قتل ہونا کوئی خاص فضیلت کی چیز بھی نہیں جو یہ کہا جا سکے کہ اس سے اظہار فضیلت مقصود تھا۔ شہادت یقیناً فضیلت ہے لیکن وہ کافروں کے ہاتھ سے ہو یا باغیوں کے ہر دو صورت میں فضیلت ہے مخصوص طور پر باغیوں کے ہاتھ سے قتل ہونا کوئی فضیلت کی چیز نہیں۔ اگر آنحضورؐ کا مقصد بشارت دینا یا ان کی فضیلت بیان فرمانا ہوتا تو صرف شہادت کی بشارت دیتے۔ فئۃ باغیہ کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ اگر یہ کہا جائے کہ مقصود دوسرے لوگوں کو آگاہ کرنا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی بتانے سے کیا فائدہ تھا؟ کسی عاقل کی خبر سے محض خبر مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے مقصود انشاء ہوتی ہے۔ صرف یہ بات معلوم ہو جانا کہ حضرت عمارؓ کا قاتل گروہ باغی ہے بالکل بے کار اور غیر مفید ہے جب تک اس علم سے کوئی حکم شرعی نہ معلوم ہوتا ہو۔ یہ حکم یہاں بالکل ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں صاف اور صریح طور پر مذکور ہے

(اور باغی گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کریں)

اسے سامنے رکھئے تو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی آنحضورؐ اس گروہ کو جو حضرت عمارؓ کو قتل کرے باغی قرار دے رہے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ سب مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہیں یہاں تک کہ

وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کریں ۔جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے ۔
دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہٗ کی شہادت اس امر کی یقینی دلیل تھی کہ جو گروہ ان کا قاتل ہے وہ شرعاً باغی ہے اور یہ روایت عام طور پر صحابہ کرام و تابعین کو معلوم تھی۔ اسکے ساتھ بقول مودودی صاحب یہ بھی سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ انھیں حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل کیا ہے تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ جتنے صحابہ و تابعین اس واقعہ سے پہلے فریقین کے قتال کو "فتنہ" سمجھ کر غیر جانبدار تھے اور دونوں سے بے تعلق ہو کر خانہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے وہ سب کے سب حضرت علیؓ کے معاون اور حضرت معاویہؓ کے خلاف شمشیر بکف ہو جاتے ۔ اگر تابعین نہیں تو کم از کم صحابۂ کرام سے تو یہ توقع یقینی تھی کہ وہ بقول مودودی "اس نص صریح سے" حضرت معاویہؓ کا باغی ہونا ظاہر ہونے کے بعد ضرور آیۂ موصوفہ پر عمل کرتے اور ان میں یکایک ہل چل مچ جاتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں اس واقعہ کے بعد بھی کوئی حرکت نہ پیدا ہوئی ۔ نہ یہ غیر جانبداری کی روش سے ہٹے۔ نہ اُنھوں نے حضرت معاویہؓ کے خلاف کوئی محاذ بنایا ۔ نہ اُن کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہوئے تاریخ سے کہیں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ ان حضرات نے حضرت علیؓ کی اعانت کی ہو اور حضرت معاویہؓ کے خلاف صف آرا ہو گئے ہوں ۔ حالانکہ اس سے تو پوری دُنیائے اسلام میں ہیجان عظیم پیدا ہو جانا چاہیئے تھا۔ جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پیدا ہو گیا تھا خصوصاً اس لئے کہ ان کی شہادت کا حادثہ یہ سب حضرات اور مسلمانان عالم اسلامی دیکھ چکے تھے اور ان کے خلاف بغاوت کو فرو نہ کرنے کے نتائج بھی دیکھ رہے تھے۔ اس تجربہ سے عبرت حاصل کر کے انھیں تو بہت جلد ادھر توجہ کی ضرورت تھی اگر اس سے کوئی ہیجان پیدا ہوا ہوتا اور حضرت معاویہؓ کے خلاف جذبات کا طوفان اُمڈا ہوتا تو یقیناً یہ واقعہ تواتر کے

ساتھ منقول ہوتا۔ لیکن یہ کیا بات ہے کہ تاریخ کے اوراق اس کے تذکرے سے یکسر خالی ہیں؟ یہاں تک کہ اعوان و انصار کی قلت کی وجہ سے حضرت علیؓ بھی دوبارہ شام پر حملہ نہ کر سکے۔ خود مودودی صاحب کا بیان ہے کہ واقعہ تحکیم کے بعد حضرت علیؓ نے دوبارہ شام چڑھائی کرنا چاہی:۔

"مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے اور خوارج کے فتنے نے حضرت علیؓ کے لئے مزید ایک دردِ سر پیدا کر دیا تھا" ص ۱۴۵

گویا ان کے پاس اب اتنی فوج نہ تھی کہ وہ دو محاذوں پر جنگ کر سکتے۔ لیکن یہ وقت پیش ہی کیوں آتی اگر غیر جانبدار صحابہ کرام اُن کے ساتھ ہو جاتے۔ ان حضرات کی تعداد بھی خاصی تھی پھر ان میں سے ایک ایک کا ہزاروں مسلمانوں پر اثر تھا۔ ان کے ساتھ ہونے سے لاکھوں کا لشکر اُن کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتا اور وہ دونوں محاذوں پر جنگ کر کے فتح حاصل کر سکتے تھے۔

غیر جانبدار صحابہ و تابعین کا یہ سکون و سکوت حضرت عمارؓ کی شہادت اور حدیث مذکور کے علم کے باوجود آخر کیوں تھا؟ ان میں اور عامہ مسلمین میں ہیجان کیوں نہ پیدا ہوا؟ اس کی توجیہ میں چار باتیں کہی جا سکتی ہیں:۔

اول:۔ اس حدیث کا انھیں علم نہ تھا۔ مگر یہ غلط ہے۔ خود مودودی صاحب بھی لکھتے ہیں کہ حدیث معروف و مشہور اور بمنزلہ متواتر ہے اور سب کو معلوم تھی۔

دوم:۔ علم تھا لیکن وہ شہادت سیدنا عمارؓ کو فئۃ قاتلہ کے فئۃ باغیہ ہونے کی علامت نہیں سمجھتے تھے۔ اس صورت میں کوئی بحث نہیں باقی رہتی اور مخالف کا مدعا خود بخود عنقا ہو جاتا ہے۔

سوم:۔ انھوں نے دیدہ و دانستہ نصرت حق سے پہلو تہی کی لیکن توجیہ صرف شیعہ ہی کر سکتے ہیں کسی سُنّی کی زبان سے ایسی لغو اور غلط بات نہیں نکل سکتی۔

ان دونوں توجیہوں کی غلطی ثابت ہونے کے بعد یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان حضرات خصوصاً صحابہؓ کو قطعاً اس کا یقین نہیں تھا کہ حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل کیا ہے۔ وہی نہیں بلکہ عام مسلمان بھی جو غیر جانبدار تھے ان کے گروہ کی جانب اس کی نسبت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خبر کے سننے اور حدیث مذکور معلوم ہونے کے باوجود ان کے دل میں حضرت علیؓ کی حمایت و نصرت اور حضرت معاویہؓ کی مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری توجیہ اُن کے اس رویہ کی نہیں کی جا سکتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مقتضائے حدیث پر نظر کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گروہ کو اس کا مصداق نہیں بنایا جا سکتا اور یہ ہماری رائے نہیں ہے بلکہ اس زمانہ کے ان کثیر التعداد صحابہ کرام تابعین اور عامہ مسلمین کی رائے ہے جو غیر جانبدار تھے اور واقعات کا علم ہم سے زیادہ رکھتے تھے۔ اور جنہوں نے حدیث مذکور کی وجہ سے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش بھی کی ہوگی۔ یہ بات بہت ہی حیرت انگیز ہے کہ مندرجہ بالا حضرات جو اس زمانہ میں خود موجود تھے اور جنہیں تحقیق و تفتیش کے وہ وسائل حاصل تھے جو بعد کے لوگوں کو نہیں حاصل تھے اس بات پر مطمئن نہیں ہوسکے کہ حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل کیا ہے اور اس کا اُنھیں یقین نہیں ہوا۔ مگر علماء متاخرین مثل علامہ ابن کثیر و علامہ ابوبکر جصاص، وامثالہم کو اس کا یقین حاصل ہوگیا؟ آخر ان حضرات کو وہ کونسا ثبوت ایسا میسر ہوگیا جو حضرات متقدمین کو نہ مل سکا تھا؟ روشن بات ہے کہ ان حضرات صحابہ و تابعین اور زمان حادثہ کے عامہ مسلمین کے سکوت کے بعد ان علماء متاخرین کے آراء کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں باقی رہتا۔ ان کی رائے کا ماخذ و مستند طبری واقدی وغیرہ کی روائتیں ہیں۔ ان کے غیر معتمد علیہ ہونے سے قطع نظر ان روایات سے نتیجہ اخذ کرنے کا جس طرح حافظ ابن کثیرؒ وامثالہم کو حق ہے اسی طرح

ہمیں بھی حق ہے۔ اس بارے میں انھیں ہم پر کوئی امتیاز و ترجیح حاصل نہیں اس لئے ان کی رائے کو بطور حجت نہیں پیش کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

> "جنگ جمل سے حضرت زبیرؓ کے ہٹ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد تھا اور انھوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں حضرت عمارؓ بن یاسر موجود ہیں۔" ص ۱۳۵

گزشتہ صفحات میں ہم اس پر بحث کر چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں کہ یہ محض جعلی روایت ہے جو شیعوں نے گڑھی ہے۔ حضرت زبیرؓ جنگ جمل سے ہٹے ہی نہ تھے۔ لیکن بالفرض اگر یہ واقعہ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت زبیرؓ تو حضرت عمارؓ کو حضرت علیؓ کا طرفدار پاکر ہی پیچھے ہٹ گئے، لیکن صحابہ کرام کی اکثریت، اور تابعین کی کثیر جماعت، خصوصاً خود اُن کے معتقدین کو کیا ہوگیا تھا۔ کہ وہ شہادت عمارؓ کا واقعہ دیکھ کر بھی حضرت علیؓ کی حمایت اور حضرت معاویہؓ کی مخالفت میں شمشیر بکف نہ ہوئے؟ اور قتال اہل بغی کے بارے میں صریح نص قرآنی کی (معاذ اللہ) صریح خلاف ورزی کی؟ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ انھیں اعوان والضار کی شدید حاجت تھی اور فوج کی قلت کی وجہ سے وہ پریشان تھے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ کو جب یقین ہوگیا تھا کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں کیونکہ انھوں نے حضرت عمارؓ کو ان کا حامی و مددگار پایا تھا تو میدان جنگ سے ہٹ جانے کے بجائے انھوں نے اُن کی نصرت کیوں نہ کی؟ اور اُن کی صفوں میں کیوں نہ شامل ہوگئے؟ میدان سے ہٹ کر حمایت حق کے فریضہ سے کیوں گریز فرمایا؟ اس سے ظاہر ہے کہ اگر جنگ سے اُن کی کنارہ کشی کی غلط اور موضوع روایت کو صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو بھی اس کی یہ توجیہہ صحیح

نہیں۔ اس کی وجہ کوئی دوسری ہوگی۔ حضرت عمارؓ کو حضرت علیؓ کے ساتھ دیکھنا اس کا سبب نہیں ہوسکتا۔

"اہل خربتا" کا طرز عمل بھی اس سلسلہ میں قابل توجہ ہے۔ طبری سے منقول ہوچکا ہے کہ یہ لوگ تھے جو حضرت علیؓ کے معتقد تھے۔ لیکن اس خانہ جنگی میں غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔ اور بیعت کے لئے اتنی مہلت چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان معاملہ صاف ہوجائے۔ محمد بن ابی بکرؓ کی غلط پالیسی نے انہیں برہم کردیا تھا تاہم انھوں نے کوئی بغاوت نہیں کی۔ نہ خلیفۃ المسلمین کے خلاف اہل شام کی امداد کی۔ طبری ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دس ہزار آدمی میدان جنگ میں لا سکتے تھے۔ اتنی بڑی تعداد نے حضرت عمارؓ کی شہادت کا واقعہ دیکھا اور وہ حدیث "تقتلک الفئۃ الباغیہ" سے بھی واقف تھے لیکن ان میں سے دس ہزار نے بھی اس واقعہ کے بعد حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ اس کے برعکس حضرت معاویہؓ کے طرفدار ہوگئے اور مصر پر حملے میں ان کے شریک رہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اتنی بڑی تعداد میں کیا دو چار بھی ایسے صالح افراد نہ تھے جو اس حدیث کی روشنی میں شہادت حضرت عمارؓ پر نظر کرتے اور حضرت معاویہؓ کو باغی سمجھ کر ان کے خلاف حضرت علیؓ کی امداد کرتے؟

خود مصر میں حضرت معاویہؓ کے حامی کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں انھیں کی امداد سے وہ مصر پر قابض ہوئے۔ ان میں سے بھی کسی کو اس حادثہ کے بعد حدیث مذکور یاد نہ آئی؟ اور ان میں ایک بھی ایسا نہ نکلا جو بقول مودودی صاحب اس نص صریح کی بناء پر انہیں باغی سمجھ کر ان کے خلاف کھڑا ہوجاتا؟

اسی طرح شام کی وسیع و عریض سرزمین اور کثیر آبادی میں چند نفوس بھی ایسے نہ نکلے جو حضرت معاویہؓ پر نکیر کرتے اور کہتے کہ آپ تو از روئے نص صریح

باغی قرار پا چکے ہیں۔ ہم آپ کا ساتھ نہ دیں گے؟ عجیب تر یہ کہ حضرت ابوالدرداء حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما کے ایسے جلیل القدر صحابی وہاں موجود تھے۔ مگر وہ بھی اس واقعہ کے علم کے باوجود غیر جانبدار ہی رہے؟ اُمہات المؤمنینؓ خصوصاً اُم المؤمنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ علیہا السلام نے بھی انہیں کوئی خط نہ تحریر فرمایا۔ حالانکہ آں معظمہ تو اعلیٰ درجہ کی سیاسی بصیرت بھی رکھتی تھیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں کبھی کوتاہی نہ فرماتی تھیں۔ حضرت سہلؓ بن حنیف جو صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے جنگ بندی پر راضی ہو گئے اور اس حدیث سے انھوں نے استدلال نہ کیا۔[1]

جس شخص کے ذہن کو اللہ تعالیٰ نے ادنیٰ نور بصیرت سے اور قلب کو معمولی انصاف پسندی سے بھی نوازا ہے وہ ان حالات کو دیکھ کر صرف اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ اس حادثہ کے وقت اور اس کے بعد ایک مدت تک (کم از کم حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں) عام طور پر حضرت معاویہؓ کے گروہ کو حضرت عمارؓ کا قاتل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ غیر جانبدار صحابہ تابعین اور عامۃ المسلمین ان کا قاتل کسی اور کو سمجھتے تھے حضرت معاویہؓ کے گروہ کو اس جُرم سے بری جانتے تھے۔ یہ بات روز روشن سے زیادہ روشن ہے کہ زمانہ حادثہ مذکورہ کے صحابی اور غیر صحابی مسلمانوں کو اس سے واقف ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ وہ جنگ و صُلح کے واقعات کو بہت قریب سے دیکھنے والے تھے اور ان کے پاس صحت واقعہ معلوم کرنے کے جو ذرائع اور وسائل تھے وہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ جب اُن کے نزدیک حضرت معاویہؓ کے گروہ کا قتل عمارؓ میں ملوث ہونا ثابت نہیں ہو سکا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے گروہ پہ یہ

---

[1] بخاری شریف نیز مسلم شریف بیان صلح حدیبیہ۔ آئندہ صفحات میں انشاء اللہ یہ روایت منقول ہوگی۔

الزام قطعاً غلط اور یقیناً بہتان ہے ان کا گروہ ہرگز اس حدیث کا مصداق اور فئۃ باغیہ نہیں تھا۔

اگر اس سے انکار کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صحابہؓ اور تابعین اس حدیث کو حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے کی دلیل نہ سمجھتے تھے۔ حیرت ہے کہ بعد میں آنے والے بہت سے سُنّی تاریخ نگاروں نے مندرجہ بالا کیفیت پر بالکل نظر نہ کی۔ اور شیعہ راویوں کے اس بیان پر صاد کر دیا کہ حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کی فوج نے شہید کیا تھا۔ اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ اس بات کے کہنے والوں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرز عمل پر بھی نظر نہیں کی۔ حالانکہ یہ واقعہ بہت ہی اہم اور فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے کہ انھوں نے حضرت عمارؓ کی شہادت سے حضرت معاویہؓ کی بغاوت پر استدلال نہیں فرمایا۔ کتب تاریخ میں ہمیں کوئی ایسی قابل قبول روایت نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو اس حادثہ کے بعد بقول مودودی صاحب "نص صریح" کی بناء پر باغی قرار دیا ہو۔ دو خطبے آں ممدوح کی جانب منسوب ہیں اور شہادت سیدنا عمارؓ کے بعد کے ہیں انھوں نے بھی اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ جن کے متعلق بحث آئندہ صفحات میں انشاءاللہ ملاحظہ سے گزرے گی۔ ان میں بھی حادثہ مذکورہ اور اس کی بناء پر حدیث مذکور سے استدلال کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان جیسے خطبوں میں وہ عوام اور اپنے لشکر والوں کو شام پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور مخالفین کی غلط روی کو واضح کرتے ہیں لیکن کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ وہ ان کے خلاف قوی ترین دلیل سے کام نہیں لیتے اور اس کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے۔ حالانکہ فطری طور پر انہیں اس موقع پر اس سے کام لینا چاہیے تھا وہ اسے پیش کر کے غیر جانبدار صحابہ و غیر صحابہ مسلمانوں کو اہل شام کے خلاف

صف آرا کر سکتے تھے اور رائے عامہ کو ان کے خلاف متحد کر کے ان کی قوت مقاومت کو پاش پاش کر سکتے تھے بلکہ خود شام میں اُن کے خلاف بغاوت پیدا کر سکتے تھے۔ گویا سیاسی، حربی، دینی، انتظامی ہر قسم کی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس حادثہ کو پوری دُنیائے اسلام میں زیادہ سے زیادہ مشتہر کرتے اور حدیث مذکور پیش کر کے تا بامکان ہر مسلمان تک یہ بات پہونچا دیتے کہ از روئے حدیث مذکور حضرت معاویہؓ کا باغی ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے حکم الہٰی "فقاتلوا التی تبغی" پر عمل کرنا سب مسلمانوں پر فرض علی الکفایہ ہے لیکن اُنھوں نے یہ نہیں کیا۔ اس کی پبلسٹی تو کجا وہ تو اشارۃً بھی اس کا تذکرہ نہیں فرماتے۔ آخر کیوں؟ رفع مصاحف کے وقت اُنھیں کہنا چاہیئے تھا کہ از روئے حدیث نبوی تم لوگ باغی قرار پا چکے ہو۔ اب کسی دوسرے فیصلے کی کیا ضرورت ہے شیعوں کا جو گروہ جنگ بندی پر اصرار کر رہا تھا اور نہ ماننے پر ان کے خلاف بغاوت پر آمادہ تھا جو بقول مشہور بعد کو خارجی کہلایا اس کے سامنے بھی اُنہیں شہادت عمارؓ کا واقعہ اور حدیث مذکور کو بطور حجت پیش کرنا چاہیئے تھا۔ اور فرمانا چاہیئے تھا کہ یہ لوگ از روئے حدیث "فئۃ باغیہ" ہیں اور ان سے قتال از روئے قرآن واجب ہے۔ اُنھوں نے یہ حجت کیوں نہ پیش کی؟

اس سے مہر نیمروز کی طرح روشن ہے کہ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ کی جماعت کو اس حدیث کا مصداق نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ، جو جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ قرآن مجید کو حکم بنانے اور جنگ بندی پر راضی ہو گئے۔ اس حدیث سے استدلال کر کے جنگ جاری رکھنے کا مشورہ نہ دیا[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ از روئے مقتضائے حدیث مذکور سیدنا حضرت معاویہؓ

---

[1] مسلم شریف صلح حدیبیہ کا بیان۔ آئندہ صفحات میں انشاء اللہ یہ روایت منقول ہوگی۔

کے گروہ کو سیدنا حضرت عمارؓ کا قاتل قرار دینا کسی طرح صحیح اور جائز نہیں۔ ایک سُنی کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ ___________ اگر بقول مودودی صاحب اس حدیث کو حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے کے بارے میں "نصِ صریح" سمجھا جائے اور یہ بھی کہا جائے کہ ان کا قاتل حضرت معاویہؓ کا گروہ تھا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس زمانہ کے غیر جانبدار صحابہؓ سے جن کی تعداد کثیر تھی دیدہ دانستہ سخت کوتاہی ہوئی۔ ان کے علاوہ جو صالحین اُمت غیر جانبدار تھے وہ بھی اس معصیت میں ان کے شریک رہے یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ نے بھی اشاعت علم ومعروف کا فریضہ ترک کیا یعنی اس حجت شرعی اور حدیث نبوی کو پیش کرکے غیر جانبدار حضرات صحابہؓ وغیر صحابہ کو باغیوں کے خلاف جنگ کے لئے نہیں اُبھارا۔ ظاہر ہے کہ ایک سُنی کسی حالت میں بھی ان زہریلے اور تلخ نوالوں کو اپنے حلق سے نہیں اُتار سکتا۔ اور ان باتوں کا ایک لمحہ کے لئے بھی قائل نہیں ہوسکتا اس لئے ماننا پڑے گا کہ حضرت عمارؓ کو اہل شام نے قتل نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرات مذکور کو اس کا علم ضرور ہوتا اور علم ہوتا تو وہ یقیناً حدیث مذکور کے مقتضٰی پر عمل کرتے۔

## اصل قاتل :-

ایک اہم سوال یہ ہے کہ جس واقعہ کا علم زمانہ وقوع کے باخبر حضرات بلکہ شرکار جنگ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کو بھی نہ ہوسکا۔ اس کا علم برسہا برس کے بعد طبری، واقدی، ابو مخنف وغیرہ کو کیسے ہوگیا؟ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اخبار نگاری نہیں کی ہے بلکہ اخبار سازی کی ہے۔ خود ان لوگوں نے یا ان کے پیشرو اور مقتدا سبائیوں نے اپنے کارخانہ دروغ بافی اور بہتان سازی میں حضرت معاویہؓ کے گروہ پر یہ غلط اور جھوٹا الزام تیار کیا۔ اور مزید

چلا کر کے اس کی پبلیسٹی بعد کے آنے والے ان نام نہاد مورخین کی جو شیعہ ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام کے خلاف بہتان طرازی اور افتراء پردازی کو کار ثواب سمجھتے تھے۔ شیعی پروپیگنڈے کا کمال دیکھو کہ ایک عرصہ کے بعد سنی علماء و مورخین بھی انہیں کی آواز میں آواز ملانے لگے اور اس قتل کا الزام اہل شام کے سر تھوپنے میں انہیں شیعہ مصنفین کے ہمنوا بن گئے۔ ان حضرات نے حضرت معاویہؓ کی طرف سے دفاع بھی کیا اور ان کے طرز عمل کو اجتہادی غلطی قرار دے کر حدود معصیت سے خارج کر دیا۔ لیکن کاش وہ کچھ وقت اس مسئلہ پر بھی غور کرنے میں صرف کرتے کہ اس واقعہ کی نسبت ان کے گروہ کی جانب صحیح بھی ہے یا نہیں؟ مگر بات یہ ہے کہ شیعہ ان حضرات کو دھوکہ دینے میں صرف اس وجہ سے کامیاب ہوئے کہ حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کے شریک اور حضرت معاویہؓ کی مخالف صفوں میں تھے یہ حضرات شیعی تکنیک اور سبائی ہتھکنڈوں سے واقف نہ تھے اس وجہ سے اُن کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے اور ظاہر کو حقیقت سمجھ بیٹھے۔ الزام مذکور کا یہ ثبوت کسی درجہ میں صحیح ہوتا بشرطیکہ اہل شام کے ذمہ دار اس کا انکار نہ کرتے مگر وہ انکار اور اس الزام سے اپنی براءت کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں دُنیا کی ہر عدالت کے نزدیک یہ ظاہری ثبوت مشکوک و مشتبہ ہو جاتا ہے اور بار ثبوت مدعی پر بدستور سابق باقی رہتا ہے۔ لیکن شیعی پروپیگنڈے کا اثر دیکھئے کہ ان کے انکار کو تاویل کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

> "مگر جب حضرت عمارؓ کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہؓ کے لشکر میں پہونچی اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنے والد حضرت معاویہؓ دونوں کو حضور کا یہ ارشاد یاد دلایا تو حضرت معاویہؓ

نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کہ کیا ہم نے عمارؓ کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو
اُس نے قتل کیا جو انہیں میدان جنگ میں لایا۔" (ص ۱۳۰ د ص ۱۳۹)

انصاف کی بات یہ ہے کہ انکار کو تاویل سمجھنے کی غلطی صرف انہیں سے نہیں ہوئی
بلکہ اہلسنت بھی اس میں مبتلا ہوئے ہیں یہاں تک کہ سُنی علماء کی کثیر تعداد
نے بھی نادانستہ اس کا ارتکاب کیا ہے۔ مگر ان کی بے چین شیعیت کو ترجمہ میں
تصرف کرکے دیانت کا رقص بسمل دیکھے بغیر تسکین نہ ہوئی، ملاحظہ ہو طبری کی
اصل عبارت "انما قتل عماراً من جاء به" جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے
عمارؓ کو اس شخص نے قتل کیا ہے جو انہیں لے کر آیا" معلوم نہیں۔ انہوں نے "میدانِ
جنگ" کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے؟ اسے ایجاد بندہ، تصرف بے جا اور ترجمہ میں
خیانت کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اس کا مقصد یہ مغالطہ دینا ہے کہ حضرت
معاویہؓ حضرت علیؓ کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں اس لئے کہ وہ حضرت
عمارؓ کو اپنے ہمراہ لائے اس طرح بالواسطہ ان کے قتل کا سبب بنے۔ اور ظاہر ہے
کہ یہ تاویل ہی ہے۔ اس طرح اس جملہ میں انکار کا پہلو پوشیدہ اور تاویل
کا پہلو واضح ہو جاتا ہے۔ اس غلط مقصد کے پیش نظر چودھویں صدی کے
ان داعی خلافت نے "میدان جنگ میں" کے الفاظ اپنی طرف سے اضافہ
فرما دیئے۔ واہ ری دیانت!

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کوئی تاویل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان
کے قتل سے اپنے گروہ کی برأت کا اظہار اور اس غلط الزام سے صاف صاف
انکار فرما رہے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ اصل قاتلوں کی نشاندہی بھی فرما رہے ہیں
"من" کا لفظ یہاں اپنے اصل معنی یعنی عموم کا مفہوم پیش کر رہا ہے۔ اس سے حضرت
علیؓ یا کوئی شخص خاص مراد نہیں ان کے مندرجہ بالا قول کا صحیح ترجمہ اور

حقیقی مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اُنھیں اپنے ساتھ لائے انہیں نے انہیں قتل کیا ہے لغۃً من کا لفظ عام ہے۔ جو اُردو لفظ "جو" یا "جس" کے مرادف ہے۔ جس طرح یہ دونوں لفظ عام ہیں اور ان سے بغیر کسی قرینہ کے فردِ معین نہیں مراد ہو سکتا اسی طرح "من" سے بھی بغیر قرینہ شخص معین نہیں مراد لیا جا سکتا۔ اور یہاں قرینہ مفقود ہے اس کے علاوہ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت نے بات بالکل صاف کر دی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

| | |
|---|---|
| اُنحن قتلناہ؟ انما قتلہ الذین جاؤا بہ | کیا ہم نے اُنھیں قتل کیا ہے حقیقت یہ ہے |
| (البدایہ ابن کثیر جلد ہفتم بیان شہادت حضرت عمارؓ) | کہ اُنھیں ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو انہیں لے کر آئے تھے۔ |

ان کی مُراد یہ ہے کہ ہمارے لشکر والوں نے اُنھیں نہیں شہید کیا۔ بلکہ خود انہیں کے لشکر کے سبائیوں نے اُنہیں قتل کر کے ہم پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ مودودی صاحب پر تو کوئی تعجب نہیں۔ وہ تو حضرت معاویہؓ کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ لیکن مجھے بڑی حیرت بعض علماء اہلِ سنت جیسے علامہ ابن کثیر وغیرہ پر ہے کہ اُنھوں نے اس صاف و صریح انکار کو "تاویل" کیونکر سمجھا؟ سوا اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ شیعی پروپیگنڈے نے اس غلط بات کو اس قدر شہرت دی کہ اچھے اچھے مخلص اہلِ علم بھی دھوکہ میں مبتلا ہو گئے اور اس کذب و بہتان خالص کو سچ سمجھنے لگے واضح بات ہے کہ تاویل تو کسی الزام کے اقرار کے بعد کی جاتی ہے۔ "تو کیا ہم نے اُنھیں قتل کیا ہے"؟ یہ استفہام انکاری ہے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے انہیں نہیں قتل کیا۔ انکار کے بعد تاویل کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

علامہ ابوبکر جصاص حنفی نے جو روایت نقل کی ہے۔ اس نے تو

بات کو روز روشن سے بھی زیادہ روشن کر دیا۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت معاویہؓ سے اس معاملہ میں گفتگو کی تو اُنھوں نے فرمایا :-

انما قتله من جاء به فطرحه بين اسنتنا (احکام القرآن ج ۳ تفسیر سورۃ حجرات باب قتال اہل البغی)

درحقیقت انھیں تو ان کے لانے والوں نے قتل کیا ہے۔ یہی (یعنی قتل کے بعد) انہوں نے انہیں ہمارے نیزوں کے درمیان ڈال دیا

آں ممدوح کا مطلب یہ ہے کہ سبائیوں نے انھیں شہید کیا اور ان کی لاش کو چپکے سے ہمارے لشکر کے درمیان لا کر ڈال دیا تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ انہیں لشکر شام نے شہید کیا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ انھیں ساتھ لانے والے ان کے قتل کا سبب بنے بلکہ صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ جو لوگ ان کے لانے والے ہیں انھیں نے خود انہیں قتل کیا۔ اور ان کی لاش ہمارے لشکر میں ڈال دی۔ ایک سلیم الفہم شخص کے نزدیک اس صراحت کے بعد تاویل کا احتمال ہی سرے سے باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد دنیا کی ہر عدالت میں ان کے لشکر پر اس الزام کے لگانے والوں کا دعویٰ مشکوک و مشتبہ ہو جاتا ہے اور بارِ ثبوت ان پر عائد ہو جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ اگر سبائیوں کے اولین و آخرین بھی جمع ہو جائیں تو اپنے جھوٹے الزام کو ثابت نہیں کر سکتے ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین

امیر المومنین سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان کو غلط سمجھنا ایسی جرأت ہے جس کا ارتکاب کسی سُنّی سے ناممکن ہے۔ لیکن جن لوگوں کی عقلوں میں شیعیت کا زنگ لگ چکا ہے ان پر اتمام حجت کے لئے ہم وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جن سے آں ممدوح کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر اس سے پہلے ہم اپنے دعوے کو مکرر واضح الفاظ میں پیش کرنا چاہتے ہیں ہمارا دعویٰ ہے

اور ہم پورے جزم اور وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ :-

سیدنا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہؓ کے لشکر والوں نے نہیں قتل کیا۔ بلکہ انھیں قتل کرنے والے وہی سبائی تھے جو پہلے صرف شیعہ کہے جاتے تھے اور بعد کو شیعہ اور خارجی دو فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ یہ لوگ وہی ہیں جو حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے اور حضرت عمارؓ کے دوش بدوش اہل شام کے خلاف جنگ کر رہے ہیں انھوں نے ایک منصوبے کے ماتحت حضرت معاویہؓ پر بغاوت کا الزام لگانے اور رائے عامہ کو ان کے خلاف برانگیختہ کرنے کے لئے سیدنا عمارؓ کو دیدہ و دانستہ شہید کر کے ان کی لاش پوشیدہ طور پر لشکر شام میں پہونچادی۔

یہ وہ حقیقت ہے جسے کذب و دروغ کے ڈھیر میں چھپانے کی کوشش شیعہ مورخ مثل طبری، واقدی، کلبی وغیرہ مسلسل کرتے رہے ہیں مگر وہ ظاہر ہو کر رہی۔ درحقیقت نہ یہ کوئی نیا انکشاف ہے نہ مخصوص طور پر میری تحقیق بلکہ اکابر علماء متقدمین کی ایک جماعت نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا اور انھوں نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔ دیکھئے علامہ بدر الدین عینیؒ علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں :-

فاجاب ابن بطال[1] عن ذلک فقال انما یصح هذا فی الخوارج الذین بعث الیهم علیؓ عمارًا ایدعوهم الی الجماعة (عمدة القاری شرح بخاری جلد ۲ فی باب التعاون فی المسجد ص ۳۹)

(حضرت معاویہؓ پر بغاوت کا الزام حدیث مذکور تقتلک الفئة الباغیة کی بناء پر لگایا گیا ہے اس کا جواب علامہ ابن بطالؒ نے یہ دیا ہے کہ اس کے مصداق خوارج ہیں جن کی جانب حضرت علیؓ نے حضرت عمارؓ کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت ہ

[1] ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال القرطبی شارح بخاری سن وفات ۴۴۹ھ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۲۸۳)

علامہ ابن بطالؒ کی شخصیت علم وفضل وتقویٰ کے اعتبار سے ممتاز اور تعارف سے بے نیاز ہے۔ وہ بھی اس رائے میں متفرد نہیں ہیں۔ علامہ عینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ مہلبؒ اور ایک جماعت کی بھی یہی رائے ہے[1]۔ ان کے الفاظ یہ ہیں

قلت تبع ابن بطالؒ فی ذالک المهلبؒ[2] وتابعہ علی ذلک جماعۃ (حوالہ مذکور)

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ابن بطال نے مہلب کی پیروی کی ہے اور ایک جماعت نے اس میں انکی پیروی کی

ان سب حضرات کی رائے یہ ہے کہ حدیث نبوی: تقتلک الفئۃ الباغیۃ میں فئۃ باغیہ سے مراد خوارج ہیں۔ جن کے معنی یہ ہیں کہ انھیں لوگوں نے

---

[1] علامہ عینیؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ خوارج تو بعد جنگ صفین ابھرے ہیں اور حضرت عمارؓ اسی جنگ میں شہید ہو چکے تھے۔ لیکن اعتراض صحیح نہیں۔ اولاً اس لئے کہ جنگ صفین میں ان کی شہادت خود مشکوک ہے۔ اس سلسلہ کی روایتوں میں شدید اضطراب ہے جو ان کی صحت کو مشکوک بنا دیتا ہے تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ خوارج کے طاقت پکڑنے کا زمانہ بعد کا ہے لیکن وہ موجود تو صفین کے موقع پر بھی تھے۔ ظاہر ہے کہ خوارج سبائیوں ہی کی ایک ٹولی کا نام ہے پوری ٹولی یکایک تو حضرت علیؓ کے خلاف نہ ہو گئی ہوگی۔ یقیناً پہلے سے یہ لوگ اس کے لئے کھچڑی پکا رہے ہوں گے۔ حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہو گئی ہوگی اور انھوں نے حضرت عمارؓ کو انھیں سمجھانے کے لئے بھیجا ہوگا۔ علامہ ابن بطالؒ کی مراد یہی ٹولی ہے جو صفین کے موقع پر موجود تھی۔ لیکن اس اعتراض وجواب سے قطع نظر اتنی بات تو بہرحال ثابت ہوتی ہے کہ اکابر علماء اہلسنت کی ایک جماعت اہل شام کو حضرت عمارؓ کا قاتل نہیں سمجھتی تھی بلکہ سبائی ٹولی کو اس جرم کا مرتکب سمجھتی تھی۔ اور حضرت معاویہؓ کے قول کہ ان کے لانے والوں نے انھیں قتل کیا ہے" کی مؤید تھی"

[2] المہلب بن احمد بن اسید الاسدی ابن ابی صفرہ سنہ وفات ۴۳۵ھ (معجم المؤلفین ج ۱۳ ص ۴۱۔ ۴۲)

حضرت عمارؓ کو شہید کیا تھا۔ اس تصریح کی ضرورت نہیں کہ گروہ خوارج بھی سبائیوں کی ایک شاخ ہے۔ دوسری شاخ کا نام شیعہ ہے ابتداً سب کا لقب شیعان علیؓ تھا۔ ان کا جو گروہ حضرت علیؓ کے خلاف ہوگیا اس کا نام خوارج پڑگیا۔ دونوں کی اصل ایک ہی ہے اور بقول کسے "دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں" اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ علامہ سے قاتلوں کی تعیین میں تسامح ہوا ہو۔ شیعوں کے بجائے انھوں نے خوارج فرمادیا ہو۔ لیکن ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی ان کے قاتل حضرت علیؓ ہی کی فوج کے لوگ تھے اور جو سبائیوں کے علاوہ دوسرے نہیں ہوسکتے خواہ وہ روافض ہوں یا خوارج۔

ان اقوال کے نقل کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں نے کوئی نیا انکشاف نہیں کیا ہے۔ بلکہ صدیوں پہلے کے اکابر علماء کی ایک جماعت بھی اس کی قائل تھی کہ حضرت عمارؓ کے قاتل اہل شام نہیں ہیں بلکہ بقول حضرت معاویہؓ وہی لوگ ہیں جو انھیں میدان جنگ میں لائے تھے۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں ہمارے اس دعوے کو دیکھ کر فیصلہ کیجیے :-

ہمارے دعوے کے دو جزو ہیں :-

(۱) حضرت عمارؓ کو اہل شام نے نہیں قتل کیا۔

(۲) ان کے قاتل خود سبائی تھے جو حضرت علیؓ کی فوج میں تھے۔

جزو اوّل :- اس کی پہلی دلیل تو یہی ہے جسے ہم سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں یعنی مقتضائے حدیث پر نظر کرنے سے یہ الزام باطل معلوم ہوتا ہے اگر ایسا ہوتا تو یقیناً غیر جانبدار مسلمانوں خصوصاً صحابہ کرامؓ میں حضرت معاویہؓ کے خلاف ہیجان عظیم بپا ہوتا حالانکہ اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ الزام تراشنے والوں کو بھی اپنے مقدمہ کی اس بدیہی کمزوری کا احساس ہوا جس کی

تلافی کے لئے اُنھوں نے خورد بین کی مدد سے ایسے صحابہ کو دیکھنے کی کوشش کی جنہوں نے اس واقعہ کے بعد اپنی غیر جانبدارانہ روش تبدیل کر دی ہو مگر پھر بھی کوئی نہ مل سکا۔ حالانکہ اگر دو چار مل بھی جاتے تو اس سے بھی کام نہ چلتا سوال تو یہ تھا کہ بقول مخالف اس "نص صریح" کے بعد تو پوری دنیائے اسلام میں اہل شام کے خلاف ہیجان پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ دو چار آدمی اگر میسر بھی ہو گئے تو اس سے مدعا کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حضرت معاویہؓ کے حق میں ان کی نصرت کا کرشمہ دیکھو کہ ایک بھی ایسا نہ مل سکا۔ ناکامی کے بعد سبائیوں نے جعلی روایتیں وضع کرنا شروع کیں مگر اس حرکت مذبوحی سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اسی قسم کی ایک جعلی و موضوع روایت مودودی صاحب نے بھی نقل کر کے اس کمزوری کو چھپانے کی سعی لاحاصل کی ہے لکھتے ہیں :۔

> "حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے آخری زمانے میں کہا کہ مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات پر کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ (ص۱۳۶)

اس کے لئے اُنہوں نے طبقات ابن سعد اور استیعاب کا حوالہ دیا ہے۔ اس کی سند کا یہ حال ہے کہ اس کے طرق میں عبدالعزیز بن سیاہ اور حبیب الجبار بن العباس شیعہ ہیں۔ جن کی روایت قابل قبول نہیں۔ ایک سند میں کوئی شیعہ نہیں نظر آتا مگر اکیلا حبیب بن ابی ثابت ہی ہوتی ہے جن کی ثقاہت میں کلام نہیں مگر مدلس ہیں۔ اور عنعنہ کے ساتھ روایت کر رہے ہیں مدلس کی روایت عنعنہ کے ساتھ باتفاق محدثین غیر مقبول ہوتی ہے۔ گویا سند کے اعتبار سے یہ روایت ساقط الاعتبار ہے۔ اور کسی شیعہ کی وضع کی ہوئی ہے۔ سبائی کارخانہ کے اس دروغ بے فروغ کا جھوٹ واقعات سے بھی ظاہر ہے۔ حضرت ابن عمرؓ

تو عبدالملک کے زمانہ تک زندہ رہے مگر انھیں کبھی اپنی غلطی کا احساس نہ ہوا حالانکہ بقول آپ کے "نص صریح" سے حق و باطل کا حال کھل گیا تھا۔ حالانکہ متعدد مواقع اس غلطی کی تلافی کے آئے اور ہوا تو آخر وقت میں؟ حالانکہ یہی حضرت ابن عمرؓ بلوے کے وقت حضرت عثمانؓ کی طرف سے جنگ کرنے کے لئے ان کے دولت کدہ پر فوراً پہونچ گئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انھوں نے جنگ کی اجازت نہ دی۔ اسی سے ظاہر ہے کہ یہ کسی شیعہ کی وضع کی ہوئی جعلی اور جھوٹی روایت ہے۔ انھوں نے کبھی یہ بات نہیں فرمائی۔ مزید یہ کہ بخاری شریف میں ان کے زخمی ہونے اور اس کی وجہ سے وفات پانے کا واقعہ مفصل مذکور ہے مگر اس میں کہیں بھی اس اظہار افسوس کا تذکرہ نہیں۔ علاوہ بریں اگر ہم بالفرض روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ یہ افسوس حضرت معاویہؓ کے خلاف جنگ نہ کرنے پر تھا؟ خوارج سے جنگ میں بھی تو انھوں نے کسی عذر کی وجہ سے شرکت نہیں فرمائی اسی پر اظہار افسوس فرماتے ہوں گے۔ اسی طرح کی ایک بے سند ساقط الاعتبار روایت حضرت مسروق بن الاجدع کے متعلق نقل کی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ صاحب کوئی صحابی نہیں ہیں، بلکہ تابعی ہیں۔ اگر یہ روایت تسلیم بھی کر لی جائے تو ان کے قول کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ اس کے ساتھ یہاں بھی یہ احتمال نکلتا ہے۔ کہ خوارج کے مقابلہ میں شرکت نہ کرنے کا افسوس ہو۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق یہ لکھنا کہ انھیں جنگ میں حضرت معاویہؓ کا ساتھ دینے پر ندامت رہی۔ بالکل ہی مہمل اور شیعوں کی وضع کی ہوئی جھوٹی روایت ہے بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ استیعاب قابل اعتماد کتاب نہیں، صحیح واقعات کے ساتھ سبائی کارخانہ کا جو کوڑا اس کتاب میں ڈھیر کر دیا گیا ہے اس کا ایک حصہ یہ روایت بھی ہے۔

روز روشن کی طرح روشن بات ہے کہ وہ آخر دم تک حضرت معاویہؓ کے معاون وحامی رہے۔ آخر وہ اس پر نادم کب ہوگئے؟ اور ندامت کے بعد کیوں نہ حضرت علیؓ کے ساتھ ہوگئے؟ حضرت عمارؓ کی شہادت کے بعد تو آپ کے بقول "نص صریح" سے حق واضح ہوگیا تھا۔ پھر انھوں نے حضرت معاویہؓ کا ساتھ کیوں نہ چھوڑ دیا؟ اور حضرت علیؓ سے کیوں نہ مل گئے؟ کوئی احمق ہی زیر بحث روایت کو صحیح سمجھ سکتا ہے [1]

---

[1] صفحہ ۱۳۹ کے حاشیہ پر مودودی صاحب نے بحوالہ شرح فقہ اکبر ایک روایت درج کی ہے۔

ان کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ حضرت علیؓ لشکر شام ہی کو قاتل عمارؓ سمجھتے تھے اور حضرت معاویہؓ کے قول کو انکار نہیں بلکہ تاویل سمجھتے تھے۔ لکھتے ہیں، حضرت علیؓ کو جب حضرت معاویہؓ کی اس تاویل کی خبر پہونچی تو انھوں نے فرمایا اس طرح کی تاویل سے تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قاتل خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اس کے متعلق اولاً یہ گذارش ہے کہ یہ کسی شیعہ کی وضع کی ہوئی روایت ہے جو کسی شیعہ کاتب نے شرح فقہ اکبر میں ملحق کر دی ہے۔ جس کا قرینہ یہ ہے کہ کتاب کے سب نسخوں میں یہ روایت نہیں ہے میرے پاس آفتاب ہند پریس کی چھپی ہوئی کتاب ہے اس میں اس کا نام ونشان بھی نہیں۔ اس کے علاوہ جہاں ہے بے سند ہے اس لئے ساقط الاعتبار اور مردود ہے۔ ثانیاً بالفرض اسے صحیح بھی تسلیم کرلیں تو اس سے استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ تو خود فریق تھے۔ ایک فریق کا قول دوسرے کے خلاف حجت نہیں بنایا جاسکتا۔ اعتبار تو غیر جانبدار حضرات کی رائے کا کیا جا سکتا ہے۔ ثالثاً؛ حضرت علیؓ کو سبائیوں نے جو خبریں دیں اور صورت معاملہ کو ان کے سامنے جس طرح پیش کیا اسی کے مطابق انھوں نے رائے قائم فرمائی۔ لیکن جب سبائیوں کی خبریں ہی غلط تھیں تو ان کی رائے پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ان کی کوئی غلطی نہ تھی مگر یہ رائے صحیح نہیں کہی جا سکتی۔ رابعاً: اس روایت کے غلط ہونے کا

(باقی صفحہ ۲۶۲ پر)

**دوسری دلیل** | طبقات ابن سعد کی مندرجہ ذیل روایت ہے۔ اصل عبادت کا میں نے خود ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ دار المصنفین اعظم گڑھ ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

ہنی مولیٰ عمر بن الخطاب سے مروی ہے کہ ابتداً میں علیؓ کے مقابلہ میں معاویہؓ کے ساتھ تھا۔ معاویہؓ کے ساتھی کہنے لگے کہ واللہ ہم عمارؓ کو کبھی قتل نہ کریں گے اگر ہم ان کو قتل کریں گے تو ہم ویسے ہی ہو جائیں گے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں یعنی باغی۔ جنگ صفین ہوئی تو میں مقتولین کو دیکھنے گیا اتفاق سے عمار بن یاسرؓ بھی مقتول تھے میں عمرو بن العاصؓ کے پاس گیا جو اپنے تخت پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور کہا کہ اے ابو عبداللہؓ انھوں نے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ چل کر دیکھ لو تو میں تم سے بات کروں۔ وہ اُٹھ کر میری طرف آئے میں نے کہا کہ عمار بن یاسر کے حق میں تم نے کیا سنا ہے؟ اُنھوں نے کہا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ انہیں باغی گروہ قتل کریگا۔ میں نے کہا وہ یہ ہیں واللہ مقتول ہیں۔ انھوں نے کہا یہ غلط ہے۔ میں نے کہا میری آنکھ نے انہیں مقتول دیکھا ہے۔ انھوں نے کہا چل کر مجھے دکھاؤ۔ میں انھیں لے گیا۔ اور اُن کے پاس کھڑا کر دیا۔ تھوڑی دیر تک اُنھوں نے دیکھا ان کا رنگ بدل گیا پھر اُنھوں نے ایک اور پہلو اختیار کیا اور کہا کہ ان کو انھیں لوگوں نے قتل کیا ہے جو اُنھیں لے کر آئے تھے۔" طبقات ابن سعد طبقہ مہاجرین حصہ دوم جلد ۵ ص ۱۷۹ ترجمہ شائع کردہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۱ پر) ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس معاملہ کی تشہیر نہیں فرمائی نہ کسی موقع پر اس سے استدلال فرمایا جیسا کہ ہم مفصل بیان کر چکے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اہل شام کو انکا قاتل نہیں سمجھتے تھے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور روز روشن کی طرح روشن ہو جاتے ہیں

(۱) حدیث تقتلک الفئۃ الباغیۃ لشکر اہل شام میں مشہور تھی اور اس کی وجہ سے

(۲) حضرت معاویہؓ کے رفقاء اور اُن کا پورا لشکر حضرت عمارؓ کے قتل سے احتراز اور پرہیز کرنا چاہتا تھا۔ دیکھئے وہ صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم انھیں قتل کر دیں گے تو اس حدیث کی بناء پر ہم باغی قرار پائیں گے۔ وہ خود کو حق پر سمجھتے تھے اور اپنے اقدام کو نہ بغاوت سمجھتے تھے۔ اور نہ اس لقب کے مستحق بننے کے لئے تیار تھے۔ اس لئے انھوں نے قسم کھا کر عزم مصمم کر لیا تھا کہ انھیں قتل نہ کریں گے۔

(۳) حضرت عمروؓ بن العاص کو یقین تھا کہ ان کے لشکر والے ہرگز ہرگز حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کریں گے۔ اس پر وہ اس قدر مطمئن تھے کہ انھیں "ہنی" کی بات پر اعتبار نہیں ہوا۔ اور ان کی لاش دیکھ کر متحیر و متفکر ہو گئے۔

(۴) حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی حدیث مذکور کا علم تھا اس لئے وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت عمارؓ کو وہ یا ان کے لشکر والے قتل کر دیں۔

(۵) جب انھوں نے ان کی لاش دیکھی تو غور و مشاہدے سے واقعہ کی حقیقت سمجھ گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ یہ حرکت سبائیوں (شیعہ و خوارج) کی ہے۔ انھوں نے حضرت عمارؓ کو قتل کر کے ان کی لاش یہاں لا کر ڈالدی ہے۔ تاکہ الزام ہم پر لگے اور از روے حدیث ہم باغی قرار پائیں [1]

---

[1] ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے لاش دیکھ کر اصل قاتلوں کو کیسے معلوم کر لیا؟ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ نہ کوئی مشکل بات ہے اور نہ تعجب خیز ایک معمولی ذہین آدمی لاش کی ہیئت اور وضع کو دیکھ کر بہت آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ مقتول کو اسی جگہ قتل کیا

(باقی صفحہ ۲۶۴ پر)

(۶) انھوں نے بھی بالکل وہی بات کہی جو حضرت معاویہؓ نے فرمائی تھی یعنی اپنے لشکر کی جانب اس قتل کی نسبت کا انکار فرمایا اور اصل قاتلوں کی نشاندہی فرمائی۔

ان امور کا نتیجہ صریح یہ نکلتا ہے کہ اہل شام یعنی حضرت معاویہؓ کے لشکر نے حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا۔ ان پر قتل کا الزام یقیناً افترا اور بہتان ہے کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ ایسی حرکت کس طرح کر سکتے تھے جس کے متعلق وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کے سیاسی و حربی مقصد کو خاک میں ملا دے گی۔ اور ان کی پوزیشن پوری دنیائے اسلام میں خراب کر کے انھیں بالکل ناکام بنا دیگی۔

تیسری دلیل ابن جریر طبری کی وہ روایت ہے جو اس نے حوادث ۳۷ھ کے تذکرے میں مقتل عمار بن یاسرؓ کے ماتحت درج کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمارؓ کی شہادت کے بعد شب کو عبدالرحمن سلمی لشکر شام میں گئے تاکہ یہ معلوم کریں کہ اس حادثہ کا ان لوگوں پر کیا اثر ہوا۔ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حدیث مذکور پڑھی اور انھوں نے کہا کہ "قتلہ الذین جاء وبہ" ان کو انھیں لوگوں نے قتل کیا ہے جو انھیں لے کر آئے تھے" اس کے بعد عبدالرحمن کہتے ہیں :-

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۳) کیا گیا ہے یا دوسری جگہ قتل کر کے لاش یہاں لا کر ڈالی گئی ہے؟ بلکہ یہاں تک بتایا جا سکتا ہے کہ مقتول پر کس رخ سے حملہ کیا گیا تھا؟ اور آلہ قتل کیا تھا؟ قتل کرنے والے کس قسم کے افراد تھے؟ ان امور پر غور کر کے قاتلوں کا پتہ لگانا پولیس کا روزمرہ ہے۔ اور ہزاروں قاتلوں کا اس طرح پتہ لگتا رہتا ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص تو غیر معمولی طور پر ذہین اور عبقری شخصیت رکھتے تھے۔ ان کی ذکاوت و فطانت ضرب المثل تھی۔ انھوں نے لاش دیکھنے کے بعد قاتلوں کو پہچان لیا ہو تو تعجب کی کیا بات ہے؟

| | |
|---|---|
| فخرج الناس من عند فساطيطهم و اخبيتهم و هم يقولون انما قتل عماراً من جاء به" | لوگ (اہل لشکر شام) اپنے ڈیروں اور خیموں سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ یقیناً عمارؓ کو انھیں لوگوں نے قتل کیا ہے جو انھیں لائے تھے۔ |

یہ روایت طبری سے البدایہ والنہایہ میں بھی نقل کی گئی ہے۔ اس سے طبقات ابن سعد کی روایت مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔ اور مندرجہ ذیل امور روشن ہو جاتے ہیں :۔

(۱) حضرت معاویہؓ نے اپنے لشکر کی جانب اس قتل کی نسبت کو غلط کہا اور فرمایا کہ درحقیقت ان کے قاتل خود ان کے لشکر والے ہیں۔ جو سبائیوں کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے تھے۔

(۲) ان کے پورے لشکر میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی اور ہر شخص اس بات کا قائل ہو گیا کہ عمارؓ انھیں خود ان کے ساتھیوں (یعنی سبائیوں) نے قتل کیا ہے۔

(الف) سوال یہ ہے کہ اگر یہ بات محض تاویل تھی جس کا بعید ہونا چودہ سو سال کے بعد مودودی صاحب کو بھی بالکل بدیہی نظر آتا ہے تو خود لشکر اور وہاں کی پبلک نے اس رکیک تاویل کو کیسے قبول کر لیا؟ اور اس حادثہ سے از روئے حدیث اپنے باغی ہونے اور حضرت معاویہؓ کے برسر باطل ہونے کا جو شبہ ان کے دل میں قدرتاً پیدا ہو گیا تھا اس تاویل بعید سے کیسے دور ہو گیا؟ اور وہ اس سے کس طرح مطمئن ہو گئے؟ کیا لشکر شام بلکہ وہاں کے خواص و عوام سب کے سب اس قدر احمق اور عقل و خرد سے بیگانہ تھے کہ ان کے لانے والوں کو قتل کا سبب بعید سمجھ کر اصل قاتل اور باغی سمجھ لیا اور اصل

قاتلوں کو بالکل نظر انداز کر دیا؟ جو شخص اہل شام کو اس قدر بیوقوف سمجھتا ہے۔ اس کی بدفہمی اور بے عقلی میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ بات مہر نیمروز کی طرح واضح ہے۔ پورا لشکر شام حقیقت سے واقف ہوگیا تھا۔ اور حضرت معاویہؓ کے اس قول کے متعلق اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی کہ یہ تاویل ہے۔ بلکہ اسے اس قتل سے انکار اور اصل حقیقت کا اظہار سمجھتا تھا۔ جس کی وجہ سے ان میں کا ہر کہ ومہ بالکل مطمئن ہوگیا کہ ہمارا کوئی ساتھی حضرت عمارؓ کا قاتل نہیں ہے اور نہ ہم حدیث مذکور کے مصداق ہیں۔ بلکہ ان کے قاتل وہی غدار ومکار سبائی ہیں جنہوں نے سیدنا حضرت عثمانؓ سے بغاوت کرکے انہیں شہید کیا۔ "منافقوں کی یہی ٹولی حدیث مذکور کی مصداق ہے جو اپنے یوم پیدائش سے "فئۃ باغیہ" ہے اور سیدنا عمارؓ کو قتل کرنے کے بعد "ظلمات بعضھا فوق بعض" کا نمونہ بن گئی ہے۔

(ب) ذرا مندرجہ بالا روایت کے عربی الفاظ پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ اہل شام اپنی بات لفظ "انما" سے شروع کرتے ہیں جو عربی میں کلمہ حصر ہے اور اسی وقت بولا جاتا ہے جب متکلم کو اپنی بات پر پورا جزم اور وثوق ہو میں نے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ اور اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس پر خط کھینچ دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل شام کو یقینی ذرائع اور دلائل سے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ حضرت عمارؓ کے قاتل وہی لوگ ہیں جن کے دامن امت کے شہید اعظم سیدنا عثمانؓ کے خون ناحق سے داغدار ہیں۔ ممکن ہے کہ انھیں اس کی عینی شہادتیں مل گئی ہوں۔ یا ایسے قوی قرائن معلوم ہوگئے ہوں جن کی بنیاد پر انھیں اس کا اس قدر یقین اور وثوق ہوگیا کہ وہ کلمہ حصر کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ سوا ان لوگوں (یعنی سبائیوں) کے کوئی بھی اس قتل میں

حصہ دار نہیں۔ اور ہر شامی کا دامن ان کے خونِ ناحق کی چھینٹوں سے بالکل پاک ہے اس روایت میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ راوی کے بیان کے مطابق حضرت معاویہؓ نے جملہ مذکورہ چند آدمیوں کے سامنے فرمایا تھا اور جس جگہ یہ گفتگو ہو رہی تھی وہاں چند آدمیوں کے سوا کسی کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ بات بالکل بعید از قیاس ہے کہ چند لمحوں میں ان کی بات پورے لشکر میں اس طرح پھیل گئی، کہ پورے لشکر کے لوگ اپنے اپنے خیموں میں ڈیروں سے نکل نکل کر اس بات کو دہرانے لگے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لشکر شام میں یہ بات ان کے فرمانے سے پہلے ہی مشہور ہو چکی تھی جس کی صورت اس کے سوا اور کوئی سمجھ میں نہیں آتی کہ اہل عسکر کی ایک معتد بہ جماعت کو خود اپنے ذرائع سے یقینی اور قطعی طور پر سبائیوں کے اس ظالمانہ فریب کی حقیقت معلوم ہوگئی تھی اور انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے ساتھ یہ چیشانہ چال بازی کی گئی ہے کہ ہمیں باغی ثابت کرنے کے لئے سبائیوں (شیعوں اور خارجیوں) نے خود حضرت عمارؓ کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ کر اس کا الزام ہمارے سر تھوپا ہے اور اس غرض سے ان کی لاش ہمارے لشکر میں لاکر ڈال دی ہے۔ خواہ خود اپنی اطلاعات کی بنا پر انھوں نے یہ رائے قائم کی ہو یا حضرت معاویہؓ کی بات سننے کے بعد ان کے اعتماد پر بہرکیف یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ حضرت معاویہؓ نے تاویل نہیں فرمائی تھی بلکہ اظہار واقعہ فرمایا تھا۔ اور وہ بات بالکل صحیح اور حق ہے یعنی یہ قتل شامیوں نے نہیں بلکہ خود سبائیوں نے کیا تھا۔

دلیل چہارم یہ ہے کہ خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہونے والے مخلصین کی بھی یہ رائے نہ تھی کہ حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے لشکر والوں نے شہید کیا ہے اور اس بناء پر وہ حدیث مذکورہ کا مصداق ہیں۔

دیکھئے یہ حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور آخر تک حضرت علیؓ کے طرفدار رہے۔ صفین میں ان کی طرف سے حضرت معاویہؓ کے خلاف جنگ میں شریک رہے لیکن میدان صفین ہی میں جب انھوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا اور بعض خوارج نے اس پر اعتراض کیا۔ تو اس کے جواب میں وہ کیا فرماتے ہیں اسے طبری کی ایسی کسی گھٹیا تاریخی کتاب میں نہیں بلکہ بقول محدثین اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں دیکھئے:۔

| | |
|---|---|
| قال ابو وائل لما قدم سهل بن حنيف من صفين اتيناه نستخبره فقال اتهموا الرای فلقد رأيتني يوم ابی جندل ولو استطيع ان ارد على رسول الله صلى الله عليه وسلم امره لرددت والله ورسوله اعلم وما وضعنا اسيافنا على عواتقنا لامر يفظعنا الا اسهلن بنا الى امر نعرفه قبل هذا الامر ما نسد منه خصما الا انفجر علينا خصم ما ندری كيف | ابو وائل کہتے ہیں کہ جب حضرت سہل بن حُنیف صفین سے واپس ہوئے تو ہم ان سے احوال معلوم کرنے کے لیے گئے۔ انھوں نے فرمایا خود اپنی ہی رائے پر الزام لگاؤ میرا تو یہ حال ہے کہ یوم ابوجندل (صلح حدیبیہ) کے موقع پر میں اپنے جوش وخروش کی کیفیت ایسی پاتا تھا کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ممکن ہوتی تو یہ بھی کر گزرتا اور اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں اور اس معاملہ (جنگ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ) سے پہلے جس پریشان کن کام کے لیے ہم تلوار شانوں پر رکھتے تھے اسے ہماری تلواریں آسان |

---

لے مقصد غیرت اسلامی کی شدت کا بیان کرنا ہے۔ جو حضرت ابوجندلؓ کی واپسی کے فیصلے سے ابھر پڑی (بقیہ صفحے پر ۲۶۹)

ناقی لسۃ۔

(بخاری شریف ج ۲ کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ)

بنا دیتی تھیں اور کسی جانے بوجھے انجام تک پہونچا دیتی تھیں۔ (مگر اس کام یعنی اس خانہ جنگی کا یہ حال ہے) کہ ہم اس کا ایک دہانہ بند کرتے ہیں تو دوسرا دہانہ پھوٹ پڑتا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس سے کس طرح نمٹیں۔

مطلب یہ ہے کہ میرے اندر جنگ صفین میں جو جوش و خروش نہیں پیدا ہوا اور بیباکی کے ساتھ تیغ زنی سے جو میں نے گریز کیا اس کا سبب خدانخواستہ بزدلی نہیں تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقابلہ میں بھی مسلمان تھے جن کا باطل پر ہونا واضح اور یقینی نہ تھا اس لئے جنگ میں احتیاط برتنا ناگزیر تھا۔ کیونکہ ایسی صورت میں فطری طور پہ ایک متقی مسلمان کا ہاتھ رک رک کر چلتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انھیں معلوم تھا کہ حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے لشکر والوں نے شہید کیا ہے اور انہیں حدیث مذکور کا بھی علم تھا تو اس تردد اور پس و پیش کے کیا معنی؟ اس وقت تو بقول مودودی صاحب نص صریح سے مخالف کا باغی اور برسر باطل ہونا واضح ہو گیا تھا۔ اور باغی سے قتال کا حکم بھی قرآن مجید کی نص صریح سے ثابت ہے۔ پھر تردد کا کیا محل تھا؟ اس کے صاف

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸) یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔ خود فرما رہے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت ابوجندل کا کفار کے ہاتھ میں دوبارہ اسیر ہونا سخت رنجدہ اور غم انگیز تھا مگر آنحضور کے حکم پر سر تسلیم خم کر کے خاموش ہو گیا یہ سمجھ لیا کہ اسی میں مصلحت و حکمت ہوگی اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

اور صریح معنی یہ ہیں کہ وہ لشکر شام کو ان کا قاتل نہیں سمجھتے تھے۔ پھر یہ بھی ناممکن ہے کہ لشکر مخالف اتنی اہم شخصیت کو قتل کرے اور انہیں اس کا علم نہ ہو۔ باوجودیکہ وہ خود لشکر میں موجود تھے۔ اس سے مہر نیمروز طرح یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر والوں نے حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کیا تھا

(ب) علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ جلد ہفتم احوال جنگ صفین کے ماتحت یہ بحث چھیڑی ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء کسی نص صریح کی بنیاد پر خود کو برسر حق سمجھتے تھے یا اجتہاد کی بنیاد پر اس ذیل میں مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور مسلم شریف سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمارؓ سے جب حضرت قیس بن عباد نے دریافت کیا کہ آپ جو حضرت علیؓ کا ساتھ دے رہے ہیں یہ آپ کا اجتہاد ہے یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں آپ نے کچھ فرمایا تھا؟ جواب میں انھوں نے فرمایا کہ آنحضورؐ نے مجھے اس بارے میں مخصوص طور پر کچھ نہیں فرمایا تھا۔ یعنی میرا یہ رویہ میرے اجتہاد پر مبنی ہے نہ کہ کسی نص پر۔ اسی کے بعد حضرت علیؓ کے متعلق بھی ایک روایت نقل کی ہے جن کا ماحصل بھی یہی ہے۔ اور حضرت سہلؓ بن حنیف کی مندرجہ بالا حدیث بھی ذکر کی ہے۔ ان روایات کو جس طرح پر انھوں نے نقل فرمایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود علامہؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ ان حضرات کا اقدام بر بنا اجتہاد تھا نہ کہ بر بنا نص۔

یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر لشکر شام نے حضرت عمارؓ کو شہید کیا تھا تو نص صریح سے مخالفین کا باغی ہونا ثابت ہو گیا تھا۔ نص کی موجودگی میں اجتہاد کے کیا معنی ہیں کم از کم حضرت عمارؓ کو تو کہنا ہی چاہیے تھا کہ جب یہ لوگ مجھے شہید کر دیں تو انھیں یقینی طور پر باغی سمجھنا۔ اور ان کی شہادت کے بعد تو سب ہی کو اجتہاد کے بجائے اس نص صریح سے استدلال کرنا چاہیے تھا۔ اس سے یہ حقیقت

الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی جو خود فریق تھے اور میدان جنگ میں موجود تھے حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے لشکر والوں نے شہید نہیں کیا اور وہ لشکر شام کو اس الزام سے بری سمجھتے تھے۔

اس کے بعد اس تعریح کی ضرورت نہیں کہ ان حضرات کا جو حضرت معاویہؓ سے برسرِ جنگ تھے اور جائے وقوعہ پر موجود ہونے کی وجہ سے حقیقت واقعہ سے سب سے زیادہ باخبر ہو سکتے تھے۔ ان کے لشکر کو اس الزام سے بری سمجھنا اس بات کی برہان ساطع اور دلیل قاطع ہے کہ واقعتاً ان کا لشکر اس کا ذمہ دار اور حدیث مذکور کا مصداق نہ تھا۔

جزو دوم | ہمارے دعوے کا دوسرا جزو یہ تھا کہ :-

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو خود سبائیوں نے قتل کیا جو ان کے ساتھ حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے!

اس کے متعلق اتنی بات گوش گزار کر دینا مناسب ہے کہ ہماری ذمہ داری صرف یہ تھی کہ اس خونِ ناحق سے لشکر شام اور حضرت معاویہؓ کے گروہ کو بری ثابت کر دیں۔ ہم یہ ذمہ داری پوری کر چکے اور دلائل واضحہ سے اس دعوے کو ثابت کر کے اس حقیقت کے روشن چہرے کی نقاب کشائی کر چکے کہ آں ممدوح اور ان کا لشکر اس الزام سے بالکل بری ہے اور حدیث مذکورہ کی بنا پر فئۃ باغیہ نہیں تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ وغیرہ ماضی کے سُنّی علماء و مورخین نے جو ان کی طرف اس حادثہ کو منسوب کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہیں ان دلائل اور واقعات کی طرف توجہ نہیں ہوئی طبری وغیرہ شیعہ مورخین کے اعتماد پر انھوں نے یہ غلط بات نقل کر دی۔ جسے شیعی پروپگنڈے نے شہرت عام کا لباس پہنا دیا۔ ان حضرات کی غلط فہمی کا ایک بڑا سبب یہی تھا۔ ان کی رائے اس مسئلہ میں یقیناً غلط ہے لیکن

اس غلطی کے بارے میں انھیں معذور سمجھا جائے گا۔ مگر مندرجہ بالا دلائل دیکھنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس پر اصرار کرے کہ حضرت عمارؓ کو لشکر شام نے قتل کیا تھا تو وہ یقیناً معاندت وھرم اور بغض صحابہ کے مرض خبیث میں مبتلا ہے۔

ہاں تو عرض یہ کرنا ہے کہ جزو اوّل کے ثابت کرنے کے بعد اصولاً ہماری ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے اور کسی قاعدے سے بھی یہ فریضہ ہم پر عائد نہیں ہوتا کہ ہم ان کے قاتلوں کی نشاندہی بھی کریں۔ ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے قاتل حضرت معاویہؓ کے لشکر والے نہیں تھے۔ پھر کس نے قتل کیا؟ اس کا جواب ہمارے ذمہ نہیں لیکن ہمارا مقصد ان کی جانب سے دفاع کے علاوہ حقیقت نمائی اور ان مفسدوں کی نقاب کشائی بھی ہے جنہوں نے ان حضرات کے خلاف بہتان طرازی کی اور جو اسلام میں سلسلہ فتن کے بانی تھے۔ یہ وہی سبائی تھے جو شیعانِ علیؓ کے نام سے ان کے لشکر میں موجود تھے۔ بعد کو یہ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے یعنی شیعہ اور خوارج۔ مگر سبائیت دونوں میں مشترک رہی۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے سیدنا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، اور اسی کو حدیث مذکور میں فئۃ باغیہ فرمایا گیا ہے۔ اسی نے انھیں قتل کر کے الزام لشکر شام پر لگا دیا مگر ؎

قریب آتا ہے روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

آستین کا لہو آج بھی پکار پکار کر ان کے جرم عظیم کا انکشاف کر رہا ہے۔ اور جس شخص کو حق تعالیٰ نے فراست ایمانی کے ایک ذرے سے بھی نوازا ہے وہ "لتعرفنھم فی لحن القول"[لے] کی روشنی میں آج بھی انھیں پہچان لیتا ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں :-

---

لے سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) منافقین کے متعلق ارشاد باری ہے کہ آپ انھیں ان کے طرز کلام سے ضرور پہچان لیں گے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت عمروؓ بن العاص اور ان کا پورا لشکر لاش دیکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ انھیں سبائیوں نے قتل کیا ہے ہم اس واقعہ کی تفصیل بیان کر چکے ہیں اور واضح کر چکے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے تاویل نہیں کی تھی بلکہ اظہار حقیقت کیا تھا۔ اول تو ان کے متعلق یہ سوء ظن جائز نہیں کہ انہوں نے غلط کہا۔ اور اگر بفرض محال اس کا امکان بھی تسلیم کر لیا جائے تو پورے لشکر کا اس غلط بیانی کو قبول کر لینا اور سب کا اس پر متفق ہو جانا بالکل خلاف عقل وقیاس ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا بیان صحیح تھا اور اصل قاتل سبائی ہی تھے۔

دوسری دلیل: اس میں تو کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ حضرت عمارؓ کو قتل کیا گیا۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اہل شام نے انھیں قتل نہیں کیا۔ اس کے بعد یہ بات متعین اور یقینی ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ ہی کے لشکر والوں نے انھیں جام شہادت پلایا تھا۔ لیکن ان کے لشکر میں دو قسم کے افراد تھے۔ ایک جماعت تو مخلص اور صالح افراد کی تھی جو محض حق تعالیٰ جل شانہٗ کی رضا و خوشنودی کے لئے ان کا ساتھ دے رہے تھے اور اپنے اجتہاد کے بموجب ثواب آخرت حاصل کر رہے تھے۔ ان میں صحابہ بھی تھے اور تابعین بھی۔ اس جماعت پر اس حرکت شنیعہ کا ادنیٰ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا گروہ سبائیوں کا تھا جو اپنے نفس اور شیطان کے متبع تھے اور منافقانہ طور پر محض اپنے اغراض فاسدہ کے لئے ان کے ہمدرد بن کر شریک جنگ تھے۔ جب یہ واضح ہو چکا کہ مندرجہ بالا دونوں جماعتیں اس جرم کی مرتکب نہیں ہوئیں تو منطقی طور پر اسی تیسری جماعت یعنی سبائی ٹولی کا مجرم ہونا متعین ہو گیا۔ قاتل خواہ شیعہ ہوں یا خارجی یہ بات متعین ہے کہ وہ سبائی تھے۔

تیسری دلیل: شہادت حضرت عمارؓ کے متعلق واقعات و روایات پر غائر

نظر کرنے سے ہر سمجھدار آدمی اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ ان کے قاتل یہی سبائی تھے خواہ وہ شیعہ ہوں یا خارجی اور انھوں نے اپنے جرم کو چھپانے کے لئے اس پر جھوٹی اور جعلی روایتوں کی مٹی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس حادثہ فاجعہ کو تاریخ کے پردہ میں پر ملاحظہ فرمایئے لیکن بطور مقدمہ یہ بات پیش نظر رکھئے کہ جرم قتل کی تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

(الف) وقت قتل (ب) کیفیت قتل (ج) آلہ قتل (د) سبب قتل اور قتل کے بعد لاش کی کیفیت اس قسم کے حادثہ میں قاتل کا پتہ لگانے کے لئے ان امور پر غور کرنا لازم ہے۔ اور انھیں سامنے رکھ کر تحقیق و تفتیش کرنے سے بڑے بڑے چالاک قاتل بعض اوقات گرفتار ہو کر سزایاب ہوتے ہیں۔ چودہ سو برس کے بعد یہ تو ممکن نہیں ہے کہ قاتلوں کا ہاتھ پکڑ کر بتا دیا جائے کہ یہ مجرم ہیں لیکن یہ بتا دینا اب بھی ممکن ہے کہ تاریخ کو اگر قوت گویائی عطا فرما دی جائے تو وہ پکار پکار کر کہے گی کہ سیدنا عمارؓ کے قاتل وہی سبائی ہیں جنھوں نے اپنی صفت دروغ بافی کی پوری مہارت و حذاقت اس کا الزام لشکر شام پر لگانے میں صرف کر دی تھی۔ روایات متعلقہ کا استقراء کیجئے اور ان پر غائر نظر ڈال کر میری بات کی صحت و غلطی کا فیصلہ فرمائیے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۶۷ پر مقتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا عنوان قائم کر کے اس سلسلہ کی سب روایتوں کو طبری وغیرہ سے یکجا نقل کر دیا ہے ان روایات میں سے اکثر میں کوئی نہ کوئی شیعہ یا خارجی راوی موجود ہے۔ شروع کی دو روایتوں میں تو قتل کے واقعہ کا تذکرہ ہی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ سرفہرست مشہور شیعہ راوی ابومخنف کی روایت بحوالہ طبری ہے مگر اس میں بھی حضرت عمارؓ کے جوش و خروش کا تذکرہ ہے جنگ یا شہادت کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس کے بعد میں ابن دیزیل کی ایک روایت ملتی ہے جس کا ایک راوی جابر جعفی ہے۔ یہ غالی شیعہ تھا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جابر کا ایسا جھوٹا

اور کتاب آدمی نہیں[1] دیکھا۔ خیر تو اس روایت میں ان کی شہادت کا واقعہ مذکور ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ابوالغادیہ فزاری نے انھیں نیزہ مارا اور ابن جوی سکسکی نے سر کاٹ لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سر تن سے جُدا کر دیا گیا تھا۔ یہ سر کیا ہوا؟ اس کا کوئی تذکرہ کہیں نہیں ملتا۔ اس سے قطع نظر "ہٹی" کی جو روایت طبقات ابن سعد سے چند صفحات پیشتر نقل ہو چکی ہے وہ صاف طریقے سے بتا رہی ہے کہ سر مبارک تن سے جُدا نہیں ہوا تھا۔ اگر سر تن پر موجود نہ ہوتا تو "ہٹی" دیکھتے ہی لاش کو شناخت کیونکر کر لیتے؟ اسی طرح حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی دیکھتے ہی پہچان لیا اس کے معنی یہ ہیں کہ سر مبارک جسم کے ساتھ وابستہ تھا۔ دونوں روایتوں میں یہ کھلا ہوا تناقض اور تضاد ہے۔

علاوہ بریں یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دیکھنے والے نے اتنی عظیم شخصیت کو قتل ہوتے دیکھ کر انھیں بچانے کے لئے خود کیا کیا؟ اس کا کوئی تذکرہ روایت میں نہیں ہے۔ نہ اس کا تذکرہ ہے کہ ان کے دوسرے ساتھیوں نے ان کی کیا امداد کی؟ حالانکہ ایسے مواقع پر ان امور کا تذکرہ عموماً ضرور ہوتا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جابر جعفی یا اور کوئی شیعہ راوی کسی بات کو چھپانا چاہتا ہے یہیں سے یہ مسئلہ بھی سامنے آتا ہے کہ سر کاٹنے کا کام تو اطمینان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جنگ مغلوبہ اور ہنگامہ دست خیزی کی گرمی کے وقت قاتل کا اطمینان کے ساتھ سر کاٹنا بالکل بعید از قیاس ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو سر کاٹنے کا قصہ ہی غلط ہے یا یہ حادثہ میدان جنگ کا نہیں ہے۔ اس نقد و تبصرے کے بعد روایت میں کوئی جان نہیں باقی رہتی ــــ تاہم اگر وقت قتل متعین کرنے میں اس سے کوئی امداد مل جاتی تو کچھ نہ کچھ افادیت اس میں ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ یہ اس کے بتانے

---

[1] ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب

سے بھی ظاہر ہے۔ اس سے کچھ نہیں پتہ چلتا کہ یہ حادثۂ فاجعہ کس موقع پر ہوا۔ روایت اگرچہ ساقط الاعتبار ہے اور جابر جعفی کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ من گھڑت قصہ ہے۔ لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اسے گھڑنے والے کا مقصد اصل واقعہ کو چھپانا اور ذہن کی غلط رہنمائی کر کے حقیقی قاتلوں کے چہرے پوشیدہ کرنا تھا۔

دوسری روایت طبری کی ہے جو البدایہ والنہایہ میں بھی اسی کے حوالہ سے مذکور ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمارؓ نے ہاشم بن عتبہ کو جو حضرت علیؓ کا جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ حملہ کی ترغیب دی اور انھیں ساتھ لے کر لشکر شام پر حملہ کیا۔ ان کے پیچھے پیچھے حضرت علیؓ معہ اپنے دستہ کے تھے اور انھیں دونوں کے ساتھ انھوں نے بھی شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ حضرت عمارؓ و ہاشم دونوں شہید ہو گئے۔ بظاہر یہ روایت زیادہ قرین قیاس ہے اگرچہ سند کے اعتبار سے یہ بھی قابل اعتماد نہیں۔ تاہم اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ نے ان دونوں حضرات کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھائی تھی۔ لیکن اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے اس کے ساتھ ساتھ بہت سخت حملہ کیا تھا۔ ایسی صورت میں لازم ہے کہ شہادت کے فوراً بعد اتنی عظیم اور مشہور و معروف شخصیت کی لاش اٹھا لی گئی ہو۔ مگر اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا — یہاں تک کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لاش لشکر شام میں بے گور و کفن پڑی ہوئی ہے۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد کی منقولہ سابق روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ بقول طبری حملہ میں حضرت علیؓ سب صفوں کو توڑ کر اہل شام کے قلب لشکر تک پہنچ گئے تھے۔ ایسی حالت میں تو فوراً نعش اٹھا لینا چاہئے تھا۔ ان مشکوک و مشتبہ بلکہ موضوعہ روایات اور راویوں کے اختلاف بیان کو سامنے

رکھئے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سبائی اس واقعہ کی حقیقی کیفیت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کسی روایت سے بھی صحیح وقت قتل کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر لاش کا حضرت معاویہؓ کے لشکر میں اتنی دیر تک پڑا رہنا اس بات کی علامت ہے کہ بقول سیدنا حضرت معاویہؓ سبائیوں نے انھیں کسی دوسری جگہ قتل کر کے ان کی لاش پوشیدہ طور پر ان کے لشکر میں لاکر ڈالدی تاکہ یہ قتل ان کی جانب منسوب ہو۔ یہاں اس واقعہ کو بھی ملحوظ رکھئے تو بات اور واضح ہو جائے گی کہ جب جنگ بند ہو جاتی تھی تو فریقین ایک دوسرے کے لشکر میں بے تکلف آتے جاتے تھے اور اپنے مقتولوں کی لاشیں اٹھالاتے تھے[1] اس سے عیاں ہے کہ لاش اپنے مقصد کے پیش نظر لشکر شام میں بعد کو ڈالی گئی تھی ورنہ اگر وہ وہاں شہید ہوئے ہوتے تو یقیناً کوئی نہ کوئی ان کی لاش اٹھالاتا۔ اس سلسلہ کی ایک تیسری روایت علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ابن الہیثم کی کتاب سے نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رفع مصاحف کے بعد جنگ بندی کے مسئلہ پر حضرت عمارؓ کو حضرت علیؓ سے اختلاف ہوا۔ اور جب حضرت علیؓ نے جنگ بندی کا حکم دیدیا تو انھوں نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لشکر شام پر حملہ کر دیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اس روایت کی انتہا بعض مجہول الاسم خارجی راویوں پر ہوتی ہے۔ گویا سند کے اعتبار سے بالکل ساقط الاعتبار اور بے اصل ہے۔ تاہم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادثہ رفع مصاحف کے بعد ہوا۔ یہ روایات منقولہ سابقہ کے خلاف ہے۔ ان سے اگرچہ وقت کا تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن بظاہر اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے

---

[1] دیکھئے البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص ۲۷۷ زیر عنوان قصہ التحکیم مضمون مندرجہ کا آخری حصہ نیز طبقات ابن سعد کی منقولہ روایت ملاحظہ ہو۔

یہ حادثہ قبل رفع مصاحف ہوا تھا۔ روایت میں مزید کمزوری یہ ہے کہ رفع مصاحف کے بعد فریقین میں کوئی سخت معرکہ نہیں ہوا جس میں حضرت عمارؓ کی شہادت کا شبہ کیا جا سکے۔

روایات مذکورہ کی اس چھان بین سے ہر صاحب بصیرت مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچیگا۔

(۱) اس سلسلہ کی روایتیں ناقابل اعتماد اور غالباً بالکل موضوع ہیں۔ اس کے ساتھ۔

(۲) ان روایات کے درمیان تعارض اور تناقض بھی پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف و تناقض پر نظر کرنیکے بعد یہ بات بھی مشکوک ہو جاتی ہے کہ حضرت عمارؓ کی شہادت جنگ صفین کے موقع پر واقع ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے پہلے یا بعد کو شہید ہوئے ہوں لیکن شیعوں اور خوارج نے اپنے مقاصد کے پیش نظر اس حادثہ کو صفین کے موقع پر دکھانے کی کوشش کی ہو۔ چہ جائیکہ اہل شام کا انھیں شہید کرنا۔

(۳) اتنی بڑی ہستی کی شہادت کے بارے میں اس قدر اختلاف و تناقض بیان پھر وقت و موقع کا غیر متعین ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یا تو واقعہ کی صحیح کیفیت خصوصاً وقت اور موقع واردات کا علم لوگوں کو نہیں ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ شہادت میدان جنگ میں نہیں واقع ہوئی۔ بلکہ انھیں خفیہ طور پر قتل کیا گیا اور ان کی لاش لشکر شام میں ڈال دی گئی۔ یہ حرکت سوا سبائیوں کے اور کون کر سکتا تھا سچ فرمایا حضرت معاویہؓ نے کہ انھیں انہیں کے لشکر والوں (سبائیوں) نے شہید کیا اور انہیں ہمارے لشکر میں ڈال گئے۔ یا سبائی اسے پوشیدہ رکھنے اور شامیوں پر الزام لگانے کے لیے قصداً اس قسم کی غلط بیانیاں کی ہوں۔ چونکہ روایتیں گھڑنے والے متعدد شیعہ یا خارجی تھے اس لئے بیانات

میں اختلاف وتناقض پیدا ہو گیا۔ خصوصاً شیعوں اور خارجیوں کے بیانات
میں تعارض کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دونوں نے اپنے مطلب کے موافق روایتیں
وضع کی ہیں۔ مثلاً جابر جعفی اور ابو مخنف شیعی انھیں اپنا ہمنوا ظاہر کر رہے
ہیں اور بظاہر ان کی شہادت رفع مصاحف سے پہلے بیان کر رہے ہیں۔ اور
ابن الہیثم نے جو روایت نقل کی ہے اس میں خوارج انھیں اپنا ہمنوا بتا رہے
ہیں اور واقعہ کا وقت بعد رفع مصاحف بیان کر رہے ہیں۔ اس شق کو اختیار
کرنے سے بھی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اصل واقعہ پر پردہ ڈالنے اور اپنی خون آلود
آستینیں دوسروں کی نظر سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

## سبب قتل :-

قاتل کی شناخت کا ایک بہت مفید و قابل اعتماد ذریعہ یہ بھی ہے کہ سبب
قتل کی جانچ کی جائے اور معلوم کیا جائے کہ وہ کہاں پایا جاتا ہے؟ یہاں دو گروہ
ہیں جن پر بادی النظر میں قاتل ہونے کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ اول حضرت معاویہؓ
کا گروہ دوسرا سبائیوں کا گروہ۔ اول الذکر کے متعلق اگر ہم یہ سوال کریں کہ
اگر انھوں نے قتل کیا تو کیوں؟ تو اس کے جواب میں صرف یہ بات کہی جا سکتی
ہے کہ چونکہ حضرت عمارؓ ان سے جنگ کرنے آئے تھے اس لئے بظاہر اسی گروہ
نے انہیں قتل کیا۔ گویا مقابل اور برسر جنگ ہونا سبب قتل تھا۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ یہ سبب بہت قوی ہے اور بادی النظر میں ذہن
اسی طرف جاتا ہے کہ انہیں اسی گروہ نے قتل کیا ہوگا جس کے مقابلے میں وہ نبرد
آزمائی کر رہے تھے۔ لیکن اس سبب کو کمزور بلکہ کالعدم اور غیر موثر بنانے والا
ایک قوی سبب بھی موجود تھا جس پر نظر کرنے کے بعد بادی النظر کا یہ فیصلہ بالکل
غلط ثابت ہوتا ہے۔ وہ سبب مانع یہ تھا کہ حدیث نبوی "تقتلک الفئۃ الباغیۃ"

کی وجہ سے حضرت معاویہؓ اور ان کے لشکر والے حضرت عمارؓ کو قتل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ "ہمنی" کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے جو ہم چند صفحات قبل وضاحت کے ساتھ طبقات ابن سعد سے نقل کر چکے ہیں۔ تائید مزید کے لئے شیعہ راوی جابر جعفی یہ روایت بھی ملاحظہ ہو۔ جس میں وہ تذکرہ کرتا ہے کہ :۔

(حضرت عمارؓ کو لشکر مرتضویؓ میں دیکھ کر) (حضرت ذوالکلاعؓ حضرت عمروؓ بن العاص سے کہتے تھے کہ یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ ان کے ساتھ ہیں تو ہم لوگ باغی ہیں) اس کے جواب میں حضرت عمروؓ بن العاص فرماتے تھے کہ حضرت عمارؓ عنقریب ہم لوگوں کے طرفدار ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب ذوالکلاع کی شہادت کے بعد حضرت عمارؓ شہید ہوئے تو حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں میں سے کس کے قتل کی مجھے زیادہ خوشی ہے۔ اگر ذوالکلاع اس وقت زندہ ہوتے تو ہمارے لشکر میں ہمارے خلاف فساد پھیلاتے (یعنی بغاوت ہو جاتی) (البدایہ والنہایہ جلد ہفتم زیر عنوان ہذا مقتل عمارؓ یاسر)

یہ روایت تو جابر جعفی یا اور کسی سبائی کی گھڑی ہوئی اور بالکل جھوٹی ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کا شہادت حضرت عمارؓ پر خوش ہونا سبائیوں کا بہتان وافترا ہے جو دوسری روایتوں کے بھی خلاف ہے۔ لیکن اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اگر حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے گروہ کا کوئی شخص قتل کر دیتا تو لشکر شام میں ان کے خلاف بغاوت یا کم از کم ان سے عدم تعاون اور ان کی اعانت واطاعت سے دست کشی کا خطرہ تھا۔ اس کا احساس حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی تھا جن کی شخصیت شام میں حضرت معاویہؓ سے کم اہمیت نہ

رکھتی تھی۔ اور یہ بات اس قدر مشہور و واضح تھی کہ سبائیوں نے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ اُنھوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کے خلاف روایت گھڑی لیکن اس مشہور سچی بات کو پوشیدہ نہ کر سکے اگرچہ وہ مآل کار کے لحاظ سے ان کے خلاف پڑتی ہے۔ نظر بریں روایت مذکورہ کا یہ حصہ یقیناً قابل قبول ہے کیونکہ وہ دشمن کی شہادت ان کی موافقت میں ہے۔

روایات سے قطع نظر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث مذکور کی بناء پر حضرت عمارؓ کا قتل حضرت معاویہؓ کے لئے سیاسی اعتبار سے بہت مضر تھا اس وجہ سے یقیناً اُنھوں نے اور اُن کے لشکر نے اس سے احتراز کیا ہوگا۔ اس مسئلہ پر ہم آغاز بحث میں اچھی طرح روشنی ڈال چکے ہیں اسے ذہن میں مستحضر فرما لیا جائے۔ اس قوی مانع کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ بات مہر نیمروز کی طرح روشن جاتی ہے کہ اس قوی مانع کی موجودگی میں حضرت معاویہؓ کے گروہ نے یقیناً انھیں قتل نہ کیا ہوگا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ بادی النظر کا فیصلہ غلط ہے اور سبب و محرک قتل اس گروہ میں بے اثر ہو کر بمنزلہ معدوم ہو چکا تھا۔

اس کے بعد دوسرے گروہ یعنی سبائیوں کو لیجئے اور غور کیجئے کہ آیا کوئی ایسا سبب موجود تھا۔ جو اُن کے لئے اس جرم کے ارتکاب کا محرک بنا ہو؟ جب ہم اس زاویہ سے حالات و واقعات پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک نہیں متعدد اسباب ایسے ملتے ہیں۔ جو ان لوگوں کے لئے قتل حضرت عمارؓ کے محرک تھے تفصیل ملاحظہ ہو۔

(الف) حضرت عمارؓ کو قتل کر کے اس کا الزام حضرت معاویہؓ کے لشکر پر لگا دینا سبائیوں کے سیاسی اغراض کے عین مطابق اور اُن کے مقاصد کے لئے بہت مفید تھا۔ اس طریقہ سے وہ اہل شام کو باغی ثابت کر سکتے تھے جیسا کہ ظاہر ہے

(ب) اس حرکت سے لشکر شام میں بغاوت پیدا کر سکتے تھے جیسا کہ جابر

جعفی اور "جہنی" کی مذکورہ روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ دونوں اتنے قوی محرک تھے جن کے ہوتے ہوئے سمجھدار آدمی اول نظر میں اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ان کے قاتل سبائی ہی ہوں گے خواہ وہ شیعہ ہوں یا خوارج خصوصاً اس وجہ سے کہ اس طائفہ فاسقہ کے لئے اس قسم کے کام بہت آسان تھے اور ان کاموں کے یہ عادی تھے۔ نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا نہ رسول کی شرم تھی۔ ان میں سے بعض یہود تھے اور بعض ان کے زیر اثر۔ اور اس مغضوب علیہم قوم یعنی یہود کی یہ خاص ٹکنک ہے کہ جرم کر کے الزام دوسرے پر لگا دیا جائے خصوصاً سیاسی قتل میں تو یہ لوگ پہلے ہی ماہر تھے اور آج بھی ماہر ہیں۔ یہ بھی سامنے رکھئے کہ سبائیوں نے جنگ جمل کے موقع پر خود حضرت علیؓ کے قتل کا بھی منصوبہ تیار کیا تھا۔ مگر وقتی مصالح کے پیش نظر پارٹی نے اسے قبول نہیں کیا اس کا تذکرہ صفحات سابقہ میں کیا جا چکا ہے۔ اس جماعت سے کیا بعید ہے کہ مندرجہ بالا قوی محرکات واسباب کی موجودگی میں اس نے انھیں شہید کر کے لاش لشکر شام میں ڈالدی ہو اور الزام لشکر مخالف پر لگا دیا ہو۔ حضرت معاویہؓ حضرت عمروؓ بن العاص اور پورا لشکر شام متفق اللفظ ہو کر کہہ رہا تھا کہ یہی سبائی ان کے قاتل ہیں۔ عین واردات کے وقت اس شہرت عام اور شہادت کے بعد ان قوی اسباب ومحرکات قتل کی موجودگی میں یہ بات بالکل روشن اور یقینی ہو جاتی ہے کہ سیدنا حضرت عمارؓ رضی اللہ عنہ کے خون سے اپنی پیاس بجھانے والے یہی سبائی تھے خواہ وہ

---

لہ طبری ج ۴ حوادث ۳۶ھ میں مذکور ہے کہ جب حضرت علیؓ اور اصحابؓ جمل کے درمیان مصالحت ہونا طے پا گیا تو سبائیوں نے آپس میں مشورہ کیا اس میں مالک اشتر نے کہا کہ فریقین کی رائے ہمارے بارے میں ایک ہی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ ہم علیؓ پر حملہ کر کے انھیں عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں تا آنکہ فتنہ کھڑا ہو جائے اور ہمارے لئے بچنے کی راہ نکل آئے یہ بھی واضح رہے کہ اس وقت تک خوارج کا کوئی وجود نہ تھا یہ سب شیعان علیؓ ہی تھے۔ مالک اشتر تو مشہور شیعہ ہے جو آخر دم تک انھیں میں شامل رہا

شیعہ ہوں یا خارجی[1] جنہوں نے مندرجہ بالا مقاصد کے پیش نظر انہیں شہید کر کے ان کی لاش لشکر شام میں ڈال دی اور جھوٹا الزام اہل شام پر لگا دیا۔

(ج) ان دونوں اسباب کے علاوہ بھی بعض امور ایسے تھے جنکے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ سبائیوں کیلئے اس جرم عظیم کے محرک ہوئے۔ طبری جلد پنجم میں تبنا حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کا تذکرہ کرتے ہوئے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ جب سبائیوں نے عمال عثمانؓ کے خلاف شکایتیں کیں تو خلیفۃ المسلمین نے تحقیق کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس نے سب مقامات کا دورہ کر کے پوری تحقیق کے بعد رپورٹ کی کہ شکایات بالکل غلط ہیں۔ تمام پبلک عمال سے خوش اور مطمئن ہے ایک خاص مفسد گروہ جو بہت قلیل ہے جھوٹی شکائتیں کر کے فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے اس کمیشن کے ایک رکن حضرت عمارؓ بھی تھے کمیشن کی یہ رپورٹ جو سبائیوں کے مقاصد شنیعہ کے سراسر خلاف تھی حضرت عمارؓ کے ساتھ بغض و عناد کا سبب بن گئی۔ آتش عداوت کو بھڑکانے کا مزید سبب یہ ہوا کہ آں ممدوح اس مفسد ٹولی کی سازش اور اسکے بہت سے رازوں سے واقف ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب کمیشن کے سب ارکان واپس آگئے اور وہ نہ آئے تو اسی وقت لوگوں کو یہ شبہ ہوا تھا کہ انہیں اس جماعت نے خفیہ طور پر قتل کر دیا ہے۔

صفحات سابقہ کے حاشیہ پر ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ سبائیوں کے ایک گروہ (خوارج) کا حضرت علیؓ سے صفین کے موقع پر منحرف ہو جانا کوئی اتفاقی اور اچانک پیش آنے والا واقعہ نہ تھا بلکہ پہلے سے سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ کا نتیجہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے پیش آنے سے پہلے سبائیوں میں اس کے متعلق کھچڑی پک رہی ہوگی۔ چونکہ حضرت عمارؓ اس مفسد ٹولی کے مزاج سے واقف ہو چکے تھے اس لئے عین ممکن ہے کہ انھیں اس سازش کا علم ہو گیا ہو اور مفسدین کو بھی معلوم ہو گیا ہو کہ یہ ہمارے راز سے واقف ہو گئے ہیں۔ اس موقعہ پر آتش عداوت تیز تر ہو گئی

---

[1] غالباً شیعہ ہی تھے کیونکہ یہ مکر و فریب انھیں کی فطرت میں داخل ہے۔ خوارج اس قدر فریب کار نہ تھے اور اس وقت تک شیعہ و خوارج کے درمیان امتیاز بھی قائم نہ ہوا تھا یہ سب خود کو شیعان علیؓ ہی کہتے تھے۔

اور افشار راز کے خوف نے تحریک مزید کی. علاج یہی نظر آیا کہ ان ممدوح کو شہید کر دیا جائے۔ چنانچہ بقول حضرت معاویہؓ و جمیع لشکر شام سبائیوں نے انھیں قتل کر کے لاش لشکر شام میں ڈالدی۔

اگر یہ حادثہ رفع مصاحف کے بعد کا ہے جب تو سبب قتل اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ ابن الہثیم کی روایت سے جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے۔ خوارج جنگ بندی پر اڑے ہوئے تھے۔ اس مسئلہ پر سبائیوں کے دو گروہوں ———— میں گالم گلوچ اور مار پیٹ بھی ہوئی۔ حضرت عمارؓ کی عظیم و با اثر شخصیت کا اختلاف سبائیوں کے لئے مضر تھا۔ انھوں نے اس موقع پر چپکے سے انھیں قتل کر کے انھیں خاموش کر دیا ہو تو کیا تعجب ہے۔

الحمدللہ کہ براہین ساطعہ اور دلائل واضحہ سے مندرجہ ذیل امور روز روشن سے زیادہ روشن ہو گئے

**اوّل** :۔ حدیث "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" کا مصداق حضرت معاویہؓ کا گروہ نہیں ہے اسے اس حدیث کا مصداق سمجھنا۔ اور اس کی بناء پر باغی کہنا بالکل غلط اور باطل ہے۔

**دوم** :۔ سیدنا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہؓ کے گروہ نے نہیں قتل کیا تھا انھیں اس جرم کا مرتکب کہنا غلط ہے۔

**سوم** :۔ حضرت عمارؓ کے قاتل خود سبائی تھے (خواہ شیعہ ہوں یا خوارج) جو ان کے ساتھ ان کے لشکر میں تھے جنھوں نے اس جرم عظیم کا ارتکاب کر کے جھوٹا الزام حضرت معاویہ کے لشکر پر لگا دیا۔ اور گناہ در گناہ کر کے حق تعالیٰ کے عذاب اور انکی لعنت کے مستحق ہوئے۔

دوسرا جواب اور حدیث کا صحیح مفہوم حق تو واضح ہو چکا۔ اور سبائیوں نے

افترا، بہتان، کذب دروغ، اور مکر و فریب سے جو طلسم بڑی محنت سے تیار کیا تھا وہ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکا۔ لیکن اہلسنت کے سرور قلب میں اضافہ نیز حدیث نبوی کے معنی کی تحقیق مزید کرنے اور دشمنان صحابہ پر حجت تمام کرنے کے لئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین وعساکر کی جانب سے اس لغو، مہمل، فرسودہ اور سراپا بطلان اعتراض کا ایک دوسرا جواب بھی پیش کرتا ہوں وہو ہٰذا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "تقتلک الفئة الباغیة" پر مزید غور کیجیے۔ عبارۃ النص اور مقصود کلام صرف دو باتیں نظر آتی ہیں۔

اوّل :۔ حضرت عمارؓ کی کیفیت انتقال کا بیان کہ آپ کی موت طبعی طریقہ پر نہ ہوگی بلکہ خلعت شہادت سے سرفراز کئے جائیں گے۔

دوم :۔ آپ کو قتل کرنے والا ایک باغی گروہ ہوگا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ فئۃ باغیہ اس وجہ سے باغی کہا جائیگا کہ اس پر باغی کی شرعی تعریف صادق آتی ہے یا صرف اس وجہ سے کہ اس نے حضرت عمارؓ کو شہید کر دیا ؟

دوسرے الفاظ میں آنجناب کو "فئۃ باغیہ" قتل کریگا یا جو گروہ آپ کو قتل کرے گا وہ "فئۃ باغیہ" ہو جائے گا۔ حدیث کیا بتا رہی ہے ؟

یہیں سے ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے یعنی از روئے حدیث جو گروہ آں ممدوح کو قتل کرے گا اس کے "فئۃ باغیہ" ہونے کا علم عام طور پر پہلے سے ہوگا یا آں موصوف کے قتل کے بعد ہی اس کا علم ہوگا ؟ گویا ان کا قتل اس گروہ کے باغی ہونے کی علامت ہوگی۔ اس سے پہلے ان کا باغی ہونا کسی کو یا کم از کم عام طور پر معلوم نہ ہوگا ؟

دونوں سوالات کی دوسری شق ناقابل قبول ہے۔ بالکل واضح بات ہے کہ حضرت عمارؓ کو قتل کر دینا فی نفسہ بغاوت کے مرادف نہیں کوئی گروہ ہو یا فرد اگر کسی فرد یا جماعت کو قتل کر دے تو اس سے اس کا باغی ہونا لازم نہیں آتا۔ ڈاکو لیٹرے بہتوں کو قتل بھی کرتے ہیں اور ان کا مال بھی چھین لیتے ہیں لیکن شرعاً اُنہیں باغی تو نہیں کہتے باغی تو اُنھیں لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جو مملکت (STATE) کے مخالف ہوں اور اس کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کریں۔ اگر یہ مملکت کی مخالفت میں نہ ہو تو کسی اہم شخصیت کو قتل کر دینا بغاوت نہ کہلائے گا۔ اس اصول کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمارؓ کو شہید کرنے کو نہ بغاوت کہا جا سکتا ہے اور نہ اسے "فئۃ قاتلہ" کے "فئۃ باغیہ" ہونے کی علامت قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس توضیح سے روشن ہو گیا کہ حدیث مذکور کا یہ مفہوم سمجھنا کہ قتل سیدنا عمارؓ "فئۃ قاتلہ" کے باغی ہونے کی علامت ہے بالکل غلط ہے۔ بلکہ اس کے صحیح مطلب دو ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ ایک باغی گروہ جو پہلے سے باغی ہو گا اور جس کا باغی ہونا معروف و معلوم ہو گا حضرت عمارؓ کو قتل کرے گا۔

دوسرا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اُنھیں جو گروہ قتل کریگا۔ وہ بظاہر مملکت (اسٹیٹ) کا مطیع ہو گا لیکن درحقیقت اس کا مخالف و منکر ہو گا مگر اس کی بغاوت کا ظہور ان کی شہادت کے بعد ہو گا۔ اس مفہوم کے لحاظ سے ان کی شہادت ایک بغاوت کے ظہور کی علامت ہو گی اور حدیث سے تین پیشین گوئیاں سمجھ میں آئینگی ایک تو حضرت عمارؓ کی شہادت کی پیش گوئی دوسری یہ کہ انہیں قتل کرنے والا گروہ باغی ہو گا۔ اور تیسری یہ کہ ان کے قتل کے بعد خلافت کے خلاف ایک بغاوت کا ظہور ہو گا اور ان کا قتل اس بات کی علامت ہو گا کہ اس بغاوت کا آغاز اور ظہور ہونے والا ہے۔

ان دونوں مفہوموں میں سے اگر پہلا مفہوم اختیار کیا جائے تو حضرت معاویہؓ کے گروہ کو حضرت عمارؓ کا قاتل کہنے کے لئے پہلے اس کا باغی ہونا ثابت کرنا پڑے گا اگر وہ باغی نہ تھے تو وہ ان کے قاتل بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی غلط نہیں ہو سکتی۔ اگر ان پر بغاوت کا الزام غلط یا مشکوک ہے تو ان کا قاتل عمارؓ ہونا بھی بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کا باغی ہونا یقینی دلیل سے ثابت ہوتا۔

مگر حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کا باغی ہونا تار عنکبوت کے برابر بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ صفحات میں ہم واضح کریں گے۔ لیکن یہاں علیٰ سبیل التنزل اصل حقیقت سے قطع نظر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ان کا باغی ہونا یقینی تو کسی حالت میں نہیں کہا جا سکتا۔ اتنا تو مودودی صاحب خود بھی علامہ ملا علی قاریؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

> "اہل سنت والجماعت میں اس امر پر اختلاف ہے کہ انھیں باغی کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ان میں سے بعض اس سے اجتناب کرتے ہیں"۔ (صفحہ ۳۴۴)

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا باغی ہونا یقینی بات نہیں۔ ورنہ متفق علیہ ہوتی اس لئے ان کے گروہ کو قاتل عمارؓ کہنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی مشکوک و مشتبہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کا واضح ہونا لازم ہے۔ گویا اس حدیث کی بناء پر یہ کہنا کہ حضرت معاویہؓ کا گروہ باغی تھا بالکل غلط اور مغالطہ انگیز استدلال ہے بلکہ اس کے برعکس حدیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ان کا گروہ حضرت عمارؓ کا قاتل نہ تھا۔ اگر ہوتا تو اس کا باغی ہونا کسی یقینی دلیل سے

شرعی ثابت اور روز روشن کی طرح واضح ہوتا جس میں اہل حق کے نزدیک کسی اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی۔ حدیث کا دوسرا مفہوم اختیار کیجئے تو قول نبوی کی روشنی قاتلوں کے چہرے دکھا دیتی ہے

اس مفہوم کے اعتبار سے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ کی شہادت ایک باغی گروہ کی فتنہ انگیزی کا مقدمہ ہوگی جس کی بغاوت اس حادثۂ قتل تک واضح نہ ہوگی۔ اس کے بعد بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ گروہ خوارج کا تھا اگر یہ حادثہ صفین کے موقع پر پیش آیا ہے۔ تو مسلمہ طور پر خوارج کی بغاوت کا آغاز اس کے بعد ہوا — دونوں واقعات کا درمیانی فاصلہ بہت قلیل بمنزلہ معدوم ہے۔ اگر یہ حادثہ قتل رفع مصاحف سے پہلے مانا جائے جیسا کہ مشہور ہے تو سبائیوں کے باغیانہ طرز عمل کا آغاز ایک دن کے بعد ہو گیا تھا جبکہ سبائیوں کے ایک گروہ یعنی خوارج نے حضرت علیؓ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور انھیں قتل کی دھمکی دی۔ اور اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اُنھوں نے ان کی خلافت سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف شمشیر بکف ہو گئے۔ اور اگر اس حادثہ کا وقوع رفع مصاحف کے بعد مانا جائے جیسا کہ ابن الہثیم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے تو اس میں اور خوارج کی باغیانہ سرگرمیوں کے آغاز میں ایک دن کا فاصلہ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ شبہ صحیح نہیں کہ خوارج باغی تو اس وقت ہوئے جب اُنھوں نے حضرت علیؓ کی خلافت سے انکار کر کے ان کے خلاف تلوار اُٹھائی اور متوازی حکومت قائم کرلی۔ اس سے پہلے وہ از روئے حدیث "الفئة الباغیة" کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ اول تو ان کی باقاعدہ بغاوت بھی واقعہ تحکیم ہی کے بعد شروع ہو گئی۔ اس قسم کے واقعات میں سال ڈیڑھ سال کا فصل کوئی فصل نہیں سمجھا جاتا۔ اسی مآل قریب کی بناء پر حدیث میں اسے

"فئۃ باغیۃ" فرمایا گیا ہے۔ اس کے نظائر حدیث میں بکثرت مل سکتے ہیں۔ مثلاً مشہور حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز جبل احد پر تشریف لے گئے ہمراہ رکاب صدیق اکبر فاروق اعظم اور امت کے شہید اعظم ذی النورین رضی اللہ عنہم تھے پہاڑ لرزنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ہیں ایک صدیق اور دو شہید۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کی شہادت اس واقعہ کے بہت عرصہ کے بعد واقع ہوئی۔ لیکن آنحضورؐ نے مآل کے لحاظ سے انھیں اسی وقت شہید کے لفظ سے یاد فرمایا۔

دوسرے خوارج کا خروج اور ان کی بغاوت اگرچہ فقہی اور قانونی اعتبار سے تو اس حادثہ کے کچھ عرصہ بعد شروع ہوئی لیکن اس کا منصوبہ تو وہ صفین ہی کے موقع پر بنا چکے تھے۔ اس لئے حقیقت کے اعتبار سے تو وہ اسی وقت "فئۃ باغیہ" ہو چکے تھے۔ حدیث میں اسی راز کا تو انکشاف فرمایا گیا ہے کہ جو گروہ حضرت عمارؓ کو قتل کریگا وہ اگرچہ اس وقت باغی نہ ہوگا بلکہ نفاق وتقیہ سے کام لیتے ہوئے حضرت علیؓ کا مطیع ومعاون ہونے کا مدعی ہوگا۔ لیکن درحقیقت اس میں بغاوت وسرکشی کے جراثیم پرورش پا چکے ہوں گے اور اس کے لئے اسکیم بنا چکا ہوگا۔ اور اس کے اعلان واظہار کے لئے صرف وقت اور موقع کا منتظر ہوگا۔

حدیث کا یہ مفہوم سامنے رکھا جائے تو علامہ مہلبؒ وعلامہ ابن بطالؒ اور ان کے ہمخیال علماء کی رائے بالکل صحیح نظر آتی ہے کہ حضرت عمارؓ کو خوارج نے قتل کیا تھا۔ اور یہ بات روز روشن سے زیادہ روشن ہوجاتی ہے کہ پیشن گوئی کو حضرت معاویہؓ کے گروہ سے ادنیٰ تعلق بھی نہیں۔ حدیث سے ان کی بغاوت پر استدلال کرنا بالکل غلط مغالطہ انگیز، باطل، اور اس کے ساتھ نہایت رکیک استدلال ہے بلکہ اس کے برخلاف اس مفہوم ثانی کے اعتبار سے بھی یہ

حدیث خونِ عمارؓ سے اُن کے گروہ کی برأت ظاہر کر رہی ہے۔ یعنی اس نے اصل قاتلوں کی نقاب کشائی کر کے اور یہ ظاہر کر کے کہ ان کے قاتل سبائی یعنی روافض و خوارج ہیں حضرت معاویہؓ کے گروہ کے متعلق جو شک و شبہ اور احتمال عقلی نکلتا تھا اسے بھی بالکل زائل کر دیا۔ اور واضح کر دیا کہ ان کا گروہ ان کا قاتل نہیں ہے۔

اس بحث سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کے دونوں مفہوموں میں سے جو بھی مراد لیا جائے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا گروہ اس کا مصداق نہیں۔ اور اس کی بناء پر انھیں باغی کہنا بالکل غلط اور قول باطل ہے۔ لیکن راقم سطور کے نزدیک اس کا دوسرا مفہوم لینا اولیٰ ہے۔

بچند وجوہ :-

اولاً :- اس وجہ سے کہ اس صورت میں تین پیش گوئیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور مفہوم اول کا اعتبار کرنے میں صرف دو۔

ثانیاً :- اس لئے کہ اس شکل میں اس کی تائید ان دوسری روایتوں سے بھی ہوتی ہے جو خوارج کی مذمت اور ان کے متعلق پیشین گوئی پر مشتمل ہیں۔

ثالثاً :- صحابہ کرام و تابعین کا طرز عمل بھی اس مفہوم کی تائید کرتا ہے۔ آپ دیکھئے کہ جو حضرات صحابہ و تابعین حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے معاملہ میں بالکل غیر جانبدار رہے۔ وہ بھی خوارج کے بارے میں حضرت علیؓ کے موید اور معاون ہو گئے۔ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ ان حضرات نے حضرت معاویہؓ کو باغی نہیں سمجھا نہ حضرت عمارؓ کے قتل سے پہلے نہ اس کے بعد لیکن خوارج کو سب نے بالاتفاق باغی قرار دیا یہاں تک کہ خود حضرت معاویہؓ نے بھی اس بارے میں حضرت علیؓ کی تائید کی اور نہ صرف تائید کی بلکہ خوارج سے جنگ

کر کے حضرت علیؓ کا ہاتھ بٹایا اور ان کی اعانت کی صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک اہلسنت میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہوا جس نے خوارج کو باغی نہ سمجھا ہو۔ گویا اس گروہ کا باغی ہونا ایک متفق علیہ اور مجمع علیہ مسئلہ ہے۔ اس لئے حدیث کے دوسرے مفہوم کو ترجیح دیکر اسی کو حضرت عمارؓ کا قاتل قرار دینا اولیٰ ہے۔ بلکہ پہلے مفہوم کے اعتبار سے بھی یہی مراد متعین ہے اور بظاہر غیر جانبدار صحابہؓ وتابعین کے طرز عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے خوارج ہی کو اس جرم کا مرتکب سمجھا ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں آنحضورؐ کی اس پیشین گوئی کا پورا ہونا مہر نیمروز کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ حدیث کا خواہ پہلا مفہوم مراد لیا جائے یا دوسرا بہر کیف، یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اسے حضرت معاویہؓ کے خلاف سمجھنا بالکل غلط اور باطل ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف حدیث ان کے موافق ہے اور حضرت عمارؓ کے قتل سے ان کی اور اُن کے گروہ کی براءت ظاہر کر رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر مزید غور و فکر سے کام لیجیے تو حدیث سے یہ اشارہ ملے گا کہ ان کا گروہ باغی نہیں تھا۔ حضرت عمارؓ کے اس کے مقابلے میں آنے جنگ وجدل میں شریک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے گروہ کے دامن کو اُن کے خون کی چھینٹوں سے محفوظ رکھا۔ اس سے بظاہر سمجھ میں آتا ہے کہ وہ "فئۃ باغیہ" نہیں تھا اسی لئے اس سے محفوظ رہا ان کے قتل سے احتراز کرتا رہا۔ حق تعالیٰ شانہ نے اسے اس قتل سے بچایا تاکہ کوئی ان پر "فئۃ باغیہ" ہونے کا شبہ نہ کر سکے یہ استنباط معاند ومکابر کو ساکت کر دینے کے لئے تو کافی نہیں۔ مگر عقل سلیم رکھنے والے کے لئے یقیناً موجب اطمینان ہے۔

اس بحث میں ایک شبہ پیدا ہو سکتا ہے جس کا ازالہ کر دینا مناسب ہے۔ مخالف کہہ سکتا ہے کہ حدیث نبوی تقتلک الفئۃ الباغیۃ "میں حضرت عمارؓ

کے قتل کو قاتلوں کے باغی ہونے کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ جس گروہ کا باغی ہونا ظنی یا مشکوک ہو گا وہ اگر انھیں قتل کردے گا تو اس کا "فئۃ باغیہ" ہونا یقینی اور قطعی ہو جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ یہ محض غلط فہمی اور مغالطہ آمیز احتمال آفرینی ہے۔ وجوہ ملاحظہ ہوں:

اول :۔ اسی بحث میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ حضرت عمارؓ کو قتل کر دینا کسی گروہ کی بغاوت کی علامت نہیں بن سکتا۔

دوم :۔ یہ امر مسلم اور مشہور ہے کہ دلیل ظنی یا مشکوک کسی مظنون یا مشکوک خبر و قضیہ کو یقینی نہیں بنا سکتی کسی دعوے کی صداقت کو درجہ یقینی تک پہونچانے کے لئے دلیل کا یقینی و قطعی ہونا لازم ہے۔ غور فرمائیے کہ جب مخالف کو بھی تسلیم ہے کہ اس حادثہ قتل سے پہلے حضرت معاویہؓ کے گروہ کا باغی ہونا مشکوک یا زیادہ سے زیادہ ظنی تھا تو اسے یقینی بنانے کے لئے یہ بات یقینی ہونا چاہیئے تھی کہ حضرت عمارؓ کو اسی گروہ نے قتل کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات کسی دلیل سے بھی ثابت نہیں ہمارے نزدیک تو اس گروہ پر اس کا الزام ہی غلط ہے لیکن مخالف کو اتنا تو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ الزام کسی یقینی و قطعی دلیل سے ثابت نہیں۔ اسے مشکوک یا زیادہ سے زیادہ مظنون ہی کہا جا سکتا ہے۔ مشکوک یا مظنون دلیل کسی مشکوک یا مظنون دعوے کو یقینی کیسے بنا سکتی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کا جو مفہوم مخالف نے بیان کیا ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ صحیح مفہوم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

سوم :۔ علامت کے معنی ہیں "ما یُعلم بہ الشئی" جو دوسری چیز کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہو۔ اس لئے اسے بالکل واضح ہونا چاہیئے جو شے خود ہی غیر واضح اور مشکوک ہو اسے دوسری چیز کی علامت بنانے سے کیا فائدہ؟ اگر

قتل عمارؓ "فئۃ قاتلہ" کے "فئۃ باغیہ" ہونے کی علامت ہونا تو یقیناً یہ بات بالکل واضح اور روشن ہوتی کہ انھیں کس گروہ نے قتل کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات اس قدر صاف یقینی اور واضح نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے قاتل گروہ کے باغی ہونے کی علامت قرار دینا صحیح نہیں اور حدیث مذکور کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو مخالف نے سمجھا ہے۔

چہارم :- حدیث شریف کا اسلوب بیان بھی مخالف کے موافق نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرما رہے ہیں کہ حضرت عمارؓ کو ایک ایسا گروہ قتل کرے گا جس کا باغی ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہوگا۔ اور وہ یقیناً باغی ہوگا۔ یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ ان کا قتل قاتلوں کے باغی ہونے کی دلیل اور علامت ہے۔ اگر آنحضور کا یہ مطلب ہوتا تو اسلوب بیان دوسرا ہوتا جس کا مطلب یہ نکلتا کہ جو جماعت تمہیں قتل کرے اُسے باغی سمجھنا چاہیئے۔ ان کے قتل کا "فئۃ قاتلہ" کے "فئۃ باغیہ" ہونے کی علامت ہونا حدیث کے کسی لفظ یا اس کے طرز بیان سے کسی طرح نہیں معلوم ہوتا۔ اس بحث سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہوگیا کہ مخالف کا یہ شبہ بالکل غلط ہے اور حدیث شریف کا وہی مطلب صحیح ہے جو ہم نے بیان کیا ہے فالحمد للہ

اتمام حجت اور تائید مزید کے لئے اصل اعتراض کا ایک تیسرا جواب بھی پیش کیا جاتا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ علی سبیل التنزل بالفرض کفرض المحال

**تیسرا جواب :-** اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ ہی کے لشکر والوں نے قتل کیا تھا تو بھی ان کے گروہ کا فئۃ باغیہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور اس حدیث کی بناء پر انہیں باغی قرار دینا اس صورت میں بھی صحیح استدلال و استنباط نہیں کہا جاسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ انھیں قتل کرنے والے تو چند ہی آدمی ہوں گے۔ جو اگر تین بلکہ دو ہی ہوں تو

فئہ کے لفظ سے موسوم کیے جا سکتے ہیں کیونکہ جماعت کے اطلاق کے لئے تین کی تعداد کافی ہے۔ اور بعض کے نزدیک تو ایک سے زائد پر بھی جماعت کا اطلاق درست ہے۔ حدیث مذکور میں جس گروہ کو "فئۃ باغیہ" فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہی قاتلوں کا مختصر گروہ ہے۔ اگر جابر جعفی شیعی کی روایت تسلیم کر لی جائے۔ تو وہ گروہ صرف دو افراد پر مشتمل تھا زیادہ سے زیادہ اس میں ایک مجہول شخص کو اور شامل کر لیجیے۔ حدیث سے حضرت معاویہؓ اور اُن کے پورے گروہ کا باغی ہونا کسی طرح بھی لازم نہیں آتا۔ سوال یہ ہے کہ اس مختصر گروہ کو فئۃ باغیہ کیوں فرمایا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس گروہ کو باغی اس وجہ سے فرمایا گیا ہے کہ اُس نے خود حضرت معاویہؓ سے بغاوت کی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت عمروؓ بن العاص بلکہ پورا لشکر شام حضرت عمارؓ کے قتل سے محترز تھا اور اسے بالکل ناپسند کرتا تھا۔ کیونکہ یہ ان کی پالیسی اور حکمت عملی کے خلاف[1] اور ان کے

---

[1] حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء بلکہ سب اہل شام حضرت عمارؓ کے قتل کو کس قدر ناپسند کرتے تھے، اور اس سے کس قدر محترز تھے اس کے اوپر صفحات سابقہ میں قدر ضرورت سے زائد روشنی ڈالی جا چکی ہے تائید مزید کے لئے البدایہ والنہایہ جلد ہفتم تذکرہ جنگ صفین زیر عنوان ہذا مقتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ الخ کی یہ روایت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ جب قاتل عمارؓ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بزعم خود اپنے کارنامہ کا انعام طلب کرنے کے لئے حاضر ہوا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے خادم سے فرمایا کہ اسے جہنم کی بشارت دیدو۔ حضرت معاویہؓ نے بھی اس کی تائید کی۔ جس پر وہ بہت مایوس اور شکستہ دل ہوا۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حضرات اس حادثہ کو کس قدر ناپسند کرتے تھے۔ اس روایت پر غور کیجیے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلین عمارؓ سبائی تھے جو لشکر شام میں منافقانہ طور پر آ کر مل گئے تھے آپ دیکھیے کہ صفین میں حضرت علیؓ کے لشکر میں خاصی تعداد صحابہ کی شہید ہوئی۔ کسی کے قتل پر کسی نے

(باقی صفحہ ۲۹۵ پر)

لئے مضرت رساں تھا۔ جن لوگوں نے ان کی اس پالیسی سے انحراف کر کے دیدہ و دانستہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۴)

حضرت معاویہؓ سے انعام نہیں مانگا۔ حضرت عمارؓ ہی کی خصوصیت تھی کہ ان کے قتل پر قاتل انعام مانگنے گئے؟ اس سے بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ لوگ لشکر شام سے وابستہ نہیں تھے۔ بلکہ سبائی تھے۔ شامیوں نے جو جنگ کی وہ اپنا فریضہ سمجھ کر کی۔ اس پر کسی انعام کا مطالبہ کرنے کی جرأت و خواہش انھیں نہیں ہو سکتی تھی۔ البتہ غیر شامی اشخاص انعام کے طلب گار ہو سکتے تھے۔ جب یہ شامی نہیں تھے تو یقیناً حضرت علیؓ کے لشکر کے ہوں گے کیونکہ دو ہی گروہ وہاں موجود تھے۔ اور ان کے لشکر میں سوا سبائیوں کے اور کوئی اس حرکت کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس روایت سے ان لوگوں کی سبائیت کا راز اس طرح بھی کھلتا ہے کہ انھیں حضرت معاویہؓ اور ان کے گروہ کی قتل سیدنا عمارؓ سے کراہت و ناپسندیدگی کا علم نہ تھا۔ ورنہ یہ انعام مانگنے نہ جاتے۔ اگر یہ اہل شام اور گروہ معاویہؓ میں سے ہوتے تو انھیں علم ضرور ہوتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اجنبی تھے جو سبائیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔ اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ لشکر شام میں اجنبی ہونے کے ساتھ یہ لوگ لشکر علیؓ میں اس قدر متعارف تھے کہ حسب روایت جابر جعفی شیعی) راوی نے انھیں عین ہنگامہ کارزار کے وقت پہچان لیا اور ان کا نام بھی بتا دیا۔ تائید در تائید اسی روایت میں یہ ملتی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قاتل کو جہنم کی وعید سنانے کے بعد اپنے لوگوں سے فرمایا کہ کیا ہم نے انھیں (حضرت عمارؓ کو) قتل کیا ہے؟ انھیں تو انھیں لوگوں نے قتل کیا ہے جو انھیں لے کر آئے تھے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی فراست سے ان قاتلوں کی سبائیت کو سمجھ گئے تھے اور انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ہمارے لشکر کے آدمی نہیں ہیں بلکہ سبائی ہیں جو منافقانہ طور پر ہماری طرفداری کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی مصلحت اور ہماری ضرر رسانی کے لئے حضرت عمارؓ کو شہید کیا ہے حضرت معاویہؓ کا انہیں پہچان لینا ان کی سبائیت کی نشانی ہے اس کے ساتھ اگر وہ روایت بھی سامنے رکھئے جو میں نے صفحات سابقہ میں نقل کی ہے اور جس میں مذکور ہے (باقی صفحہ ۲۹۶ پر)

میں میدان جنگ میں انھیں نقصان پہونچانے کا سامان مہیا کیا انھوں نے یقیناً ان سے بغاوت کی۔ اسی معنی کے لحاظ سے حدیث میں انھیں فئۃ باغیہ فرمایا گیا ہے۔ گویا بغاوت سے اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مخالفت ہی کو بغاوت فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان قاتلوں نے سبائیوں سے سازش کر لی ہو اور حضرت معاویہؓ کے خلاف ہو کر ان کے آلہ کار بن گئے ہوں۔ سبائیوں نے ان کے ہاتھ سے قتل کروا کے لشکر شام میں بغاوت پھیلانے اور ان لوگوں کو باغی قرار دینے کی کوشش کی ہو۔ اس صورت میں انہیں حضرت معاویہؓ کے خلاف بغاوت کرنیوالا "فئۃ باغیہ" کہنا اور زیادہ واضح ہے۔

تیسری توجیہ اس احتمال کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے کہ قاتل خود سبائی ہوں اور انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا ہو جو جنگ جمل میں آزما چکے تھے۔ یعنی ان کے کچھ افراد لشکر شام میں حضرت عمارؓ کو شہید کرنے کے مقصد سے گھل مل گئے ہوں۔ اس طرح شامی بن کر انہیں قتل کر دیا اور الزام لشکر شام پر لگا دیا۔ سبائیوں کے اس اجنبی گروہ کو فئۃ باغیہ اس لئے فرمایا گیا کہ اس نے خود حضرت علیؓ سے بغاوت کی تھی کہ ان کے مقابل لشکر میں شامل ہو کر ان سے جنگ کی اور ان سے بیعت توڑ دی۔ یا اس بنا پر فرمایا ہو کہ انہیں لوگوں نے کچھ مدت کے بعد حضرت علیؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور خوارج کا لقب پایا۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۵) کو لوگ خیموں سے یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ کیا ہم نے انھیں (عمارؓ کو) ـــــــــ قتل کیا ہے انھیں تو انہیں لوگوں نے قتل کیا ہے جو انھیں لائے تھے (یعنی سبائیوں نے) تو بات اور بھی روشن ہو جاتی ہے۔ اہل شام کو پہلے ہی خبر مل چکی ہوگی لیکن جب خود قاتل لشکر شام میں آئے تو انہیں دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ لوگ ہمارے لشکر کے نہیں ہیں بلکہ سبائی ہیں جو اپنے جرم کا خود اقرار کر رہے ہیں۔

## چوتھا جواب :-

بطور تمہید یہ روایت ذہن میں رکھئے کہ جنگ جمل کے موقع پر جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک سبائی عمرو بن جرموز نے شہید کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں انعام مانگنے کے لئے حاضر ہوا تو آں ممدوح نے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی اور خادم سے فرمایا کہ اسے بتا دو کہ وہ جہنمی ہے اس کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ "ابن صفیہ ؓ حضرت زبیرؓ کے قاتل کو جہنمی ہونے کی خبر سُنا دینا"۔ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم جنگ جمل کے تذکرے کے بعد حضرت زبیرؓ کے ترجمہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ اگرچہ درحقیقت حضرت عمارؓ کو حضرت معاویہؓ کے گروہ نے قتل نہیں کیا تھا لیکن ہم تنزل کر کے تھوڑی دیر کے لئے فرض کئے لیتے ہیں انھیں اسی گروہ نے قتل کیا تھا۔ اس کے بعد گذارش ہے کہ اگر کوئی ناصبی یہ کہے کہ جب آپ لشکر شام کے دو تین آدمیوں کے جُرم کو پورے لشکر شام کے سر تھوپ رہے ہیں اور اس کی بنا پر حضرت معاویہؓ اور اُن کے رفقاء کو باغی کہہ رہے تو اسی قسم کے استدلال سے آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت زبیرؓ کے قتل کے بعد حضرت علیؓ کا پورا لشکر (معاذ اللہ) جہنمی ہو گیا تھا۔ اور نص صریح سے ان کا جہنمی ہونا ثابت ہوتا ہے

اگر حدیث مذکور کی بنا پر حضرت زبیرؓ کے قتل کی وجہ سے ایک فرد کے قتل کی بنا پر حضرت علیؓ کے پورے لشکر کا جہنمی ہونا ثابت نہیں ہوتا تو حدیث "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" کی بنا پر دو تین افراد کے فعل کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کے پورے لشکر کا باغی ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا زیادہ سے زیادہ ان افراد کا باغی ہونا ثابت ہوتا ہے جنہوں نے حضرت عمارؓ کو قتل کیا تھا۔ ورنہ وجہ فرق بیان کیجئے تو آپ کیا جواب دیں گے؟ جو جواب آپ اس ناصبی کے اعتراض کا دیں گے وہی

آپ کے اعتراض کا بھی جواب ہو جائے گا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اس حدیث "فئۃ" کا لفظ آیا ہے جس کا اطلاق جماعت پر ہوتا ہے اور اس میں "قاتل" کا لفظ آیا ہے جس کا اطلاق فرد واحد پر ہوتا ہے اس لئے یہاں ہم نے پورا لشکر مراد لیا اور وہاں فرد واحد۔ تو ناصبی اس کا یہ جواب دے گا کہ "فئۃ" کی صحت اطلاق کے لئے زیادہ سے زیادہ تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ وہی معتین آدمی جو قتل حضرت عمارؓ میں شریک تھے۔ مراد ہو سکتے ہیں اور صدق حدیث کے لئے ان کا مراد لے لینا کافی ہے۔ پورے لشکر کو مراد لینے کی کیا ضرورت اور کیا دلیل ہے؟ علاوہ بریں لفظ "فئۃ" اپنے مادے اور اصل کے لحاظ سے اسی جماعت کو کہتے ہیں جو کسی جماعت سے الگ ہو جائے اس اعتبار سے بھی اس بنا پر انہیں چند آدمیوں کی جماعت کو مراد لینا اولیٰ اور مرجح ہے جس نے حضرت معاویہؓ اور ان کے پورے لشکر کی مرضی کے خلاف گویا ان سے الگ ہو کر حضرت عمارؓ کو شہید کیا۔ بخلاف اس کے حدیث زیر بحث میں لفظ "قاتل" عام ہے۔ اگر دو آدمی ملکر بھی حضرت زبیرؓ کو قتل کرتے تو از روئے حدیث سب کو جہنمی ہونے کی خبر سنائی جاتی۔ علاوہ بریں ارادہ قتل کرنے والے کو بھی شرعاً احکام آخرت میں "قاتل" ہی گردانا جاتا ہے۔ اور بظاہر سوا حضرت علیؓ کے ان کا پورا لشکر اس ارادے میں شریک تھا کیونکہ ان کے سوا کسی سے اس حادثہ پر ناگواری منقول نہیں اگر ہو تو جس سے منقول ہو گی اس کا استثنار کر دیا جائے گا۔ اس لئے معاذ اللہ سب اس حدیث کے مصداق ہوتے[1]۔ بخلاف

---

[1] واضح رہے کہ یہ الزامی جواب ہے۔ ورنہ کوئی سُنّی بھی اس کا قائل نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ حضرت علیؓ کا پورا لشکر جہنمی تھا۔ لیکن جو لوگ غلط استدلال سے کام لے کر حضرت معاویہؓ کو باغی ہونے کا الزام

(باقی صفحہ ۲۹۹ پر)

اس کے حضرت معاویہؓ اور اُن کے سب رفقاء بلکہ اُن کے پورے لشکر سے
یہ منقول ہے کہ وہ حضرت عمارؓ کو قتل کرنے پر بالکل راضی نہ تھے بلکہ اس
سے سخت متنفر اور گریزاں تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں مفصل مذکور ہو چکا ہے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸) دیتے ہیں ان کے طرز استدلال سے یہ غلط بات بھی لازم آتی ہے
اس سے معلوم ہوا کہ ان کا قول غلط اور باطل ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں
دو قسم کے افراد تھے ایک تو مخلص جو محض اللہ کے واسطے حضرت علیؓ کے شریک تھے ان میں صحابہ
و تابعین صالحین حضرات تھے۔ دوسرے سبائی منافق جن میں اخلاص کا ایک ذرہ بھی موجود نہ
تھا اور ان کا مقصد شر انگیزی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اول الذکر جماعت نہ اصحاب جمل سے عداوت
رکھتی تھی نہ ان میں سے کسی کو قتل کرنا چاہتی تھی ہم اس واقعہ پر صفحات سابقہ میں اچھی طرح
روشنی ڈال چکے ہیں اور دکھا چکے ہیں کہ جنگ محض غلط فہمی اور سبائیوں کی فریب کاری و
فتنہ پردازی کا نتیجہ تھی۔ فریقین میں سے کوئی بھی جنگ نہ چاہتا تھا۔ ان مخلص حضرات میں سے
ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو حضرت زبیرؓ کو قتل کرنا چاہتا ہو۔ البتہ سبائیوں کا تو مقصد ہی اسلام
کو نقصان پہونچانا اور صحابہ کرام کو قتل کرنا تھا۔ ان سب کی نیت حضرت زبیرؓ کے قتل کی تھی اس
لئے حدیث مذکور سے ان سب سبائیوں کا جہنمی ہونا ظاہر ہوتا ہے حضرت علیؓ نے ان سب
سبائیوں کو جہنم کی وعید اس لئے نہیں سنائی کہ نیت کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ بغیر کسی دلیل
شرعی کے کسی کو جہنمی کہہ دینا جائز نہیں۔ ان کے ایسے متقی اور فقیہ کی زبان مبارک سے ایسی بات کیسے
نکل سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ جب انھوں نے حدیث نبوی بیان فرمادی تو اس سے خود بخود یہ بات واضح
ہو گئی کہ خود قتل کرنے والا اور نیت قتل کرنے والا دونوں اس میں داخل ہیں کسی گروہ کا نام لے
کر کہنے کی کیا ضرورت تھی، قاتل چونکہ انعام مانگنے آیا تھا اور مقر تھا اس واسطے اسے وعید سنادی تیسرے
یہ کہ سبائی اس وقت تک کسی خاص لقب سے ملقب اور عام مسلمانوں سے بظاہر ممتاز بھی نہ ہوئے
تھے کہ ان کا نام لیا جاتا۔

**تذکیر نتائج** اس طویل اور واضح بحث سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ مذکور ہو چکے لیکن سہولت کے لئے اختصار کے ساتھ انکی دوبارہ یاد دہانی کی جاتی ہے گزشتہ صفحات میں براہین ساطعہ اور دلائل واضحہ سے مندرجہ ذیل امور روز روشن کی طرح روشن ہو گئے:۔

اوّل :۔ حدیث نبوی "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" سے کسی طرح یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضرت معاویہؓ کا گروہ باغی تھا۔ اس سے ان کی بغاوت پر استدلال بالکل باطل اور غلط ہے۔ اور انہیں اس کا مصداق سمجھنا حدیث کے مفہوم اور اس کے مقتضا دونوں کے خلاف ہے۔

دوم :۔ حدیث مذکور کا صحیح مفہوم سامنے رکھئے تو اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا گروہ حضرت عمارؓ کے قتل سے بالکل بری ہے۔ اور اہل شام نے انھیں شہید نہیں کیا۔

سوم :۔ حضرت عمار کا قاتل ہرگز حضرت معاویہؓ کا گروہ نہ تھا۔ بلکہ انہیں درحقیقت سبائیوں ہی نے شہید کیا اور ان کی لاش شامی لشکر میں ڈال آئے۔ اس کے بعد لشکر شام پر ان کے قتل کا جھوٹا الزام لگا دیا۔

چہارم :۔ بظاہر مفہوم حدیث پر نظر کرنے سے ان کے قاتل خوارج معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ علامہ مہلبؒ و علامہ ابن بطالؒ اور علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے۔ بعض قرائن بھی اس رائے کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن احتمال اس کا بھی ہے کہ ان کے قاتل شیعہ ہی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لوگ وقت قتل شیعہ ہوں اور بعد کو خارجی ہو گئے ہوں۔ بہرکیف تھے وہ سبائی خواہ شیعہ ہوں یا خارجی۔

پنجم :۔ علی سبیل التنزل اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انہیں حضرت معاویہؓ ہی کے گروہ نے قتل کیا تھا تو بھی پورے گروہ شام یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے

رفقاء کا باغی ہونا کسی طرح حدیث سے نہیں ثابت ہوتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث مذکور کی بنا پر ان حضرات کو باغی کہنا سرے سے غلط، بے بنیاد اور باطل استدلال ہے۔

**بعض علماء کے اقوال سے استدلال** | مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"دوسری جگہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں" قتل عمار کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور اہل سنت اس بات پر متفق ہوگئے درآنحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا" (ص ۳۱۱)

صفحات سابقہ میں دلائل قویہ واضحہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ حدیث مذکور کی بنا پر حضرت معاویہؓ کو باغی کہنا بالکل غلط ہے نیز یہ کہ انھیں حضرت معاویہؓ کے گروہ نے نہیں قتل کیا تھا بلکہ ان کے قاتل سبائی تھے۔ ان دلائل کے مقابلہ میں علامہ ابن حجر کے قول کا کیا وزن باقی رہتا ہے؟ ان کے قول کی اساس و بنیاد ہی جب منہدم ہوگئی تو اس کی صحت کے کیا معنی؟ اور اس سے استشہاد بیکار اور فضول ہے۔

اس کے علاوہ ان کی یہ رائے ان واقعات کے بھی بالکل خلاف ہے جو تواتر سے ثابت ہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے تین گروہ تھے ایک حضرت علیؓ کو حق پر سمجھتا تھا اور ان کے ساتھ تھا۔ دوسرا حضرت معاویہؓ کو حق پر جانتا تھا اور ان کے ساتھ تھا۔ تیسرا غیر جانبدار تھا جو دونوں کو حق پر سمجھتا تھا اور اسے قتال فتنہ سمجھتا تھا۔ شہادت حضرت عمارؓ کے بعد بھی یہی کیفیت رہی اس میں کوئی فرق نہ پیدا ہوا۔ فریقین اپنے اپنے خیال پر قائم رہے اور غیر جانبدار اپنے خیال پر۔ علامہ کا پہلے "اختلاف" پھر "اتفاق" کی حکایت دور اول کے لحاظ سے تو بالکل غلط اور متواتر اخبار کے خلاف ہے۔ اس لئے ان کی یہ مراد تو ہو نہیں سکتی کیونکہ

ان کے ایسے صاحب علم سے ایسی خطاء فاحش کا صدور بعید از قیاس ہے۔

اس دور کے ختم ہونے کے بعد تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کا جو دور آیا جس میں خال خال تابعین بھی نظر آتے ہیں اس میں حضرت علیؓ کے حق پر ہونے کے بارے میں اختلاف ختم ہو گیا۔ اور علماء اہلسنت نے غیر جانبدار صحابہ کرامؓ کا مسلک اختیار کر کے اس پر اتفاق کر لیا اور اسی تشریح کو پیش نظر رکھ کر ان کے قول کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی کسی طرح بھی نہیں نکلتے۔ کہ حضرت معاویہؓ کی غلطی پر بھی اتفاق ہو گیا تھا۔ ائمہ مجتہدین اور اکابر فقہاء محدثین سلف کا عام مسلک یہ تھا کہ وہ فریقین کو حق پر سمجھتے تھے حضرت علیؓ کو حق پر کہنے سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت معاویہؓ غلطی پر ہوں۔ معاملہ مجتہد فیہ تھا۔ دونوں اپنی جگہ حق پر تھے۔ اس توجیہہ و تاویل سے علامہ کا قول کسی حد تک صحیح ہو جاتا ہے اسلئے کہ ان کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ ان علماء سلف کی مندرجہ بالا رائے کی بنیاد حضرت عمارؓ کی شہادت کو قرار دے رہے ہیں۔ ان کی یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے۔ ان بزرگوں کی رائے دوسرے دلائل پر مبنی تھی حضرت عمارؓ کی شہادت سے اسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ یہ تفصیل ہم نے صرف علامہ ابن حجر کے قول کی بقدر امکان تصحیح کے لئے کی ہے۔ ورنہ ان کی رائے کوئی حجت شرعی نہیں۔ اور جب دلائل صحیحہ کے خلاف ہو تو اس میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس بارے میں ان سے کچھ تسامح ہوا ہے۔

اس کے بعد میں مودودی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے علامہ ابن حجر کا یہ قول کیا سمجھ کر یہاں نقل کیا؟ اس سے آپ کی تائید کس طرح ہوتی ہے؟ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ باغی تھے۔ بطور استشہاد آپ نے ان کا قول پیش کیا۔ اس میں تو کہیں مذکور نہیں کہ حضرت معاویہؓ

باغی تھے۔ حضرت علیؓ کا حق پر ہونا حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے کے مرادف تو نہیں۔ نہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت معاویہؓ باطل پر تھے اجتہادی اختلاف میں دونوں مجتہد حق پر ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ رہے ہیں کہ حضرت معاویہؓ برسرِ باطل تھے۔ ان کا قول ذرہ برابر بھی آپ کی تائید نہیں کرتا۔ اور اسے یہاں نقل کرنا بے محل ہے۔

اس کے بعد انھوں نے علامہ ابن کثیر کا ایک قول نقل کیا ہے بحوالہ البدایہ والنہایہ لکھتے ہیں :-

"اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں اور حضرت معاویہؓ باغی ہیں" (ص ۱۳۰)

وہ عبارت جس کا یہ ترجمہ ہے البدایہ والنہایہ میں الحاق ہے۔ کسی شیعہ نے موقع پاکر کتابت یا طباعت کے وقت بڑھا دی ہو گی۔ اس کے دو ثبوت ہیں اول البدایہ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر میں اس عبارت کو قوسین میں لکھ کر حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ نسخہ مصریہ سے ساقط ہے یعنی اس میں نہیں ہے۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ یہ حافظ ابن کثیر کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو مجتہد مخطی و معذور کہا ہے۔ باغی نہیں کہا۔ نہ وہ اس کے قائل تھے۔ جیسا کہ ان کی کتاب سے ظاہر ہے۔ لیکن اگر بالفرض یہ عبارت انہیں کی ہو تو یہ ان کی انفرادی رائے سمجھی جائے گی جو کوئی حجت و دلیل نہیں۔ بلکہ بے دلیل اور خلاف دلیل صحیح اور خلاف مسلک اہل سنت ہونے کی وجہ سے غلط کہہ کر رد کر دی جائے گی۔ لکھتے ہیں :-

---

[۱] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ہشتم ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۲۶

"متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی جنگ
میں متذبذب تھے حضرت عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے
ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور
باطل پر کون" (اس کے لئے حوالہ طبقات ابن سعد طبری و ابن اثیر کا دیا ہے)

ابن اثیر کا تو حوالہ ہی فضول ہے۔ انھوں نے تو اول الذکر دونوں کتابوں ہی سے نقل کیا ہوگا۔ ان دونوں کتابوں کے متعلق ہم جلد اول میں عرض کر چکے ہیں کہ قابل اعتماد نہیں۔ اور محض ان کا حوالہ کافی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واقدی وغیرہ

سبائی مورخوں کی اڑائی ہوئی ہوائی ہے۔ جیسے صداقت اور سچائی سے دور کا واسطہ بھی نہیں نہ صحابہ و تابعین نے قتل حضرت عمارؓ کو حق و باطل کی علامت قرار دیا تھا نہ اس کی وجہ سے انھوں نے حضرت معاویہؓ کو باغی سمجھا جو حضرات غیر جانبدار تھے وہ غیر جانبدار ہی رہے۔ اس مسئلہ پر ہم تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ آخر وہ متعدد صحابہؓ و تابعین کون تھے جنہوں نے شہادت حضرت عمارؓ کو حق و باطل کی علامت خیال فرمایا تھا؟ ان کے نام آپ نے کیوں نہیں نقل کئے[1] دوسرا سوال یہ ہے کہ ان حضرات نے پھر کیا کیا؟ کیا حضرت علیؓ کا ساتھ دیا؟ اگر نہیں دیا اور یقیناً نہیں دیا تو حکم الٰہی کی خلاف ورزی کیوں کی؟ اس کے ساتھ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حضرت معاویہؓ پر باغی کی تعریف صادق آتی تھی یا نہیں؟ اگر آتی تھی تو تذبذب کے کیا معنی تھے؟ اور حضرت عمارؓ کی شہادت

---

[1] صفحہ ۱۴۵ پر مودودی صاحب نے یہی بات ذکر کی ہے اور دو تین نام ذکر کئے ہیں جس کا جواب ہم دے چکے ہیں اور واضح کر چکے ہیں کہ ان حضرات کی طرف اس بات کی نسبت بالکل غلط ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۲۴۳ صفحہ ۲۵۹)

کو علامت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر نہیں صادق آتی تھی تو محض اس حادثہ سے کیسے صادق آگئی؟ تیسری صورت یہ ہے کہ بغاوت کی تعریف تو صادق نہیں آتی نہ حادثہ سے پہلے نہ اس کے بعد لیکن اسی حادثہ کی وجہ سے انھیں ان حضرات نے باغی سمجھ لیا لیکن اس صورت کا باطل اور غلط ہونا اظہر من الشمس ہے۔ آخر کس اصول شرعی کی بناء پر انھوں نے یہ فیصلہ کیا؟ محض ان کا قتل تو بغاوت کے مرادف نہیں تھا۔ اس کے علاوہ کس دلیل قطعی سے انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ انہیں اہل شام نے قتل کیا ہے؟ کم از کم احتمال تو اس کا نکلتا ہی تھا کہ انھیں کسی دوسرے نے شہید کیا ہو۔

ان امور پر غور کیجئے تو پھر ضرورتاً کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بیان بالکل غلط اور شیعوں کا وضع کیا ہوا افتراء خالص ہے۔ شہادت حضرت عمار رضی کو کسی صحابی یا تابعی نے حق و باطل معلوم کرنے کی علامت نہیں مقرر کیا تھا اور نہ اس حادثہ کے بعد اس کی وجہ سے کسی کی رائے میں کوئی تبدیلی ہوئی نہ وہ حضرت معاویہ رضی کے گروہ کو ان کا قاتل سمجھتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

> ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں:۔
>
> "علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے باغی گروہ کے خلاف تلوار سے جنگ کی اور ان کے ساتھ وہ اکابر صحابہ اہل بدر تھے جن کا مرتبہ سب جانتے ہیں۔ اس جنگ میں وہ حق پر تھے اور اس میں اس باغی گروہ کے سوا جو ان سے برسرجنگ تھا اور کوئی بھی ان سے اختلاف نہ رکھتا تھا۔ مزید برآں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار رضی سے فرما دیا تھا کہ تم کو ایک باغی گروہ قتل کریگا

یہ ایک ایسی خبر ہے جو تواتر کے ساتھ منقول ہوئی ہے۔ اور عام
طور پر صحیح مانی گئی ہے۔ حتیٰ کہ خود حضرت معاویہؓ سے بھی جب
عبداللہ بن عمرو بن العاص نے اسے بیان کیا تو وہ اس کا انکار نہ
کر سکے البتہ انھوں نے اس کی یہ تاویل کی کہ عمار کو تو اس نے
قتل کیا ہے جو انھیں ہمارے نیزوں کے آگے لے آیا۔ اس حدیث کو
اہل کوفہ اہل بصرہ اہل حجاز اور اہل شام سب نے روایت کیا ہے" (ص۳۴۱)

مودودی صاحب کے اس استشہاد کو ہم نے اس بحث کے آخر میں اس لئے ذکر کیا کہ اس میں حضرت معاویہؓ کو صراحتہ "باغی" کہا گیا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص کی کوہ وقار شخصیت کی وجہ سے اس سے سخت غلط فہمی بلکہ گمراہی کا اندیشہ ہے اور اس پر قدرے تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے۔ آغاز کلام اس واقعہ کے اظہار سے مناسب ہے کہ یہ علامہ جصاص کی انفرادی رائے ہے جس کا اظہار انھوں نے کیا۔ اہلسنت والجماعت کا مسلک نہیں نقل کیا ہے۔ ان کی رائے نہ کوئی حجت و دلیل ہے اور نہ بغیر دلیل قبول کی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد علامہ موصوف کی جلالت شان اور ان کے علم و فضل کے اعتراف کے باوجود میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ ان سے اس مسئلہ میں سخت لغزش ہوئی ہے۔ ان کی مندرجہ بالا رائے بے اصل و بے دلیل بلکہ دلائل صحیحہ اور مسلک اہلسنت کے بالکل خلاف ہے۔ گزشتہ صفحات میں جو بحث ہم کر چکے ہیں اس پر نظر کرنے سے ان کی اس رائے کی رائی کے دانے کے برابر بھی وقعت باقی نہیں رہتی اور یہ نیمروز کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ قول بالکل غلط بلکہ مجموعہ اغلاط ہے۔ ان دلائل کا اعادہ تو بے ضرورت اور تحصیل حاصل ہے۔ یہاں ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ علامہ کے اس بیان

میں کتنی لغزشیں ہوئی ہیں۔

پہلی لغزش:- ان کے طرزِ کلام سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ اس معاملہ میں اکابر صحابہؓ و اصحاب بدر سب شریک تھے یا کم از کم ان کی بڑی تعداد شریک تھی۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اکابر صحابہ اور اصحاب بدر کی اغلب اکثریت بالکل غیر جانبدار تھی اور فریقین میں سے کسی کے ساتھ شریک نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ جن حضرات نے حضرت علیؓ سے بیعت بھی کی تھی ان کی اکثریت نے بھی ان لڑائیوں میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ اور اسے قتال فتنہ سمجھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات پر عمل پیرا رہے جن میں فتنہ سے الگ رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جنگ صفین میں[1] اصحاب بدر میں سے صرف دو یا زیادہ سے زیادہ تین حضرات حضرت علیؓ کے ساتھ شریک تھے۔ حضرت خزیمہ بن ثابت، حضرت سہل بن حنیف اور بعض کے نزدیک حضرت ابو ایوب انصاری بھی (رضی اللہ عنہم) دوسری طرف بعض اصحاب بدرؓ حضرت معاویہؓ کے بھی ہمنوا تھے۔ مثلاً حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اگرچہ جنگ صفین میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ لیکن یہ بات تو مسلم ہے کہ جو اختلاف حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے تھا وہی ان حضرات کو بھی تھا اور اس بارے میں ایک دوسرے کے ہمخیال و معاون تھے۔ چنانچہ یہ منصوبہ[2] بھی بنایا گیا تھا کہ حضرت معاویہؓ ان

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ہفتم زیر عنوان فصل فی وقعۃ صفین ۱۰۴

[2] طبری جلد پنجم جنگ جمل کے تمہیدی واقعات کا بیان۔

سبائی مرکزوں کو تباہ کریں۔ جو اُن کے قریب ہیں اور یہ حضرات (اصحابِ جمل) بصرہ کے سبائی مرکز کی قوت کو ختم کردیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں حضرات حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ اور اگر جنگ صفین کے وقت موجود ہوتے تو ان کے ساتھ اس میں بھی شرکت کرتے ان دونوں

حضرات کی امتیازی شان اور اُن کا اصحاب بدر میں سے ہونا اظہر من الشمس ہے۔

دوسری لغزش : اُنھوں نے حضرت معاویہؓ کے گروہ کو بغیر کسی دلیل کے باغی کہہ دیا اور اختلاف کا حق ان سے چھین لیا۔ حالانکہ حضرت معاویہؓ خود صحابی ہیں اور ممتاز حیثیت کے صحابی ہیں۔ مجتہد ہیں اور ان کے ساتھ صحابہ کی خاصی تعداد تھی ۔ یہ سب حضرات بھی مجتہد تھے ـــــــــ انھیں مجتہد فیہ امور میں حضرت علیؓ سے اختلاف کرنے کا پورا پورا حق تھا اور ان کے اختلاف کو بے وزن نہیں سمجھا جاسکتا۔

تیسری لغزش :۔ حدیث "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" کو اُنھوں نے متواتر تحریر فرمایا ہے یہ کھلی ہوئی غلطی ہے حدیث سے معمولی ممارست رکھنے والے بھی جانتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ضرور ہے مگر حد تواتر کو کسی طرح نہیں پہونچتی بلکہ اس کے قریب قریب بھی نہیں۔

چوتھی لغزش : یہ وہی ہے جس میں اُن کے دور کے سب ہی علماء ان کے شریک ہیں۔ یعنی حضرت معاویہؓ کے قول متعلق شہادت حضرت عمارؓ کو اظہار واقعہ کے بجائے تاویل سمجھنا۔ لطیفہ یہ ہے کہ جن الفاظ میں اُنھوں نے روایت نقل کی ہے وہ تاویل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ اور روزِ روشن کی طرح واضح کررہے ہیں کہ یہ اظہار حقیقت ہے نہ کہ تاویل۔ اس اعتبار

سے ان کی لغزش کی حیرت خیزی اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

اس بحث سے واضح ہو گیا ہے کہ علامہ ابو بکر جصاصؒ کی یہ رائے بالکل قابلِ اعتنا نہیں اور اسے بطور دلیل پیش کرنا ڈوبتے وقت تنکے کا سہارا لینے کے مرادف ہے۔

رہا یہ امر کہ ایسے علامہ زمانہ سے ایسی کھلی ہوئی غلطیاں کیوں ہوئیں؟ اور جمہور اہلسنت کے مسلک کا دامن ان کے ہاتھ سے کیوں چھوٹ گیا؟ اس کے اوپر انشاء اللہ ہم مناسب مقام پر آئندہ صفحات بحث کریں گے۔ یہاں اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ موصوف تفسیر فقہ، حدیث کے محقق تھے "تاریخ کے محقق نہ تھے۔ انھوں نے طبری وغیرہ مورخین کے بیان پر اعتماد کیا۔ اس لئے غلطی میں مبتلا ہوئے اور ایک غلطی متعدد غلطیوں کا سبب بن گئی۔

اس مقام پر مودودی صاحب نے نوکِ قلم سے دیانتداری کا سینہ جس طرح فگار کیا ہے اس کا اظہار بھی ضروری اور مفید ہے۔ سطور ذیل کی روشنی میں دیانت کے رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھیے۔

علامہ جصاصؒ نے مندرجہ بالا مضمون کے آخر میں جو روایت ذکر کی ہے اس میں حضرت معاویہؓ کے قول کے اصل الفاظ مندرجہ "احکام القرآن" یہ ہیں۔ جو ہم کسی گزشتہ صفحہ میں اسی حوالہ سے نقل بھی کر چکے ہیں۔

(دیکھیے اصل کتاب ج ۳ تفسیر سورہ حجرات باب قتال اہل البغی)

انما قتله من جاء به فطرحه بین اسنتنا

اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے درحقیقت انھیں تو ان کے لانے والوں نے قتل کیا ہے جس (یعنی قتل کے لئے) انھوں نے انھیں ہمارے نیزوں کے درمیان ڈال دیا۔ [۵]

---

[۵] ٹھیٹھ ترجمہ کیجئے تو یوں ہوگا جز این نیست کہ انھیں اسی نے قتل کیا ہے جو انھیں (باقی صفحہ ۳۱۰)

لیکن اُنھوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے :-

"عمارؓ کو تو اُس نے قتل کیا ہے جو اُنھیں نیزوں کے آگے لے آیا"

اُنھوں نے "طرح" کا ترجمہ "آگے لے آنے" سے کیا ہے جو بالکل غلط ہے "طرح" کے معنی لغت عرب میں پھینکنے، اور نیچے ڈال دینے کے ہیں (دیکھئے المنجد، قاموس وغیرہ کتب لغت) "آگے لے آنے" کے معنی معلوم نہیں اُنھوں نے کس لغت میں دیکھے ہیں؟ اسی طرح عربی کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ "بین" کے معنی درمیان کے ہیں۔ مگر اُنھوں نے اس کا ترجمہ بھی "آگے" سے کیا "بین اسنتنا" کا صحیح ترجمہ "ہمارے نیزوں کے درمیان" ہے۔ مگر وہ "نیزوں کے آگے" کا ترجمہ کرتے ہیں۔ جو بالکل غلط اور خلاف لغت وعرف ہے۔ اس خلاف دیانت اور غیر علمی کارروائی کا سبب وہ قابل نفرت اور مذموم جذبہ عداوت حضرت معاویہؓ ہے جو ان کے قلب کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے اس سے مغلوب ہو کر اُنھوں نے اپنے جوش غضب کو دیانت داری کا خون بہا کر تسکین دینا چاہی اور اس کی لاش کے نیچے اس حقیقت کو پوشیدہ کرنے کی کوشش کی جو مندرجہ بالا روایت سے مہر نیمروز کی طرح ظاہر ہو رہی ہے۔ الفاظ روایت صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ حضرت معاویہؓ تاویل نہیں فرما رہے ہیں بلکہ اظہار واقعہ ان کا مقصد ہے اگر مودودی صاحب "طرح" اور "بین" کا صحیح ترجمہ کر دیتے تو یہ حقیقت بالکل روشن ہو جاتی۔ اسے چھپانے کے لئے اُنھوں نے غلط ترجمہ کیا۔ جوش عداوت میں اُنھیں یہ خیال بھی نہ ہوا کہ اگر عبارت مذکورہ سے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۹) لے کر آیا یعنی اُس نے اُنھیں ڈال دیا ہمارے نیزوں کے درمیان" لیکن چونکہ "من" عام ہے اور یہاں ظاہر ہے کہ کوئی فرد خاص مراد نہیں ہے اس لئے جمع کے صیغہ کے ساتھ ترجمہ کیا گیا گزشتہ صفحات میں اس کی تفصیل کی جا چکی ہے۔

وہی مراد ہوتی جو ان کے ترجمے سے ظاہر ہو رہی ہے تو "فطرحہ" کی کوئی ضرورت نہ تھی اتنا مضمون تو من جانب سے بھی سمجھ میں آجاتا ہے وہ "انما" اور "فا" کے معنی بھی نہیں سمجھ سکے۔ ورنہ شاید ترجمہ میں اس تصرف کی جرأت نہ ہوتی "انما" کلمہ حصر ہے جس سے جزم اور یقین بھی ظاہر ہوتا ہے یعنی حضرت معاویہؓ جزم و یقین کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ حضرت عمارؓ کے قاتل صرف وہی لوگ ہیں جو انھیں میدان جنگ میں لائے اور ان کے علاوہ کوئی ان کے قتل میں شریک نہیں۔ ظاہر ہے کہ اسے "تاویل" نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اظہار واقعہ ہی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح "فا"، "تعقیب" کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ "طرح" یعنی لاش کو ڈال دینے کا کام قتل کے بعد ہوا ہے۔ اور نیزوں کے درمیان "لاش" لائی گئی ہے نہ کہ جسم بحالت حیات۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ تاویل نہیں بلکہ حکایت واقعہ ہے۔ مودودی صاحب نے استعداد علمی اور دیانت داری کی کمی کی وجہ سے ان سب باتوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اور ترجمہ میں تصرف بے جا کا ارتکاب کرکے افسوسناک خیانت کا نمونہ پیش کیا۔

## رفع مصاحف

مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

"حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز ۱۰ صفر کو سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی اس وقت حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھا لے اور کہے کہ ھذا حکم بیننا وبینکم (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے) اس کی مصلحت حضرت عمروؓ نے خود یہ بتائی کہ اس سے علیؓ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے

ہم مجتمع رہیں گے اور ان کے یہاں تفرقہ برپا ہو جائے گا اگر وہ
مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ
یہ محض ایک جنگی چال تھی قرآن کو حکم بنانا مرے سے مقصود ہی نہ
تھا (ص۱۴۹)

رفع مصاحف کا یہ واقعہ ایک مشہور واقعہ ہے جو حضرت معاویہؓ حضرت عمروؓ بن العاص اور ان کے دیگر رفقاء کی صلح پسندی اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی خیر خواہی نیز اُن کے اخلاص وللّٰہیت کی روشن دلیل ہے۔ اس کی شہرت کی وجہ سے شیعہ راوی اور مورخ اسے چھپا نہیں سکے لیکن انھوں نے بیچ میں جھوٹ کی آمیزش کر کے اچھائی کو بُرائی اور خوبی کو عیب بنانے کی پوری پوری کوشش کی۔ مندرجہ بالا روایت کا راوی ابو مخنف لوط بن یحییٰ ہے جس کے متعلق بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ باتفاق علمائے رجال غالی شیعہ ہے اور صرف جھوٹا نہیں بلکہ جھوٹوں اور کذابوں کا سردار ہے۔ اس کی روایت کا اعتبار شیعہ ہی کر سکتے ہیں۔ کسی سُنّی کے نزدیک اس کی روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

اُس نے اصل واقعہ میں اس جھوٹ کی آمیزش کی کہ اس کا منشاء صلح جُوئی یا مسلمانوں کی خیر خواہی اور للّٰہیت وخلوص نہ تھا بلکہ اس سے مقصود حضرت علیؓ کے لشکر میں تفرقہ ڈال کر عارضی جنگ بندی کرانا تھا تاکہ آئندہ جنگی تیاریوں کے لئے مہلت مل جائے۔ کیونکہ فریق مخالف کا دباؤ بہت بڑھ گیا تھا۔

یوں تو ابو مخنف کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ کسی صحابی کے خلاف جو مواد اس کی کسی روایت میں ہوگا وہ اس کا یا اس کے کسی سبائی بھائی کا گڑھا ہوا ہوگا۔ لیکن اس سے قطع نظر عقل اور واقعات بھی اس کی غلطی کا اعلان کر رہے ہیں۔

چند سطروں کے بعد انشاء اللہ آپ پر ابومخنف کی غلط بیانی واضح ہو جائیگی مگر اس سے پہلے مودودی صاحب کی جسارت اور دیانت داری کا ایک نمونہ اور دیکھ لیجئے۔ اس بحث میں جس بات کی ہمت وجسارت ابومخنف بھی نہ کر سکا اس کی جرأت اُنھوں نے فرمائی ہے۔ خود اس روایت میں ہے کہ رفع مصاحف کے بعد اہل شام نے اعلان کیا:۔

| | |
|---|---|
| من لثغور اهل الشام بعد اهل الشام ومن لثغور اهل العراق بعد اهل العراق۔ (طبری ج ۴ حوادث ۳۷ھ زیر عنوان رجع الحدیث الی حدیث ابی مخنف) | اہل شام کے ختم ہو جانے کے بعد وہاں کے قلعوں کی کون حفاظت کریگا؟ اور اہل عراق کے فنا ہو جانے کے بعد وہاں کے قلعوں کی نگہبانی کون کرے گا؟ |

ابومخنف نے تو یہ جملے روایت کر دیئے اور اُنھیں چھپانے کی ہمت نہ کر سکا طبری بھی باوجود اپنے تشیع اُن کے تذکرے پر مجبور ہوا لیکن مودودی صاحب نے ترجمہ میں اُنھیں بالکل حذف فرما دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے رفع مصاحف کا اصل محرک ظاہر ہو رہا ہے۔ ان جملوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے تجویز مذکور مزید جدال و قتال اور خون مسلم کی ارزانی کو روکنے، امت کو تفرقہ سے بچانے اور مصالحت واتحاد کی راہ تلاش کرنے کے لئے پیش کی تھی یہ کوئی "جنگی چال" نہ تھی۔ اُنھیں کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ اپنی کتاب میں کوئی ایسی بات درج کریں جس سے حضرت عمروؓ بن العاص کے متعلق کوئی غلط فہمی دور ہوتی ہو۔ اس لئے اُنھوں نے روایت کا اتنا حصہ ہی حذف کر دیا۔

رہی یہ بات کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے یہ مشورہ حضرت علیؓ کے لشکر میں اختلاف پیدا کرنے کے لئے بطور جنگی چال دیا تھا۔ ابومخنف یا کسی اور شیعہ کی اختراع ہے۔ حقیقت سے اُسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اُن کا یہ کہنا کہ حضرت معاویہؓ کی فوج شکست کے قریب پہونچ گئی تھی۔ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی تائید واقعات سے نہیں ہوتی۔ خود ابو مخنف کی مندرجہ بالا روایت سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کہتا ہے :۔

| | |
|---|---|
| فلما رأى عمرو بن العاص ان امر اهل العراق قد اشتد و خاف فى ذلك الهلاك | پس جب حضرت عمروؓ بن العاص نے دیکھا کہ اہل عراق کا حملہ سخت ہو گیا ہے اور اس سے انھیں ہلاکت کا خوف ہوا۔ |

(طبری حوالہ مذکورہ)

اس سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ شدید ہو گئی تھی۔ جس سے انھیں مسلمانوں کی عام ہلاکت اور حد سے زائد خونریزی کا اندیشہ ہوا۔ اسی اندیشہ کی وجہ سے مزید خونریزی سے بچنے کے لئے انھوں نے رفع مصاحف کی تجویز پیش کی۔ "ہلاک" سے مراد تنہا ان کے لشکر کی "ہلاکت" یا ان کی "شکست" لینا بالکل بے دلیل ہے۔ بلکہ یہاں عام مسلمانوں کی ہلاکت مراد ہونا ظاہر ہے۔ جس کی تائید اہل شام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ جو ہم نے اوپر نقل کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب مسلمان آپس میں لڑ کر اس طرح فنا ہو جائیں گے تو حدود اسلامیہ کی حفاظت کون کریگا؟ اور کفار کا مقابلہ کرنے والے کہاں سے آئیں گے رفع مصاحف کے وقت جنگ کا نقشہ کیا تھا؟ اُسے خود طبری سے سنئے :۔

"حضرت علیؓ کے لشکر میں میمنہ پر مالک اشتر تھا میسرہ پر حضرت ابن عباسؓ اور قلب میں خود حضرت علیؓ اور ہر طرف جنگ ہو رہی تھی۔"

مالک اشتر نے آہستہ آہستہ میمنہ کو بڑھانا شروع کیا اور اس طرح کہ اپنے دستہ فوج سے کہتا تھا کہ ایک تیر کے برابر آگے

بڑھو جب وہ بڑھ جاتے تھے تو کہتا تھا کہ ایک کمان کے بقدر
آگے بڑھو یہاں تک اس کی فوج کے اکثر جوان ہمت ہار گئے"
(اس کے بعد مذکور ہے کہ جب اس نے ان کی کم ہمتی اور آگے بڑھنے
میں ہچکچاہٹ محسوس کی تو انھیں ملامت کی اور) "اپنا گھوڑا منگا کر
اس پر سوار ہوا اور جھنڈا حبان بن ہوذہ نخعی کو دیدیا" (اس کے
بعد مذکور ہے کہ لوگوں کو جنگ اور حملہ کی ترغیب دی جس کی وجہ سے
ایک گروہ اس کے ساتھ ہو گیا اسے لے کر) بہت شدت کے ساتھ
اہل شام پر حملہ کیا یہاں تک کہ ان کے لشکر تک پہونچ گیا۔ یہاں
اہل شام نے بہت سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ (اشتر کا) علم بردار
بھی قتل کر دیا گیا۔ (تاریخ طبری جلد ششم احوال ۳۷ھ جنگ یوم
جمعہ کا بیان زیر عنوان رجع الحدیث الی حدیث ابی مخنف)

اس کے ساتھ قلب اور میسرہ میں حضرت علیؓ کی جانب سے کسی پیشقدمی کا پتہ نہیں چلتا۔ جنگ ایک حالت پر قائم تھی۔ البتہ اس کی شدت حد کمال کو پہونچ گئی تھی۔ اس نقشہ جنگ کو دیکھئے اس کے کس رنگ اور گوشے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اہل شام کو شکست ہونے والی تھی؟ جنگ کی شدت دوسری چیز ہے اور شکست کے آثار پیدا ہونا دوسری اس قسم کے حالات لڑائیوں میں بکثرت پیش آتے ہیں یہاں تک کہ حربی حکمت عملی کے ماتحت فوج کی پسپائی کی حاجت بھی پیش آجاتی اور وہ ایک مورچہ چھوڑ کر کسی پچھلے مورچہ میں مجتمع ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ امور شکست کے مرادف ہیں۔ نہ اس کے علامات لڑائیوں میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ جنگی حکمت عملی کے تقاضے پر عمل کر کے پیچھے ہٹتی ہوئی فوج نے جب مناسب موقع پر جوابی حملہ کیا تو مخالف کو شکست فاش ہو گئی۔ یہاں تو پسپائی بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ حضرت

معاویہؓ کی فوج اپنے مورچوں پر مضبوطی سے قدم جمائے ہوئے مالک اشتر کے حملہ کا شدت کے ساتھ مقابلہ کر رہی تھی جیسا کہ روایت مذکورہ سے ظاہر و باہر ہے اس سے تو صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ پہلے مقابلہ صرف تیر کمان، منجنیق وغیرہ سے ہو رہا تھا۔ مالک اشتر پیشقدمی کر کے لشکر شام سے اتنا قریب ہو گیا کہ دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ اسے لشکر شام کی شکست کی علامت سمجھنا کھلی ہوئی دھاندلی ہے۔

جنگ صفین میں اس قسم کی صورت حال کئی مرتبہ پیدا ہوتی تھی کہ کبھی حضرت علیؓ کی کسی فوج نے حضرت معاویہؓ کی فوج کے کسی حصہ کو کچھ پیچھے ہٹا دیا اور کبھی اس کے برعکس ان کی فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ مثلاً پنجشنبہ کی لڑائی میں حضرت علیؓ کی فوج میمنہ کو جو قبیلہ ربیعہ پر مشتمل تھی شکست ہو گئی تھی اور اس کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ حضرت ممدوح نے خود تشریف لا کر تحریض و ترغیب فرمائی تو ان کے قدم جمے[۱]۔ اسی طرح انھیں کے لشکر کے ایک سردار خنشر بن عبیدہ بن خالد کے رفقاء انھیں چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے[۲]۔ ایسی جنگ میں جو کسی طویل محاذ پر لڑی جائے اور جس میں فریقین کے عساکر بڑی تعداد میں ہوں اس قسم کے جزئی واقعات بکثرت پیش آتے ہیں۔ اور انھیں کوئی خاص اہمیت نہیں حاصل ہوتی اور جو شخص حربیات سے معمولی واقفیت بھی رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ جنگ کا جو نقشہ رفع مصاحف کے وقت تھا اس میں فریقین کے لئے فتح و شکست کے امکانات مساوی تھے، اور ابھی تک شکست کسی طرف بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ بلکہ مالک اشتر کے دستہ کے لئے بہ نسبت

---

[۱، ۲] تاریخ طبری جلد ششم حوادث ۳۷ھ زیر عنوان الجد فی القتال (جنگ صفین کا بیان)

امکان فتح امکاں شکست کا پلہ قدرے جھکا ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ حملہ آور تھا اور اس کے ماتحت فوج کی اکثریت ہمت ہار چکی تھی۔ دوبارہ ہمت دلانے سے ایک گروہ اس کے ساتھ ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ حملہ آور ہونے کی وجہ سے بہ نسبت فریق مخالف کے زیادہ تھکے ہوئے تھے۔ ادھر اہل شام جم کر مدافعت کر رہے تھے اگر وہ جوابی حملہ کر دیتے تو اس کا امکان تھا کہ حملہ آوروں کے قدم اکھڑ جاتے[1] ایسے مواقع پر درحقیقت کسی فریق کے بارے میں فتح و شکست کا اندازہ بحیثیت مجموعی اس کی اضافی قوت مقاومت اور حوصلے (موریل) سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس زاویہ سے دیکھئے تو اہل شام کی قوت مقاومت میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی اور ان کا حوصلہ بھی بلند تھا۔ اس واسطے یہ کہنا غلط اور بے بنیاد ہے کہ ان کے سرداروں کو شکست کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ حکایت واقعہ میں یہ ضمیمہ ذمیمہ شیعہ راویوں اور مورخین نے اپنی طرف سے گڑھ کر لگا یا ہے۔ افسوس ہے کہ سنی تاریخ نگاروں نے بھی نہ نقشہ جنگ پر نظر ڈالنے کی تکلیف گوارا فرمائی نہ شیعہ راویوں کے کید و فریب سے آگاہ ہوسکے اور بلا تحقیق یہ بے اصل و خلاف حقیقت بات اپنی کتابوں میں نقل کردی۔

یہ تو واقعات ہیں۔ ان سے ہٹ کر قرائن پر نظر ڈالئے تو وہ بھی ہمارے موید نظر آئیں گے۔ موٹی سی بات ہے کہ اگر لشکر شام پر شکست کے آثار طاری تھے تو سبائیوں کا ایک گروہ فوری جنگ بندی پر کیوں راضی ہوگیا؟ اور

---

[1] بطور تمثیل نپولین کی تباہ کن شکست کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اس نے انگریزی فوج پر پے در پے حملے کئے۔ انگریزوں نے صرف جم کر مدافعت کرنے پر اکتفا کی اور جب دیکھا کہ حملہ آور تھک کر چور ہو چکے ہیں اس وقت جوابی حملہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نپولین کو وہ شکست نصیب ہوئی جس نے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھیر کر اس کے مستقبل کو تاریک کر دیا۔

نہ صرف راضی ہوگیا بلکہ اس پر اصرار کرنے لگا۔ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟ سبائیوں کے ایسے گندی سیرت اور ذلیل کردار کے لوگ دشمن کو شکست کے دروازے تک پہونچتے ہوئے دیکھیں اور اُسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئیں! یہ بالکل بعید از قیاس ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل شام کی شجاعت و بسالت اور زبردست قوت مقاومت نے ان کا حوصلہ پست کر دیا تھا۔ اور انھیں خود ہی اپنی شکست و تباہی کے آثار نظر آرہے تھے۔

تحکیم کے واقعہ کے بعد حسب روایت طبری حضرت علیؓ نے پھر شام پر حملہ کرنا چاہا لیکن خود مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

"مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے" (صفحہ ۱۴۵)

یہ کیوں؟ اگر صفین کے میدان میں ان کی فتح کی صبح طلوع ہو رہی تھی۔ تو اہل شام کے مقابلہ سے کیوں جان چرا رہے تھے؟ اس سے بھی ظاہر ہے کہ میدان میں ان کی ایسی گندہ کاری ہوئی تھی جس کی تلخ یاد ان کے اعصاب کو مفلوج کر دیتی تھی۔ اور اہل شام کی برق شمشیر سبائی خرمن ہمت و حوصلہ کو خاکستر سیاہ بنا چکی تھی۔ وہ اپنی ٹولی کے ایک برگشتہ گروہ (خوارج) کے مقابلہ کے لئے تو تیار ہو گئے مگر اہل شام کے نام سے ان کی روح فنا ہونے لگتی تھی۔

ان دو قرینوں کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ جنگ صفین اور اس کے بعد عارضی صلح کا اثر اس زمانہ کے غیر جانبدار افراد نے کیا لیا؟ اس سلسلہ میں ہم اہل "خربتا" (مصر) کا معاملہ پیش کرتے ہیں ——— جو اس جنگ کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اس جنگ کے کچھ عرصہ بعد انھوں نے کھلم کھلا حضرت علیؓ کے عامل مصر کے مقابلہ میں تلوار اٹھالی اور حضرت معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی۔ اگر صفین کا معرکہ اہل شام کی ہزیمت کی نشانی لئے ہوئے ختم ہوتا تو حضرت علیؓ کا رعب ان پر غالب

ہوتا اور ان کی ہمت بغاوت کی نہ ہوتی اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جنگ کا پلہ حضرت معاویہؓ کی جانب کچھ نہ کچھ جھکتا ہوا پایا۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم اتنی بات تو تسلیم ہی کرنا پڑے گی کہ انھیں جنگ صفین میں اہل شام کے آثار شکست بالکل نظر نہیں آئے۔

آخر میں ہم دو جلیل القدر عالموں اور بلند پایہ محدثوں کا قول اس بارے میں نقل کر کے آثار فتح و شکست کے اس باب کو بند کرتے ہیں۔ مشہور محدث عبدالرحمٰنؒ بن زیاد بن انعمؒ اہل صفین کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"دونوں فریق عرب تھے جو ایک دوسرے کے لئے زمانۂ جاہلیت میں بھی متعارف تھے مسلمان ہونے کے بعد ان کے درمیان جنگ ہوئی تو اس میں دو لغاجیت کے ساتھ اسلامی طور طریق پر قائم رہے ہر ایک نے دوسرے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بھاگنے سے شرم کی۔"

دوسرے مشہور عالم اور فن حدیث کے امام شعبیؒ فرماتے ہیں:۔

"وہ سب (اہل صفین) جنتی ہیں۔ ایک فریق نے دوسرے فریق سے جنگ کی مگر دونوں میں سے کسی نے راہ فرار نہیں اختیار کی۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ہفتم زیر عنوان قعد الحکیم بعجت کا آخری حصہ)

یہ پیش نظر رکھئے کہ ان دونوں بزرگوں کا زمانہ جنگ صفین کے زمانہ سے بہت قریب ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ فرار یا شکست کے آثار کسی طرف بھی نہیں ظاہر ہوئے تھے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ لشکر شام پر آثار شکست کا جھوٹا افسا

شیعوں نے وضع کیا ہے جو شہرت بھی ایک عرصہ کے بعد پا سکا۔ ان بزرگوں کے زمانہ تک وہ اتنا مشہور نہ تھا کہ یہ حضرات اس سے متاثر ہو جاتے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف اس موقع پر جو الزام مودودی صاحب نے اپنی تصدیق کے ساتھ نقل کیا ہے اس کی عمارت اسی ریت کے تودے پر قائم تھی۔ جب یہ ہوا منتشر ہو گیا تو وہ خود بخود منہدم اور بے نشان ہو گئی۔ ابو مخنف کی روایت میں یہی کہا گیا ہے کہ آثار شکست دیکھ کر انھوں نے رفع مصاحف کا مشورہ دیا اور اس کی مصلحت یہی بیان فرمائی کہ اس طرح لشکر مخالف میں تفرقہ پڑ جائیگا اور مہلت مل جائے گی۔ لیکن جب یہ ثابت ہو چکا کہ آثار شکست ہی کا کہیں وجود نہ تھا۔ بلکہ یہ شیعوں کا تصنیف کیا ہوا جھوٹا افسانہ ہے تو اس مصلحت کے پیش نظر رکھنے اور اس مصلحت کی بنا پر تجویز مذکور پیش کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتے۔

تاہم معترض یہ کہ سکتا ہے کہ اگرچہ شکست کا خطرہ نہ تھا لیکن فتح کا یقین بھی نہ تھا۔ اُنھوں نے یہ تجویز جنگ کی طوالت سے بچنے اور فاتحانہ پیش قدمی کرنے کی تیاری کے لیے مہلت حاصل کرنے کے لئے پیش کی ہوگی جس کا ذریعہ لشکر مخالف میں اختلاف پیدا کر دینا سوچا ہو گا۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض ایسا ہی ہوا تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ مسلمانوں کی خون ریزی کو روکنا اور ان کی خانہ جنگی کو ختم کرنے کی کوشش کرنا خواہ یہ صلح عارضی ہی کیوں نہ ہوا چھائی اور خوبی ہی کہی جائیگی اور یہ اقدام ہر سمجھدار کے نزدیک قابل ستائش ہی قرار پائے گا۔ معترض کا یہ کہنا کہ اس سے مقصد آئندہ خود حملہ کرنے اور فتح کرنے کے لئے مہلت حاصل کرنا تھا۔ ایسا سوء ظن ہے جس کی کوئی بھی دلیل اس کے پاس نہیں بلکہ غور کیجئے تو اس کے

خلاف دلیل موجود ہے۔ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ واقعۂ تحکیم تک ان کی طرف سے کسی طرف کوئی پیشقدمی نہیں ہوئی۔ نہ حضرت معاویہؓ نے علیحدہ خلافت قائم فرمائی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ صلح کے خواہشمند تھے اور ان کی یہ تجویز جذبۂ صلح جوئی اور خیرخواہی اسلام و مسلمین پر مبنی تھی۔

حق یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے محض اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کی آپس کی خونریزی بند کرنے کے لیے رفع مصاحف کی تجویز پیش فرمائی تھی۔ جیسا کہ ان جملوں سے ظاہر ہے جو رفع مصاحف کے ساتھ پکار پکار کر کہے گئے تھے۔ لیکن ابو مخنف نے اپنی شیعیت کی وجہ سے مصلحت تفرقہ انگیزی کا مضمون اپنی طرف سے تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ سراسر اس کا افترا اور بہتان ہے۔

اس کی پہلی دلیل تو یہی ہے کہ یہ صرف ابو مخنف کی روایت میں ہے جس کا شیعہ اور مفتری و کذاب ہونا بار بار مذکور ہو چکا ہے۔ ایسے شخص کی روایت خصوصاً جب کسی صحابی کے خلاف ہو تو یقیناً ساقط الاعتبار اور مردود سمجھی جائے گی۔ اس کے ایسے کذاب راویوں کا اعتبار وہی شخص کر سکتا ہے جس کے ذہن میں شیعیت کا زنگ لگ چکا ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عقل سلیم اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ایسی بات فرمائی ہوگی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ انھیں یہ توقع کیسے ہوئی کہ اس مسئلہ پر لشکر مخالف میں اختلاف پیدا ہو جائے گا؟ اول تو بظاہر اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہ تھی۔ قرآن مجید کو "حَکَم" بنانے سے کوئی مسلمان انکار کیسے کر سکتا ہے؟ مسلمان تو مسلمان منافق بھی کم از کم اپنے ادعائے اسلام کی لاج رکھنے کے لئے کھلم کھلا اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے

کہ اختلاف کی گنجائش اس طرح نکلتی تھی کہ بعض اسے محض جنگی چال قرار دے کر قبول کرنے پر تیار نہ ہوں گے اور بعض مبنی بر خلوص سمجھ کر اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ تو بھی حضرت عمروؓ بن العاص کے ایسے تجربہ کار جنرل اور ماہر حربیات پر یہ امر مخفی نہیں رہ سکتا تھا کہ میدان جنگ کا نظم وضبط (ڈسپلن) عام حالات کے نظم وضبط سے مختلف ہوتا ہے۔ اس قسم کے امور میں اختلاف کے باوجود رائے امیر سے سرتابی کا کسی کو حق نہیں ہوتا۔ اور عملاً وہی صورت اختیار کرنا پڑتی ہے جس کا حکم امیر لشکر نے دیا ہو۔ خواہ اپنی رائے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ پھر انھیں یہ توقع کیسے پیدا ہو گئی کہ اختلاف ہو گا۔ اور اس اختلاف کا اثر عمل پر بھی پڑے گا۔ یعنی ایک گروہ جنگ سے دستکش ہو جائے گا جس کی وجہ سے لشکر مخالف بحیثیت مجموعی کمزور ہو جائے گا؟ یہ توقع اس وجہ سے اور زیادہ بعید از قیاس تھی کہ اس لشکر مخالف میں امیر لشکر خود خلیفۃ المسلمین تھے۔ حضرت عمروؓ کے ایسے مدبر، دانشمند اور جنگ آزمودہ شخص سے ہرگز اس کی امید نہیں کی جا سکتی کہ انھوں نے ایسی بعید از قیاس بات سوچی ہو۔ اور اس قسم کی غلط توقع قائم کر کے وہ بات فرمائی ہو جو ان کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔

اگر کسی کو اس پر اصرار ہے کہ انھوں نے یہ بات فرمائی تھی تو اسے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت علیؓ کی فوج میں رفع مصاحف سے پہلے ہی اختلاف پیدا ہو گیا تھا جس کا علم کسی ذریعے سے حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی ہو گیا۔ کیونکہ پیش کش صلح کا موجب اختلاف ہو جانا وہ بھی یکایک اور اس شرارت کے ساتھ بالکل بعید از قیاس ہے لیکن اس صورت پیش کش صلح کو اس

اختلاف کے اُبھرنے میں کیا دخل ہوا؟ وہ تو بہرحال اُبھرتا خواہ رفع مصاحف ہوتا یا نہ ہوتا۔ یہ بات فہم سلیم کو کسی طرح اپیل نہیں کرتی کہ اُنھوں نے رفع مصاحف کو اس کا ذریعہ سمجھ لیا ہو۔ اگر انہیں اس اختلاف وافتراق کو ہوا ہی دینا تھی تو اس کے بہت سے ذرائع اور طریقے ہو سکتے تھے، وہ جاسوسوں سے کام لے سکتے تھے۔ ایک فریق کو دوسرے فریق کے خلاف مزید مشتعل کرنے کے طریقے اختیار کر سکتے تھے، یہ عجیب بات ہے کہ اُنھوں نے کسی قوی ذریعہ سے خلیج افتراق کو وسیع کرنے کی ادنیٰ کوشش بھی نہ کی اور ذریعہ اختیار کیا تو ایسا جس میں افتراق انگیزی کی کوئی قوت وخاصیت نہ تھی بلکہ اس کے برعکس اتحاد آفرینی کی صلاحیت تھی۔

مزید لطیفہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اس سے پہلے لشکر مخالف کے باہمی اختلاف سے فائدہ اُٹھاتے اور اس میں اضافہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ اس اختلاف کا علم تو اُنھیں پہلے ہی ہو گیا ہوگا۔ تدبیر کی تو عین گرمی جنگ کے وقت جبکہ بقول مودودی صاحب اپنی شکست کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ پھر تدبیر بھی اتنی کمزور اختیار کی جس کے مفید ہونے کا ظن غالب تو کیا احتمال قوی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

ان باتوں پر نظر کرنے سے ابو مخنف کی بہتان طرازی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ اس سراپا کذب ودروغ الزام سے قطعاً بری ہیں۔

تیسری دلیل اس واقعہ کے متعلق وہ روایت ہے جو حافظ ابن کثیر نے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کی ہے اس میں امام احمدؒ بعد اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

كنا بصفين فلما استحر القتال — ہم لوگ صفین میں تھے۔ جب اہل شام کے مقابلہ میں

باهل الشام اعتصموبنا فقال عمرو بن العاصؓ لمعاوية ارسل الی علیؓ بمصحف فادعه الی کتاب اللہ فانه لن یأبی علیک (البدایہ والنہایہ جلد ہفتم زیر عنوان ہوا عمارؓ بن یاسر۔ مضمون کا آخری حصہ ص۲۷۲)

جنگ شدت سے ہونے لگی تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر (جنگ کرنے لگے) اس موقع پر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ حضرت علیؓ کے پاس قرآن مجید بھیجو اور انھیں اس کی جانب (اس کے فیصلہ کی جانب) دعوت دو وہ ہرگز انکار نہ کریں گے۔

یہ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت ہے۔ ابومخنف کذاب کی روایت کو اس سے کیا نسبت؟ اس میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ مشورہ لشکر مخالف میں تفرقہ واختلاف پیدا کرنے کے لئے دیا تھا اور مشورہ کی یہی مصلحت بیان فرمائی تھی۔ اگر یہ واقعہ ہوتا تو حضرت ابووائلؓ سے جو خود حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے درمیان مزید خون خرابہ بچانے کے لئے حضرت علیؓ کو یہ پیغام صلح بھیجا تھا اور ان کی دینداری وتقوی کی وجہ سے انھیں اعتماد تھا کہ وہ اس پیشکش کو ضرور قبول فرمالیں گے۔ ان کے کیمپ میں اختلاف پیدا کرنا یا جنگ کی مزید تیاری کے لئے مہلت ملجانا اس قسم کی باتوں کا تو اس میں کہیں نام ونشان بھی نہیں نظر آتا صراحۃً تو کیا اشارۃً وکنایۃً بھی یہ باتیں اس سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ابومخنف کی روایت میں جو مضمون آپؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ جعلی اور وضعی ہے جو ابومخنف یا کسی دوسرے شیعہ نے گڑھا ہے۔

مزید یہ کہ امام احمدؒ کی اس روایت میں بھی ایک راوی عبدالعزیز بن سیاہ شیعہ ہے۔ لیکن باوجود شیعیت اس نے اس غلط مضمون کو بیان کرنے کی جرأت نہیں کی۔ حالانکہ یہ مذہب شیعہ کا مویّد مضمون ہے۔ یہ اس روایت کی صداقت وقوت اور

ابو مخنف کی روایت کے جعلی موضوع اور جھوٹی ہونے کی ایک وزنی دلیل ہے
اس کے بعد مودودی صاحب لکھتے ہیں :-

"اس مشورے کے مطابق لشکر معاویہؓ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا
اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن العاص کو امید تھی۔
حضرت علیؓ ــــــــــ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا
کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔
مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علیؓ مجبور ہو گئے کہ
جنگ بند کر کے حضرت معاویہؓ سے تحکیم کا معاہدہ کر لیں" (ص ۱۳۹، ۱۴۰)

گزشتہ سطروں میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کا نیزوں پر بلند کرنا کلیۃً اخلاص پر مبنی تھا۔ جس کا مقصد قرآن مجید کے فیصلہ کی طرف دعوت دینا اور خون مسلم کی ارزانی کو روکنا تھا۔ اسے "جنگی چال" کہنا شیعوں کا افترا اور بہتان اور بالکل بے اصل و بے دلیل الزام ہے۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جنگی چال تصور فرمایا تو ان کے اس خیال کو غلط فہمی ہی پر محمول کیا جائیگا۔ حالت جنگ میں اس قسم کی غلط فہمی کوئی نادر چیز نہیں۔ نہ یہ کوئی عیب ہے نہ قابل اعتراض، وہ عالم الغیب تو نہ تھے جو مخالف کی نیت کو معلوم کرتے۔ سبائیوں نے بھی معاملہ کی تصویر ان کے سامنے ایسی ہی پیش کی ہوگی کہ انھیں اہل شام سے سوء ظن پیدا ہو۔ اور اس بارے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہوگا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نہ تو ان کا یہ خیال حجت ہے، نہ قابل اعتراض اور نہ اس کا مسئلہ پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

یہاں اتنا کہہ کر ہماری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر جو طعن مخالفین نے کیا تھا وہ کلیۃً دفع ہو جاتا ہے اس کے لئے

ہمیں اس موقع پر اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ حقیقت واقعہ کیا تھی؟ درحقیقت واقعہ یہی تھا جو مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے رفع مصاحف کو جنگی چال سمجھ کر جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا؟ یا یہ بھی شیعوں کی غلط بیانی اور سبائیوں کی کوئی فریب کاری ہے؟ اس سوال کا جواب دینا میرے ذمہ نہیں نہ میں تاریخ کی کتاب لکھ رہا ہوں جو ہر واقعہ کی تحقیق کا التزام کروں۔ لیکن حدیث و تاریخ کی روشنی میں اگر اس بیان کی حقیقت آشکارا کر دی جائے تو اس سے ایک اہم راز کا انکشاف ہوگا اور سبائی "صیادوں" کے بہت سے ایسے "پھندے" نظر آجائیں گے جو انھوں نے تاریخ کے "سبز باغ" میں ناواقف اہلسنت کو پھانسنے کے لئے لگائے ہیں۔ اس لئے اس جملہ معترضہ کو سنانے کے لئے قاری سے کچھ وقت چاہتا ہوں۔

یہ سچ ہے کہ شہرت عام اسی روایت کو حاصل ہے کہ رفع مصاحف کو حضرت علیؓ نے جنگی چال خیال فرمایا اس وجہ سے ان کی رائے یہ تھی کہ جنگ جاری رکھی جائے۔ سبائیوں کے ایک گروہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ خود ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ یہ حالات دیکھ کر وہ جنگ بندی اور معاہدہ قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مگر مدت سے یہ بات مجھے کھٹکتی تھی کہ حضرت علیؓ کا مبینہ طرز عمل ان کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ان کی صلح پسندی اور اتحاد بین المسلمین کی نمایاں خواہش ایسی چیزیں ہیں جن کیلئے کسی استدلال کی احتیاج نہیں۔ اگر سبائیوں کی فریب کاری آتش جنگ نہ بھڑکا دیتی تو جنگ کبھی نہ ہوتی کیونکہ نہ وہ جنگ چاہتے تھے اور نہ اصحاب جمل و صفین حدیبیہ کہ خوارج کے بارے میں بھی ان کا طرز عمل مثالی رہا۔ انھوں نے ان کے خلاف اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائی۔ جب تک خود ان لوگوں نے ابتداء نہ کی ان امور

کو سامنے رکھیے تو یہ بات بالکل بعید از قیاس و فہم معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کی پیش کش مصالحت کو جنگی چال پر محمول کرکے رد کر دیا ہو اور جنگ جاری رکھنے کا ارادہ فرمایا ہو۔

دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ صفین کے موقع پر بھی اگرچہ وہ لشکر کشی کرکے آئے تھے لیکن عرصہ تک انھوں نے مصالحت کی کوشش جاری رکھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ سبائیوں کی متعدد پردازیوں کی وجہ سے وہ بار آور نہ ہو سکی[۱]۔ اسی طرح انھوں نے اپنے مقاتلہ لشکر کو جس کا سردار مشہور سبائی مفسد مالک اشتر تھا یہ ہدایت فرمادی تھی کہ جب تک لشکر مخالف حملہ نہ کرے اس وقت تک تم حملہ نہ کرنا۔ اگرچہ اس مفسد اور فتنہ پرداز سبائی لیڈر نے اس ہدایت کی خلاف ورزی کی لیکن اتنا تو ہر شخص تسلیم کریگا کہ خود ان کی شدید خواہش یہی تھی کہ کسی طرح معاملات صلح و آشتی سے طے ہو جائیں اور جنگ و جدل کی نوبت نہ آئے۔ یہ بات ہم واضح کر چکے ہیں کہ اگر سبائیوں کی دسیسہ کاریاں بروئے کار نہ آتیں تو خونریزی کبھی نہ ہوتی[۱] اور تاریخ کی سرخیاں خون مخلصین کے بجائے خود سبز قدم سبائی ٹولی کے خون سے تحریر کی جاتیں۔ ان کی اس روش کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت تعجب خیز ہے کہ ان کا رویہ یکایک اتنا سخت ہو گیا کہ مخالف کے دست مصالحت کو جھٹک کر جنگ جاری رکھنے پر مصر ہو گئے؟

یہ وہ عقلی قرائن ہیں جن پر نظر کرنے سے اس روایت کی غلطی کا امکان بہت روشن ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؓ رفع مصاحف کے بعد جنگ جاری رکھنے پر مصر تھے اور جنگ بندی پر تیار نہ تھے۔ مگر سبائیوں کے ایک گروہ کی بے وفائی اور نافرمانی

---

[۱] طبری کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں یہ سب باتیں منقول ہو چکی ہیں۔

کی وجہ سے التوائے جنگ اور معاہدہ تحکیم پر مجبور ہو گئے ۔

یہ احتمال قوی الیقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زیر بحث روایت اسی جانے بوجھے شیعہ راوی ابو مخنف کی ہے جس کی دروغ بافی معروف و مشہور ہے ۔ اس کے بعد روایت بالکل ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ حضرت علیؓ پر اس کذاب راوی کا بہتان و افتراء ہے اور یہ روایت اس نے اپنی طرف سے اپنے کسی مذہبی مقصد کے پیش نظر گھڑی ہے ۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایت پر نظر ڈالئے تو غبار بالکل چھٹ جاتا ہے اور حقیقت حال آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے ۔

| | |
|---|---|
| وقال الامام احمد حدثنا یعلی | امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے عیسیٰ بن عبید نے |
| بن عبید عن عبد العزیز بن | بیان کیا جو عبد العزیز بن سیاہ سے روایت |
| سیاہ عن حبیب بن ابی ثابت | کرتے ہیں اور وہ حبیب بن ثابت سے روایت |
| قال اتیت ابا وائلؓ فی مسجد | کرتے ہیں۔ جنہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت |
| اهله اسأله عن هؤلاء القوم | ابو وائلؓ کے پاس ان کی مسجد میں حاضر ہوا اور |
| الذین قتلهم علیؓ بالنهروان | ان سے اس گروہ کے بارے میں دریافت کیا |
| فیما استجابوا له وفیما فارقوه | جنہیں حضرت علیؓ نے نہروان میں قتل فرمایا۔ |
| وفیما استحل قتالهم فقال | میں نے پوچھا کہ ان کی کیا بات مانی اور کس |
| کنا بصفین فلما استحر القتال | بات میں ان سے اختلاف کیا اور انھوں نے |
| باهل الشام اعتصموا بتل فقال | ان لوگوں سے جنگ کس وجہ سے جائز سمجھی؟ |
| عمرو بن العاصؓ لمعاویةؓ ارسل | اس کے جواب میں (حضرت ابو وائلؓ) نے |
| الی علیؓ بمصحف فادعه الی | فرمایا:- |

كتاب الله فانه لن يأبى عليك
فجاءبه رجل فقال بيننا وبينكم
كتاب الله (الم تر الى الذين
يدعون الى كتاب الله ليحكم
بينهم ثم يتولى فريق
منهم بعد ذلك وهم
معرضون) فقال علىؓ نعم
انا اولى بذالك بيننا وبينكم
كتاب الله فجاءته الخوارج
ونحن ندعوهم يومئذ
القراء وسيوفهم على عواتقهم
فقالوا امير المؤمنين
ماينتظر هؤلاء القوم الذين
على التل الا نمشى اليهم
سيوفنا حتى يحكم الله بيننا
وبينهم؟ فتكلم سهل بن
حنيف فقال يا ايها الناس
اتهموا انفسكم فلقد رأيتنا
يوم الحديبية۔ يعنى الصلح
الذى كان بين رسول الله
وبين المشركين۔ ولو نرى

کہ ہم لوگ صفین میں تھے۔ جب اہل شام
کے خلاف حملہ میں شدت پیدا ہوئی تو شامی
فوج (مراد کوئی خاص دستہ) ایک ٹیلہ پر
چڑھ گیا (تاکہ دفاع آسان ہو جائے) اس
موقع پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت
معاویہؓ سے کہا کہ حضرت علیؓ کے پاس قرآن مجید
بھیجو اور انہیں قرآن مجید کی طرف (یعنی اس
کے فیصلے کی جانب) دعوت دو۔ بیشک
وہ ہرگز اس سے انکار نہیں کریں گے (اس
فیصلہ کے مطابق) ایک شخص اُن کے (حضرت
علیؓ) کے پاس قرآن مجید لے کر آیا اور کہا کہ
ہمارے اور آپ کے درمیان کتاب اللہ ہے
(اس کے بعد ایک آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ
ہے)۔ (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا
جو اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تو
ان میں کا ایک گروہ اس دعوت کے بعد اس
سے رو گردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتا ہے)
اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم کتاب اللہ کے
فیصلہ پر عمل کرنے میں (دوسروں سے) آگے
ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ
ہے۔ (یعنی ہمیں قرآن مجید سے فیصلہ کرانا منظور

قتالاً لقاتلنا فجاء عمرؓ
الی رسول اللہ فقال:
یا رسول اللہ السنا علی حق
وھم علی باطل؟ وذکر
تمام الحدیث

(البدایہ والنہایہ جلد ہفتم زیر عنوان
ہذا مقتل عمارؓ بن یاسر الخ
عنوان مذکور کا آخری حصہ ص۲۷۴)

ہے) اتنے میں ان کے (حضرت علیؓ کے) پاس
خوارج جنہیں ہم قراء کہتے تھے اپنے کندھوں
پر تلواریں رکھے ہوئے آئے اور انھوں نے
کہا کہ اے امیرالمومنین یہ لوگ جو ٹیلے پر مجمع
ہیں کس بات کے منتظر ہیں؟ (مراد لشکر شام)
کیا ہم تلواریں لے کر ان کے پاس نہ پہنچیں۔
(مراد حملہ) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور
ان کے درمیان فیصلہ کر دے (یعنی فتح شکست
کا فیصلہ ہو جائے) (ان کے جواب میں)
حضرت سہل بن حنیفؓ نے فرمایا کہ لوگو! اپنی
رائے کو الزام دو (یعنی تمہاری رائے غلط ہے)
دیکھو حدیبیہ کے موقع پر ان کی مراد صلح حدیبیہ
کا واقعہ تھا جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
اور مشرکین کے درمیان صلح ہوئی تھی۔ اگر اس
روز جنگ کی رائے ہوتی تو ہم ضرور جنگ
کرتے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض
کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم حق پر اور وہ (مشرکین)
باطل پر نہیں ہیں؟ اس کے بعد انھوں نے
پوری حدیث یعنی صلح حدیبیہ کا پورا واقعہ
بیان فرمایا۔ (مطلب یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے

موقع پر ہمارے جوش میں کوئی کمی نہیں تھی اگر

فرط غیرت سے ہم جنگ کے لئے بیتاب تھے

مقابلہ بھی مشرکوں سے تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی ممکن نہ تھی۔ اور مصلحت

اسی میں تھی۔ اس لئے حکم نبوی پر سر تسلیم خم کیا

اور جنگ سے ہاتھ روکا)۔

اس روایت سے تاریخ کا ایک بہت بڑا مغالطہ دور ہوکر سبائیوں کا بنایا ہوا ایک پُر فریب طلسم ٹوٹ جاتا اور ایک اہم راز کا انکشاف ہوتا ہے۔ اس کی توضیح سے پہلے روایت کا درجہ و مرتبہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کرتا ہیں۔

(الف) یہ روایت علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے مسند امام بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کی ہے۔ جو تاریخ کی کتاب نہیں ہے بلکہ حدیث کی کتاب ہے اور اور قابل اعتماد ہونے کے اعتبار سے کتب تاریخ طبری وغیرہ کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔ طبری، استیعاب، طبقات ابن سعد وغیرہ کتب سیر و تاریخ مسند امام احمدؒ کی ایسی بلند پایہ کتاب حدیث کے سامنے کیا چیز ہیں؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

(ب) اس کا ایک حصہ یعنی حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کا پورا قول اس تصریح کے ساتھ کہ یہ گفتگو انھوں نے یوم صفین میں فرمائی تھی بخاری شریف نیز مسلم شریف میں موجود ہے بحوالہ بخاری شریف ہم اس حصے کو گزشتہ صفحات میں کسی جگہ نقل بھی کر چکے ہیں۔ مسلم شریف میں اسی سند کے ساتھ جو امام احمدؒ نے ذکر فرمائی ہے یہ حصہ جلد ثانی صلح حدیبیہ کے بیان میں مذکور ہے۔

(ج) اس سند میں سب راوی ثقہ ہیں۔ صرف عبدالعزیز بن سیاہ شیعہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ روایت شیعہ مذہب کے خلاف بلکہ سچ پوچھئے تو اس کی جڑ ول کو کمزور کرنے والی اور شیعی روایات کی تائید کے بجائے ان کی تردید و تغلیط کرتی ہے۔ اس لئے کسی شیعہ راوی کا اسے روایت کرنا اسے اور زیادہ قابل اعتماد و قابل یقین بنا دیتا ہے۔ مثل مشہور ہے "والفضل ما شہدت بہ الاعداء" مخالف کی شہادت اگر موافقت میں ہو تو یقیناً بہت زیادہ قوی شہادت سمجھی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے بھی روایت کا مندرجہ بالا حصہ اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں عبدالعزیز بن سیاہ ہے روایت کی صحت قوت اور مقبولیت پر روشنی ڈالنے کے بعد میں قاری کو ان نتائج پر توجہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں جو اس سے بدیہی طور پر سمجھ میں آتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

اول :۔ اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قرآن مجید ایک شخص کو دیکر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا تھا۔ اور انھیں مصالحت اور از روئے قرآن حکیم فیصلہ و تصفیہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ نیزوں پر قرآن مجید بلند کرنے کا قصہ ابومخنف یا اور کسی سبائی کا گڑھا ہوا جعلی اور غلط ہے۔

دوم :۔ اس سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ طبری وغیرہ کی مشہور عام روایت ابومخنف شیعی اور اس کے ایسے دوسرے شیعہ سبائیوں کا افترا بہتان اور خالص دروغ ہے جسے شیعی پروپیگنڈا مشنین نے اتنا فروغ دیا کہ بہت سے علماء اہلسنت بھی اس سحر سامری سے متاثر ہو گئے اور یہی کہنے لگے کہ حضرت علیؓ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ مگر خوارج نے انھیں مصالحت پر مجبور کر دیا۔ اس روایت کے آئینہ میں معاملہ برعکس نظر آتا ہے اور مہر نیمروز کی

طرح یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کی دعوت مصالحت فوراً منظور فرمالی۔ قرآن مجید کو حکم قرار دے کر جنگ بند کرنے کا عہد فرمالیا اور صاف صاف فرمایا کہ ہاں (یعنی مجھے تمہاری دعوت اور مصالحت و فیصلہ قرآنی منظور ہے) اور میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ ہے" (یعنی جنگ بند کر کے اسی کے بموجب فیصلہ طلب کروں گا اور اس کے فیصلہ پر عمل کروں گا) کیا یہ معاہدہ نہیں ہے؟ اور کیا کوئی سنی ان کے متعلق یہ بدگمانی کر سکتا ہے کہ التوائے جنگ تسلیم کرنے اور عہد کرنے کے بعد بھی اُنھوں نے معاذ اللہ بدعہدی کر کے جنگ جاری رکھی ہوگی؟ یا اس معاہدے پر عمل کرنے میں تساہل برتا ہوگا؟

اس کے معنی یہ ہیں کہ اُنھوں نے جنگ بند کرنے کا فوراً حکم دیدیا تھا۔ سبائیوں کے ایک گروہ کا حملہ کی اجازت مانگنا۔ اور حضرت سہلؓ بن حنیف کا جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے انہیں سمجھانا اس کا ثبوت مزید ہے کہ جنگ سے ہاتھ روکنے کا حکم جاری کر دیا گیا تھا اور جنگ بند ہو چکی تھی۔ چونکہ محاذ طویل اور افواج کی تعداد کثیر تھی اس لئے ممکن ہے کہ بعض مقامات تک یہ حکم نہ پہونچا ہوا اور کہیں کہیں فریقین اُلجھے ہوئے ہوں۔ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ سرکاری سطح پر جنگ بندی ہو چکی تھی اور عام جنگ جاری نہ تھی۔

سوم۔ طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارج جنگ بندی پر مصر تھے اور حضرت علیؓ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے زیر بحث روایت صحیحہ سے ظاہر و باہر ہے کہ طبری وغیرہ کی یہ روایت بالکل غلط اور شیعوں کی گڑھی ہوئی ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی رائے مبارک جنگ بند کرنے صلح کرنے اور تحکیم کو قبول کرنے کی تھی جس پر اُنھوں نے عمل بھی فرمایا اور خوارج لڑائی جاری رکھنا

چاہتے تھے۔

اس روایت نے وہ تختہ ہی اُلٹ دیا جس پر شیعوں نے "پُر فریب سبز باغ" لگایا تھا۔ اور صاعقہ عاد و ثمود کی طرح طبری، ابومخنف، واقدی، وامثالہم کے خرمن روایات کو خاکستر سیاہ بنا دیا۔ حقیقت واقعہ یہ ظاہر ہوئی کہ مسلمانوں کی خونریزی سے پریشان ہو کر محض للّٰہیت و اخلاص کے ساتھ حضرت معاویہ و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے مصالحت کی پیش کش کی۔ بیشک یہ ان کے اخلاص اور جذبۂ اخوت اسلامی کا تقاضا تھا۔ جس سے متاثر ہو کر اُنھوں نے اقدام صلح کیا۔ یقیناً یہ ان کے شایان شان تھا۔ جب یہ پیام مصالحت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچا تو اُنھوں نے اس مخلصانہ پیش کش کو خلوص کے ساتھ فوراً قبول فرما لیا اور جنگ بند کر دی۔ بلاشبہ یہی بات حضرت علیؓ کے شایان شان اور ان کے جذبۂ اخلاص و اخوت اسلامی سے مناسبت رکھنے والی تھی۔ سبائیوں کے ایک گروہ نے جو اس وقت تک شیعہ ہی تھے بلکہ اپنی ظاہری دینداری اور واقفیت دین کی وجہ سے "قراء" کے لقب سے ممتاز کئے گئے تھے اور بعد کو خوارج کے نام سے موسوم ہوئے ان سے اس بارے میں اختلاف کیا اور جنگ جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت سہل بن حُنیف نے اُنہیں سمجھایا اور اُنھیں اطاعت خلیفہ کی تلقین کی[1]۔ یہ تو ہے اصل حقیقت لیکن شیعوں نے اس قدر پروپیگنڈا

---

[1] شاید اسی موقع پر حضرت عمارؓ کو بھی حضرت علیؓ نے اس گروہ سبائی کو سمجھانے کے لئے بھیجا ہو اور شاید یہی وہ موقع ہے جب ان لوگوں نے اُنھیں شہید کر دیا اور علامہ مہلب و علامہ ابن بطالؒ کی یہی مراد ہو مندرجہ ذیل روایت پر غور کیجئے تو واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں اُنھوں نے فرمایا کہ میں نے صفین کے دن حضرت

(باقی صفحہ ۳۳۵ پر)

کیا اور طبری کی روایت کی اس قدر تشہیر کی کہ وہی زبان زد عوام وخواص ہوگئی حقیقت کذب وموضوع کے غبار میں ایسی مخفی ہوگئی کہ علامہ ابن کثیر وامثالہم کے ایسے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۴ پر) عمارؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک حربہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور (فرط جوش سے) ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا (اس حالت میں) انھوں نے فرمایا کہ "قسم اس ذات کے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے اس جھنڈے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تین مرتبہ جنگ کی ہے اور یہ چوتھی بار ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ لوگ ہمیں ماریں یہاں تک کہ ہمیں ہجر کی چٹانوں تک پیچھے ہٹا دیں تو بھی میں سمجھوں گا کہ ہمارے اصلاح پسند یا مصالحت پسند حق پر ہیں اور وہ لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں" (البدایہ والنہایہ جلد ہفتم۔ بیان جنگ صفین زیر عنوان "مقتل عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ" ص ۲۷۰) اس روایت میں لفظ "مصلحینا" قابل غور ہے جس کا ترجمہ میں نے "ہمارے اصلاح پسند" یا "مصالحت پسند" کیا ہے۔ امام احمدؒ کی مسند جو متن زیر بحث روایت کو پیش نظر رکھئے تو "مصلحین" سے مراد حضرت علیؓ اور ان کے ہمنوا معلوم ہوتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کرلی تھی اور جنگ بندی وتحکیم پر راضی ہوگئے تھے۔ حضرت عمارؓ ان کے ہم خیال تھے۔ اور ان کا جوش غضب ان سبائیوں کے خلاف تھا جو مصلحین کے مقابلہ میں مفسدین کے لقب کے مستحق تھے کیونکہ وہ جنگ وجدل جاری رکھنا چاہتے تھے نہ کہ اہل شام کے خلاف لیکن عام طور پر تاریخ نویسوں نے اس روایت کو ایسے سیاق میں ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمارؓ کا یہ جوش غضب اہل شام کے خلاف تھا مگر "مصلحینا" کا لفظ اس سے ابا کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو "رفقاءنا" ہمارے رفیق جو یا ہمارا گروہ "احبنا" ہمارے امیر وغیرہ الفاظ میں سے کوئی لفظ بولا جاتا۔ لفظ "مصلح" کا کیا محل تھا؟ اس لفظ کے معنی اس جگہ صلح جو صلح پسند آمادہ مصالحت ہی کے ہوسکتے ہیں جو قرائن اور مقتضی حال کے مطابق ہیں۔ لیکن یہ لفظ اس موقع پر حضرت علیؓ اور ان کے مخلص رفقاء کے لئے اسی وقت مستعمل ہوسکتا تھا جب وہ

(باقی صفحہ ۳۲۶ پر)

متبحر علماء کی نظرِ ثاقب بھی اس حجاب غبار کو پار نہ کرسکی۔ اور اس کے تتق میں اُلجھ کر رہ گئی۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۵ پر) جنگ بندی پر آمادہ ہو گئے ہوں۔ اگر جنگ جاری تھی یا حضرت علیؓ مصالحت اور جنگ بندی پر آمادہ نہ تھے جیسا کہ مشہور ہے تو اس موقع کے لحاظ سے انھیں اور ان کے رفقا کو "مصلح" (اصلاح پسند یا مصالحت پسند) کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ کسی تاویل کا سہارا لے کر اس صورت میں بھی یہ لفظ چسپاں کیا جائے لیکن وہ صرف منطقی تاویل ہوگی جسے ذوق بیان اور قرائن محل و مقام کبھی قبول نہ کریں گے محل و مقام کے لحاظ سے اس کے معنی وہی ہیں جو ہم نے لیے ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کا گروہ پہلے ہی مصالحت چاہتا تھا۔ بلکہ پیش کش صلح میں انھوں نے پہل کی تھی۔ اس لیے اس موقع پر "مصلحین" کے مقابل نہیں سمجھا جا سکتا اور حضرت عمارؓ کا یہ پرجوش و پرغیظ بیان ان کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کسی ایسے گروہ کے خلاف تھا جو حضرت علیؓ کی مصالحت پسندی اور جنگ بندی کا مخالف تھا۔ اس تصریح کی ضرورت نہیں کہ یہ سبائیوں کی وہی ٹولی تھی۔ جو کچھ عرصہ بعد خوارج کے نام سے متعارف ہوئی۔ اس بحث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اسے تسلیم کرنے سے حضرت عمارؓ کی شہادت کو ارسال مصحف کے بعد ماننا پڑے گا۔ حالانکہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حادثہ اس واقعہ کے پہلے ہوا ہے۔ حل یہ ہے کہ اول تو ان کے وقت شہادت میں روایات مختلف ہیں۔ صحیح وقت کا تعین دشوار ہے۔ اس مسئلہ پر بحث گزر چکی۔ لیکن اگر ان کی شہادت ارسال مصحف سے پہلے بھی تسلیم کر لی جائے تو بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا۔ یہ تو معلوم ہے کہ سبائیوں نے حضرت علیؓ سے جو اختلاف کیا تھا اس کا منصوبہ پہلے سے بنایا تھا۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ مصالحت کی طرف ان کا میلان پہلے ہی سے ہو۔ اور سبائیوں کو ان کا یہ رجحان معلوم ہو گیا ہو۔ اسی لیے ان کا ایک گروہ برہم ہو کر ان سے علیحدگی اور اختلاف کی سازش میں مصروف ہو۔ اسے معلوم کر کے حضرت عمارؓ نے یہ بات فرمائی ہو۔ اس کے بعد سبائیوں نے انھیں شہید کر دیا ہو۔ اور ارسال مصحف کا واقعہ اس کے بعد ہوا۔

حقیقت تو الم نشرح ہو چکی لیکن یہاں پہونچکر یہ سوال سامنے آجاتا ہے کہ شیعوں کی اس غلط بیانی کا منشار کیا تھا؟ اور انھوں نے کیوں اس دروغ بانی کا ارتکاب کیا؟ بات طویل ہو جائے گی لیکن اس راز کا انکشاف انشاء اللہ بصیرت افروز بھی ہوگا اور دلچسپ بھی اور اس سے مابعد کے بعض واقعات وحوادث کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔ اس لئے میں اسے سُننے کے لئے آپ سے کچھ مزید وقت کا طلبگار رہوں۔

پہلا راز :۔ ــــــ یہ ملحوظ رکھئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صفین میں جو سبائیہ تھے وہ سب شیعان علیؓ میں داخل تھے۔ شیعہ اور خارجی کی تقسیم اس وقت تک نہیں ہوئی تھی۔ نہ کسی خارجی کا اس وقت تک وجود تھا۔ خوارج اس وقت خوارج ہوئے جب انھوں نے ان کے خلاف تلوار نکالی چنانچہ انھوں نے بھی اس موقع پر ان کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں فرمایا جو باغیوں کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یہ موقع خاصی مدت کے بعد پیش آیا۔ اس وقت تک جملہ سبائیہ شیعہ ہی تھے خارجی کوئی نہ تھا۔ جن علماء نے اس موقع پر بھی اُنھیں خوارج کے نام سے یاد کیا ہے انھوں نے یہ لقب انھیں ان کے آئندہ طرزِ عمل کی وجہ سے دیا ہے۔ مثلاً عام بول چال میں کہتے ہیں کہ شیطان تو ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا حالانکہ اس وقت وہ شیطان نہ تھا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص جو آج شیطان ہے ایک زمانہ میں ملائکہ کی صحبت میں رہتا تھا۔ اسی طرح ان شیعوں کو صفین کے اس موقع پر بھی خارجی اس لئے کہہ دیا گیا کہ زمانہ مابعد میں ان سب کی ایک بڑی تعداد خارجی ہو گئی اور خلیفۃ المسلمین رضؓ کے خلاف تلوار لے کر کھڑی ہو گئی۔ ورنہ اس وقت تک یہ سب شیعہ اور سبائی تھے کوئی خارجی نہ تھا۔

قصہ مختصر، جب حضرت علیؓ نے مصالحت منظور فرمالی اور جنگ بند کرنے کا

حکم دیگر تحکیم پر راضی ہو گئے تو جتنے مخلصین ان کے ہمراہ تھے انھوں نے ان سے کلیتہً اتفاق کیا، ان حضرات میں سے کسی سے بھی اختلاف یا ناپسندیدگی کی کوئی قابل اعتبار روایت نہیں ملتی اور عقلاً ہو بھی نہ سکتی تھی کیونکہ یہ سب حضرات اللہ والے مخلص اور اتحاد بین المسلمین کے جویاں تھے۔ یہ مصالحت کی تجویز سے اختلاف کیسے کر سکتے تھے؟ مگر شیعوں کے دلوں میں اخلاص کے نام کی کسی چیز کا نام ونشان تک نہ تھا ان کے پیش نظر تو صرف اپنی پارٹی کے مصالح تھے۔ ان میں اس مسئلہ پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک پارٹی حضرت علیؓ کی موید تھی اور قبول تحکیم التوائے جنگ پر راضی تھی۔ یہ تائید و رضا جذبہ اخلاص پر مبنی نہ تھی بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اہل شام کی شمشیر خون آشام کی ضرب خارا شگاف نے ان کے اعصاب کو ڈھیلا کر دیا تھا اور فرط ہیبت سے یہ لرزہ بر اندام تھے۔ پیام صلح ان کے لئے پیام حیات تھا۔ جسے سنکر ان کی جان میں جان آئی اور اُسے قبول کرنے میں خلیفۃ المسلمین کی حمایت کی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی پارٹی کی مصلحت جس کی تفصیل یہاں غیر ضروری اور باعث تطویل ہے اور جس کی قدرے توضیح ہم کر بھی چکے ہیں اسی میں سمجھتے تھے کہ اس وقت صلح ہو جائے۔

شیعوں کی دوسری پارٹی جو اپنے سطحی معلومات اور ریاکارانہ عبادات کی وجہ سے سبائیوں میں قرار کا امتیازی لقب رکھتی تھی۔ اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کی مخالف ہو گئی۔ اس کا فتنہ پرور اور فساد انگیز دماغ شیعوں کی مصلحت اسی میں سمجھتا تھا کہ جنگ جاری ہے۔ اس کی تفصیل بھی بہت عبرت خیز بصیرت افروز ہے لیکن اس مقام پر خارج از موضوع اور باعث تطویل ہوگی۔ اور بقدر ضرورت اس پر روشنی ڈالی بھی جا چکی ہے۔

ابو مخنف وغیرہ شیعی راویوں اور مورخوں کے بالکل برخلاف امام احمد بن حنبل

قدس سرہٗ کی مندرجہ بالا روایت بتا رہی ہے کہ حضرت علیؓ کی رائے سے اختلاف رکھنے والے اور جنگ جاری رکھنے، تحکیم کو رد کرنے اور پیش کش مصالحت کو ٹھکرانے پر اصرار کرنے والے وہی شیعہ تھے جو اس وقت قراء کے لقب سے مشہور رہتے اور جنہیں مجازاً خوارج بھی کہا گیا ہے لیکن حقیقتاً اس وقت وہ شیعہ ہی تھے۔ اس کا نتیجہ صریح یہ ہے کہ مصالحت اور قبول تحکیم کے بارے میں حضرت علیؓ سے اتفاق کرنے والا وہی گروہ شیعہ تھا جو خارجی نہیں ہوا بلکہ اپنی شیعیت پر آخر دم تک قائم رہا اور جو موجودہ شیعوں کا پیشرو اور مقتدا ہے۔

یہاں پہونچکر تاریخ کا ورق الٹئے آپ دیکھ لیں گے کہ روایات اس بات پر متفق ہیں کہ رفع مصاحف یا صحیح الفاظ میں ارسال مصحف کے بعد سبائیوں کے ایک گروہ کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ مصالحت و جنگ بندی پر تیار ہو گئے ہیں تو اس نے اسی مقام صفین میں حضرت علیؓ سے نہایت متمردانہ اور باغیانہ انداز میں کہا تھا:-

| | |
|---|---|
| یا علیؓ اجب الی کتاب اللہ اذا دعیت الیہ والا ندفعنا ک برمتک الی القوم او نفعل بک ما فعلنا با بن عفانؓ (البدایہ والنہایہ بیان رفع اہل الشام المصاحف جلد ہفتم، تاریخ طبری جلد پنجم) | ای علیؓ تم کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو جب ادھر بلایا جائے ورنہ ہم تمہیں دشمنوں کے سپرد کر دیں گے یا تم سے وہی برتاؤ کریں گے جو ہم نے ابن عفانؓ (یعنی حضرت عثمانؓ) کے ساتھ کیا تھا۔ |

اس روایت کے آئینہ میں کہنے والوں کا چہرا بھی نظر آ رہا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ جملہ تاریخی روایتیں متفق ہیں کہ حضرت علیؓ کے ساتھ اس بے ادبی و گستاخی کا ارتکاب کرنے والے ان کے ساتھ بے وفائی اور غداری کرنے والے، اور ان ناپاک عزائم کا اظہار کرنے والے وہی سبائی تھے جو صلح کے جویاں التوائے

جنگ کے حریص اور قبول تحکیم کے خواہاں تھے۔

بات بالکل صاف ہو جاتی ہے اور تاریخ کا وہ "راز پنہاں" آشکارا ہو جاتا ہے جسے چھپانے کے لئے طبری، ابومخنف، سیف، واقدی و امثالہم نے جھوٹی اور جعلی روایتوں کے انبار لگا دیئے۔ یعنی منطقی طور پر یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے ادبی کرنے والے، انھیں گرفتاری اور قتل کی دھمکی دینے والے، ان کے مقدس خون سے ہاتھ رنگنے کا ارادہ کرنے والے وہ سبائی نہیں تھے جو بعد کو خوارج کہلائے بلکہ وہ سبائی تھے جو اس وقت بھی شیعہ تھے اس کے بعد آخر دم تک شیعان علیؓ کے لقب پر فخر کرتے رہے۔ جو شیعیت موجودہ کے بانی، اس کے اولین پیرو، موجودہ شیعوں کے پیشرو، پیشوا، اسلاف اور مقتدا ہیں۔ اور جن کے اقوال، روایات اور افعال موجودہ شیعیت اور شیعوں کے لئے حجت و دلیل کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان کے بعد آنے والی شیعی نسل نے گوارا نہ کیا کہ ان کے مقتداؤں اور بانیان مذہب کی پیشانی پر یہ کلنک کا ٹیکہ لگا رہے۔ انھوں نے اسے مٹانے کی کوشش کی اور ناکامی کے بعد اسے چھپانے کے لئے اس پر جھوٹی روایتوں اور من گھڑت قصوں کا پلاسٹر چڑھایا۔ تاریخ میں تحریف کا ارتکاب کیا اور اس جرم قبیح کو خوارج کے سر تھوپ دیا۔ ابن اسحاق، ابومخنف، سیف، واقدی کلبی وغیرہ شیعی روایت نگاروں نے بہت سلیقہ کے ساتھ ایسی روایتیں وضع کیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن شیعوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ مندرجہ بالا بے ادبانہ اور غدارانہ برتاؤ کیا تھا وہی بعد کو ان کے خلاف تلوار لے کر اٹھے اور خارجی کہلائے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے یعنی بے ادبی کرنے والے وہ شیعہ تھے جو ہمیشہ شیعہ رہے۔ خوارج نے بعد کو بغاوت کی مگر صفین میں غداری

یا بے ادبی نہیں کی چونکہ بعد کو انھوں نے بغاوت کا ارتکاب کیا اس لئے یہ جھوٹا الزام جس کے مجرم خود شیعہ تھے ان پر چسپاں ہو گیا اور عام طور پر لوگوں کو آسانی کے ساتھ یقین آگیا کہ انھیں لوگوں نے ایسا کیا ہو گا۔

قاعدہ ہے کہ ایک جھوٹ کو بنانے کے لئے دس جھوٹ مزید بولنا پڑتے ہیں۔ جب شیعوں نے اپنا جرم خوارج کے سر تھوپا تو انھیں یہ دکھانا لازم ہو گیا کہ حضرت علیؓ صلح اور قبول تحکیم کے مخالف تھے۔ ورنہ پھر خوارج کے اختلاف اور اس بے ادبانہ برتاؤ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس سبب سے سبائی کارخانہ میں وہ جعلی اور بے اصل روایتیں ڈھالی گئیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ مجبوراً التوائے جنگ اور تحکیم پر راضی ہو گئے تھے ورنہ ان کی رائے جنگ جاری رکھنے کی تھی۔

اس جعلسازی اور دروغ بافی کا ایک بہت قوی محرک یہ بھی تھا کہ شیعہ مذہب کے بانیوں اور اس کے اولین پیروؤں کے جن کی اقتدا ہر شیعہ لازم سمجھتا تھا، مندرجہ بالا غدارانہ بے ادبانہ اور گستاخانہ طرز عمل کے بعد نئے شیعوں کے حلق سے "امامت" اور "وصایت" کے باطل عقیدے کیسے اتر سکتے تھے؟ اس کے لئے ابو مخنف وغیرہ نے جعلی روایتیں تیار کیں طبری نے جلد ہی سے سب کو اکٹھا کر کے نئے شیعوں کے دلوں میں عقیدہ امامت و وصایت کی گرتی ہوئی چھت کو بچانے کے لئے ان جھوٹی اور جعلی روایتوں کا آڑ انا لگا دیا۔

دوسرا راز: ——— دوسرا راز اس سے بھی زیادہ اہم اور بصیرت افروز ہے۔ اس کی شرح یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی بنیاد عقیدہ "امامت" پر قائم ہے جو عقیدہ "وصایت" سے پیدا ہوا تھا جس کی تعلیم و تلقین ابن سبا نے کی تھی۔ اس کے راز دان شاگردوں نے کچھ بیوقوفوں کے دلوں کو ان عقائد باطلہ سے سیاہ و تاریک

بھی کر دیا لیکن خود جانتے تھے کہ یہ محض من گھڑت خیال ہے اس لیے حضرت علیؓ کی عظمت ان کے دلوں میں نہ تھی۔ لشکر علیؓ میں جو سبائی تھے ان میں زیادہ تر ایسے ہی افراد تھے۔ صفین میں جب حضرت علیؓ نے التوائے جنگ کا حکم دیا اور تحکیم قبول فرمالی تو یہ لوگ بھی راضی ہو گئے اور یہ عقیدہ ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوئے نہ انھیں کوئی اشکال پیش آیا کیونکہ ان کے نزدیک تو یہ عقیدے ایک سیاسی اسٹنٹ کی حیثیت رکھتے تھے لیکن جب شیعوں کی دوسری نسل آئی تو انھیں اپنے پیشواؤں اور بانیان فریب کے عمل نیز حضرت علیؓ کے طرز عمل اور عقیدہ امامت کے درمیان کھلا ہوا تعارض محسوس ہوا۔ شیعہ علماء مثل ابومخنف واقدی وغیرہ نے پہلے اشکال کا حل تو یہ تجویز کیا کہ جھوٹی روایتیں گڑھ کر اپنے بانیان مذہب کا جرم خوارج کے سر تھوپ دیا۔ مگر دوسرا اشکال اس سے بھی زیادہ سخت تھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ جب حضرت علیؓ امام قائم الزمان اور وصی رسول تھے تو انھوں نے ایک باغی سے عارضی صلح کیسے منظور کر لی؟ اور جنگ سے کیوں ہاتھ روکا؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ان کا حق پر ہونا قطعی اور یقینی تھا جیسا کہ عقیدہ امامت و عقیدہ وصایت کا تقاضا ہے تو انھوں نے کتاب اللہ کو حکم بنانا یا دوسروں سے فیصلہ کرانا کیسے گوارا کر لیا؟ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنا حق پر ہونا انھیں کسی دلیل شرعی قطعی سے معلوم نہ تھا۔ بلکہ وہ اسے ایک مجتہد فیہ مسئلہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ شیعوں کے نزدیک امام تو معصوم ہوتا ہے وہ ہمیشہ حق پر ہوتا ہے اور اس کا مخالف ہمیشہ باطل پر اور اسے اپنا حق پر ہونا بھی دلیل قطعی سے معلوم ہوتا ہے۔ انھیں اپنے برسرِ حق ہونے میں شبہ کیوں ہوا؟ اور اہل باطل سے انھوں نے مصالحت کیوں کی، غیر معصوم کو حکم بنانا کیوں منظور کیا؟ یہ اور اس قسم کے بہت سے سنگلاخ مسئلے نئی شیعہ نسل کے سامنے آ گئے

اور علماء و رواۃ شیعہ کو اندیشہ ہوا کہیں شیعیت کی کشتی ان اشکالات کے بھنور میں غرق نہ ہو جائے۔ اسے سہارا دینے کے لئے سبائی کارخانہ کی مشینیں حرکت میں آگئیں فضلاء کذبیات اور ماہرین دروغ سازی و دروغ بافی مثل واقدی و ابو مخنف وکلبی وغیرہ نے یہ افسانہ تیار کر دیا کہ حضرت علیؓ التوائے جنگ اور قبول تحکیم پر راضی نہ تھے بلکہ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے لیکن خوارج کے تمرد کی وجہ سے مجبوراً انھیں جنگ روکنا پڑی۔

یہ ہیں وہ اسباب و مقاصد جن کی وجہ سے شیعہ مورخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ بہتان طرازی کی کہ وہ جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے اور صلح پر راضی نہ تھے۔ لیکن مجبوراً اس پر تیار ہو گئے اسی کے لئے ان فریب کار اور خائن راویوں اور مصنفین نے جھوٹی روایتیں وضع کیں، صحیح روایتوں میں تحریف کر کے تاریخ کے دھارے کو موڑنے کی ناپاک کوشش کی۔ عام طور پر لوگ ان کتابوں کا مطالعہ سطحی نظر سے کرتے ہیں اس لئے ان کے مغالطوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن غائر نظر سارا راز فاش کر دیتی ہے۔ اور حقیقت عیاں ہو جاتی ہے ؎

صیاد نے لگائے ہیں پھندے کہاں کہاں
سارے پتے عیاں ہیں اسی سبز باغ سے

قاری کی ایک الجھن دور کر دینا ہمارا فرض ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے خود اپنی خوشی اور مرضی سے التوائے جنگ اور تحکیم کو منظور فرما لیا تھا تو شیعوں کے اس گروہ نے جو اس بارے میں ان کا ہم خیال تھا اور خود یہی چاہتا تھا ان سے مندرجہ بالا بے ادبانہ اور باغیانہ گفتگو کیوں کی؟ اور انھیں قتل کی دھمکی کیوں دی؟ اس طرز عمل کی انھیں ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی؟ لیکن یہ اشکال روایت پر ذرا غائر نظر ڈالنے سے حل ہو جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ

حضرت علیؓ نے پیامِ صُلح فوراً منظور فرما لیا، تحکیم قبول فرمالی اور جنگ بند کرنے کا حکم جاری فرما دیا۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایت مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں اکثر مقامات جنگ بند ہوگئی لیکن شیعوں کا وہ گروہ جو جنگ بندی کا مخالف تھا اُس نے امیرالمومنین کی بات سُنی اَن سُنی کردی اور جنگ جاری رکھی۔ اس میں نمایاں شخصیت رئیس المفسدین مالک اشتر کی تھی۔ اس نے اُن کے حکم کو ٹالا اور جنگ جاری رکھی۔ اس کے رویہ کو دیکھ کر شیعوں کے اس گروہ کو جو التوائے جنگ چاہتا تھا یہ شبہ ہوا کہ حضرت علیؓ نے بظاہر تو التوائے جنگ کا حکم دیدیا ہے لیکن خفیہ طور پر مالک اشتر سے کہلا بھیجا ہے کہ جنگ جاری رکھے۔ اس شبہ کی وجہ سے وہ مشتعل ہوگئے اور انھوں نے ان سے وہ باغیانہ اور تہدید آمیز گفتگو کی جو اوپر مذکور ہوئی، طبری کی مندرجہ ذیل روایت پر غور کیجئے تو عقدہ کھل جاتا ہے۔ وہ بروایت ابو مخنف لکھتا ہے:-

ان لوگوں (جو التوائے جنگ اور معاہدہ تحکیم چاہتے تھے) نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اشتر کے پاس کسی کو بھیجئے کہ وہ اسے آپ کے پاس بُلا لائے۔ انھوں نے یزید بن ہانی سبیعی کو اس کے پاس بھیجا۔ جب یہ اس کے پاس پہونچے تو اُس نے جواب دیا کہ ان سے (حضرت علیؓ سے) کہو کہ یہ وقت اپنے مقام سے میرے ہٹنے کا نہیں ہے مجھے یہاں سے نہ ہٹایئے۔ مجھے فتح کی اُمید ہے۔ جلدی نہ کیجیے۔ یہ سنکر یزید بن ہانی واپس آگئے اور اس کا جواب حضرت علیؓ کو پہونچایا لیکن یہ جیسے ہی یہاں پہونچے ہیں کہ اشتر کی جانب سے شور و غل سُنائی دیا۔ اسے سنکر ان شیعوں نے (جو التوائے جنگ و قبول تحکیم چاہتے تھے) کہا کہ خدا کی قسم ہم سمجھتے ہیں کہ آپ نے اسے (مالک اشتر کو) جنگ جاری رکھنے کا حکم بھیجا ہے۔ اس پر

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم نے میرے ساتھ یہ بدگمانی کیوں کی ؟ حالانکہ تم نے دیکھا تھا کہ میں نے ان سے (یزید بن ہانی سے) چپکے چپکے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ میں نے جو کچھ کہا تمہارے سامنے علی الاعلان کہا جسے تم نے بھی سنا۔ اس پر انھوں نے کہا کہ اسے بلوالیجئے ورنہ ہم لوگ آپ سے الگ ہوجائیں گے۔"

اس کے بعد مذکور ہے کہ یزید بن ہانی پھر گئے۔ مالک اشتر نے پھر حکم ماننے اور جنگ بند کرنے میں آنا کانی کی لیکن جب انھوں نے کہا کہ اگر تم واپس نہ ہوگے اور جنگ نہ بند کروگے تو امیرالمومنین کو شہید کردیا جائے گا اس وقت مجبوراً واپس ہوا (طبری جلد ششم حوادث ۳۷ زیر عنوان ماروی من رفعہم المصاحف ص۳۶ الخ)

عیاں راچہ بیان روایت خصوصاً خط کشیدہ جملوں کو دیکھئے مندرجہ ذیل امور بدیہی طور پر آپ کو نظر آجائیں گے۔

(۱) جنگ ہر طرف بند ہوچکی تھی۔ صرف مالک اشتر کے محاذ پر جاری تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان شیعوں کا مطالبہ دوسرے محاذوں کے سرداروں کو بھی بلانے یا جنگ بند کرنے کا حکم بھیجنے کا ہوتا — مالک اشتر کے متعلق اس مطالبہ کے واضح معنی یہ ہیں صرف وہ اپنے دستہ فوج کے ساتھ مصروف جنگ تھا۔ اس کے علاوہ پورا لشکر جنگ سے ہاتھ روک چکا تھا۔

(۲) مالک اشتر کے رویہ کی وجہ سے ان لوگوں کو حضرت علیؓ پر شبہ ہوا کہ انھوں نے ظاہر میں کچھ حکم دیا ہے اور خفیہ حکم دوسرا ہے۔ اسی پر وہ مشتعل ہوگئے۔

باوجود ادعاء شیعیت حضرت علیؓ پر ان کی یہ بے اعتمادی اور بدگمانی ناواقفوں اور سطح بینوں کے لئے تعجب خیز ہوسکتی ہے لیکن جو لوگ شیعہ مذہب کی حقیقت اور اس کی تاریخ سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتے ہیں ان کے لئے ذرا بھی تعجب

کے لائق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شیعہ مذہب آسمانی اور خدائی نہیں ہے بلکہ انسانی ذہن کا ایجاد کیا ہوا مصنوعی اور باطل مذہب ہے جس کا موجد اول ایک یہودی تھا اور جو مذاہب اختراعی اور مصنوعی ہوتے ہیں ان کے بانیوں اور اولین پیروؤں کو اپنے مذہبی بزرگوں کے ساتھ کوئی خاص عقیدت نہیں ہوتی نہ ان کی زیادہ عظمت ان کے دل میں ہوتی ہے۔ یہی حال ان اولین شیعوں کا تھا ان کے دلوں میں حضرت علیؓ کی وقعت وعظمت برائے نام تھی اس لئے ان پر اعتماد نہ تھا اور ان پر بار بار بدگمانی ہوتی تھی۔

اس کے علاوہ عقیدۂ امامت بعد کے شیعوں کی ایجاد ہے اس وقت تک یہ عقیدہ ان میں کم از کم اس شکل میں موجود نہ تھا جو اس نے دوسری یا تیسری صدی میں اختیار کی۔ ابن سبا نے وصایت کے عقیدے کی تعلیم دی تھی امام کے معصوم اور مفترض الطاعۃ وغیرہ ہونے کے عقائد باطلہ کی قلم اس میں بعد کو باندھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صفین میں اپنے امام سے غداری وبے ادبی کرنے والے سبائیوں کو کوئی اشکال نہ ہوا۔ لیکن بعد کے شیعوں کے لئے یہ عقدہ اس قدر مشکل اور لاینحل ثابت ہوا کہ اسے کھولنے کے لئے کذب ودروغ کے ناخن درکار ہوئے۔

**تذکرۂ نتائج بحث وتحقیق** یاددہانی کے لئے اس پوری بحث وتحقیق کے نتائج مختصراً مکرر سطور ذیل میں سپرد قلم ہیں۔

اول :۔ نیزوں پر قرآن مجید بلند کرانے کا افسانہ بالکل غلط اور جعلی ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قرآن مجید ایک شخص کے ہاتھ حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کے پاس بھیجا تھا۔

دوم :۔ یہ غلط اور شیعوں کا افترا ہے کہ انھوں نے آثار شکست دیکھ کر ایسا کیا تھا یا حضرت عمرو بن العاصؓ نے شکست سے بچنے اور لشکر علویؓ میں اختلاف

ڈالنے کے لئے انھیں یہ مشورہ دیا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کی شکست کے آثار تھے نہ انہیں پھوٹ ڈلوانا مقصود تھا۔ بلکہ محض اخلاص، للٰہیت، خیر خواہی اسلام و مسلمین اور اخوت اسلامی کے جذبہ کے ماتحت حضرت عمرو بن العاص نے یہ مشورہ دیا اور حضرت معاویہ نے انہیں جذبات و مقاصد کی بنا پر اس پر عمل فرمایا۔ اور مصحف بھیجکر پیام صلح و تحکیم دیا۔

سوم :۔ مشہور عام قصہ کہ حضرت علیؓ نے التوائے جنگ اور معاہدۂ تحکیم خوارج کی سرکشی کی وجہ سے باول ناخواستہ مجبوراً قبول کیا تھا بالکل غلط، سرتاپا کذب و دروغ اور آں ممدوح پر شیعوں کا افتراء و بہتان ہے۔ صحیح واقعہ اور حقیقت ثابتہ یہ ہے کہ انھوں نے پیام صلح موصول ہوتے ہی بہت خوشی کے ساتھ فوراً اسے منظور فرمالیا اور جنگ بند کرنے کا حکم صادر فرمادیا۔ یہی نہیں بلکہ اسی وقت ہر مورچہ پر عملاً جنگ بند ہوگئی۔ صرف سبائی لیڈر مالک اشتر اپنے اشرار و اذناب کی ٹولی لئے ہوئے لڑائی میں مصروف تھا علاوہ دلائل سابقہ کے مندرجہ ذیل قرائن بھی اسکی تائید کرتے ہیں

پہلا قرینہ یہ ہے کہ طبری کی اس روایت سے جو چند صفحات پہلے منقول ہوئی ہے واضح ہورہا ہے کہ جب مذکورہ سبائی ٹولی نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی تو اس سے پہلے ہی سب مورچوں پر جنگ بند ہوچکی تھی۔ صرف مشہور مفسد مالک اشتر اپنے زیر کمان دستہ کے ساتھ ایک مورچہ پر مصروف جنگ تھا۔ اگر انھوں نے دھمکی سے پہلے ہی جنگ بند کرنے کا حکم نہیں دیا تھا تو ہر مورچہ پر لڑائی کیوں بند ہوگئی؟ ان کے ساتھ صرف سبائی ہی تو نہ تھے۔ مخلصین کی بھی تو ایک بڑی تعداد تھی۔ پھر ان لوگوں نے بغیر حکم امیر ہاتھ کیوں روک لیا؟ اس سے یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہوجاتی ہے کہ اس دھمکی اور خوارج کی سرکشی سے

پہلے ہی وہ جنگ بندی کا حکم دے چکے تھے اور اس وقت انھیں کوئی مجبوری نہ تھی۔ بلکہ انھوں نے بطیب خاطر اپنی رائے سے التوائے جنگ اور تحکیم کو منظور فرما کر جنگ بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اگر سبائیوں کی ایک ٹولی آمادۂ بغاوت بھی ہوگئی تھی تو مخلصین تو ان کے ساتھ تھے اور سبائیوں کی دوسری ٹولی بھی حکم ماننے پر تیار تھی۔ کیا وہ یہ نہیں کرسکتے تھے کہ مخلصین اور اس سبائی گروہ کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیتے اور ان دونوں فوجوں کی اعانت سے اس نافرمان گروہ کو ہتھیار رکھنے پر مجبور کردیتے خصوصاً جبکہ بقول شیعی مورخین آثار فتح نمایاں ہو رہے تھے؟ ہاں، یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ بقول شیعی مورخین یاد وفا شیعان علیؓ (جن میں مالک اشتر بھی تھا) کی ہمت وجرأت اور عقیدت وغیرت کو کیا سانپ سونگھ گیا تھا کہ انھوں نے بقول خود وصی رسول اور اپنے امام قائم الزمان کی توہین ہوتے دیکھی اور ان نابکاروں پر ٹوٹ نہ پڑے جو بے ادبی اور نافرمانی کا ارتکاب کر رہے تھے؟ واہ ری عقیدت اور واہ ری جرأت وشجاعت!

چوتھا قرینہ یہ ہے کہ اگر صورت واقعہ وہی تھی جو شیعہ مورخین بیان کرتے ہیں یعنی حضرت علیؓ نے خوارج کے دباؤ سے مجبور ہو کر التوائے جنگ اور تحکیم کی منظوری دی اور وہ خود جنگ جاری رکھنے کے خواہاں تھے۔ تو مندرجہ ذیل سوال فطری طور پر سامنے آتا ہے:۔

جب خوارج اس قدر طاقتور تھے کہ عین میدان جنگ اور خلیفۃ المسلمین کے مسلح وفاداروں کی موجودگی میں امیر المومنین کو پالیسی ڈکٹیٹ کرائیں اور ان کے مخلصین کے سامنے انھیں قتل کی دھمکی دیں تو شام پر حضرت علیؓ کے غلبہ کی صورت میں دینی نقطۂ نظر سے صورت حال کیا ہوتی؟

خوارج کا گمراہ اور بددین ہونا ایک مسلمہ واقعہ ہے۔ کیا بصورت فتح پورے صوبہ شام اور اس کے توابع پر انھیں گمراہوں کا غلبہ نہ ہو جاتا؟ اور کیا اس سے بد دینی نہ پھیلتی؟ اور کیا شام اور اس کے توابع پر ان گمراہوں کے غلبہ کی وجہ سے ان کی قوت اور اسی کے تناسب سے ان کی گمراہی و بددینی کی اشاعت میں اضافہ نہ ہوتا؟ بات بالکل بدیہی ہے کوئی فہیم آدمی ان سوالات کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا حضرت علیؓ کو یقیناً اس کا احساس ہوگا۔ اس سے منطقی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا موقف دینی نقطہ نظر سے بالکل صحیح اور مناسب اور حضرت علیؓ کا موقف غلط تھا۔ اگر وہ دل سے جنگ جاری رکھنے کے خواہاں تھے تو لازم آتا ہے کہ انھیں اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کی کوئی پروا نہ تھی العیاذ باللہ۔ یہ نتیجہ ہے شیعہ مورخین کی مندرجہ بالا غلط بیانی اور جعلی کہانی کو صحیح تسلیم کرنے کا۔ اس لئے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ ان سبائیوں یا سبائیت زدہ تاریخ نگاروں کی بیان کردہ مندرجہ بالا حکایات بالکل غلط، اور جعلی ہے۔ اصل حقیقت وہ ہے جو ہم نے عرض کی [1] یعنی انھوں نے

---

[1] ایک لطیفہ اور ملاحظہ ہو حضرت عثمانؓ پر مطاعن کے ذیل میں "خلافت و ملوکیت" ص۱۱۴ پر مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت معاویہؓ اس صوبہ کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انھوں نے یہاں اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور مرکز کے قابو میں نہ رہے۔ بلکہ مرکز ان کے رحم وکرم پر منحصر ہوگیا"

یہ تو مودودی صاحب کا دعوٰی ہے جس کا ثبوت تار عنکبوت کے برابر بھی وہ نہ پیش کر سکے۔ اور صفحات سابقہ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ و حضرت معاویہؓ پر ان کا افترا و بہتان ہے مگر سبائیوں کے ہاتھوں حضرت علیؓ کی مجبوری اور بے بسی تو وہ خود بیان کر رہے ہیں۔ اگر کوئی ناصبی انھیں کی عبارت مذکورہ میں تھوڑا سا ضروری تغیر کرکے اس طرح لکھے "حضرت علیؓ نے سبائیوں کی اس قدر رعایت کی کہ انھوں نے ایوان خلافت میں "اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں" اور وہ خلیفہ کے "قابو میں نہ رہے" بلکہ ایوان خلافت "خود ان کے رحم وکرم پر منحصر ہوگیا" تو وہ کیا جواب دیں گے؟ منہ

خلوص قلب کے ساتھ محض رضائے الٰہی کے لئے اور اسلام کی مصلحت کے پیش نظر
بطیب خاطر جنگ بندی اور تحکیم قبول فرمائی۔

نتیجہ چہارم:۔ یہ کہنا کہ خوارج جنگ بندی چاہتے تھے اور شیعہ جنگ جاری
رکھنے پر اصرار کر رہے تھے تاریخ کا مغالطہ ہے۔ گزشتہ صفحات کی بحث سے روشن ہوگیا
کہ جنگ بندی چاہنے والے شیعہ ہی تھے ان میں سے بہت سے لوگ آخر وقت تک
شیعہ رہے اور وہی موجودہ شیعوں کے پیش رو ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے
حضرت علیؓ کو قتل کی دھمکی دی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انھیں حضرت علیؓ کی بات پر
اطمینان نہ رہا تھا اور شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ آں محترم نے ظاہر میں تو جنگ بندی کا حکم
دے دیا ہے مگر خفیہ طور پر اپنے جرنلوں کو جنگ جاری رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے
اس شبہ کی وجہ سے انھوں نے آں محترم کو قتل کی دھمکی دی۔

تحکیم کا قصہ:۔

میں نے واقعہ کے بجائے لفظ قصہ قصداً استعمال کیا ہے کیونکہ مودودی صاحب نے
جو کچھ لکھا ہے وہ شیعوں کا تصنیف کیا ہوا قصہ اور افسانہ ہی ہے۔ حقیقت اور واقعہ
نہیں۔ اس بحث میں پہلے انھوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ اپنے پیش رو سبائیوں
کی بے وفائی، کج ادائی اور بے راہ روی کا مرثیہ پڑھا ہے۔ اس کے متعلق ہمیں کچھ
نہیں کہنا ہے یہ ان کا گھریلو معاملہ ہے وہ جانیں اور ان کے سبائی بھائی۔ اس نوحہ
خوانی کے بعد لکھتے ہیں:۔

معاہدے کی جو عبارت مورخین نے نقل کی ہے۔ اس میں تحکیم کی بنیاد یہ تھی:۔

"دونوں حکم جو کتاب اللہ میں پائیں اسی پر عمل کریں اور جو کتاب
اللہ میں نہ پائیں اس کے بارے میں سنت عادلہ جامعہ غیر متفرقہ پر عمل
کریں۔"

"لیکن دومۃ الجندل میں جب دونوں حَکَم مل کر بیٹھے تو سرے سے یہ امر زیر بحث ہی نہ آیا کہ قرآن اور سنت کی رو سے اس قصہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے؟ قرآن میں صاف حکم موجود تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کی صحیح صورت طائفہ باغیہ کو راہ راست پر آنے کے لئے مجبور کرنا ہے۔ حضرت عمار کی شہادت کے بعد نص صریح نے متعین کر دیا تھا کہ اس قصہ میں طائفہ باغیہ کون ہے۔ ایک امیر کی امارت قائم ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت نہ کرنے والے کے بارے میں بھی واضح احادیث موجود تھیں۔ خون کے دعوے کا بھی شریعت میں صاف ضابطہ موجود تھا جس کی رو سے دیکھا جا سکتا تھا کہ حضرت معاویہؓ نے خونِ عثمان سے متعلق اپنا دعویٰ ٹھیک طریقے سے اٹھایا ہے یا غلط طریقے سے اور معاہدۂ تحکیم کی رو سے دونوں صاحبوں کے سپرد یہ کام سرے سے کیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ خلافت کے مسئلہ کا جو فیصلہ بطور مناسب سمجھیں کر دیں بلکہ ان کے حوالہ فریقین کا پورا جھگڑا اس صراحت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ اولاً کتاب اللہ اور پھر سنت عادلہ کے مطابق تصفیہ کریں مگر جب دونوں بزرگوں نے بات چیت شروع کی تو ان سارے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے یہ بحث شروع کر دی کہ خلافت کا مسئلہ اب کیسے طے کیا جائے"۔ (ص ۱۴۰)

اس طویل عبارت میں مودودی صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے سابقہ دعاوی کا اعادہ اور اُن کی تکرار ہے ان سب باتوں کا باطل ہونا صفحات سابقہ میں ثابت کیا جا چکا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ اہل شام کو از روئے نص صریح طائفہ باغیہ قرار دینا انتہائی لغو اور کلیۃً باطل دعویٰ ہے[۱]۔ یہ کہنا بھی انتہائی لغویت ہے کہ انتخاب امیر کے بعد

---

[۱] بلکہ خود آپ کے بیان اور آپ کی نقل کردہ روایت سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں حضرات (باقی ص ۳۵۲ پر)

اس کی اطاعت سے انحراف سے تعلق رکھنے والے احکام شرعیہ اس موقع پر چسپاں ہوتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی مستقل امارت تسلیم ہی کب کی تھی؟ جو احکام مذکور کا ان کے معاملے پر اطلاق ہوتا؟ پھر یہ کہ انھوں نے ان کی اطاعت سے کلیتہً انحراف کیا تھا؟ انھوں نے تو صرف ایک جزئی معاملے یعنی معزولی کے بارے میں ان کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا۔ سیدنا عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں بھی ان کی روش بالکل شریعت کے مطابق تھی۔ مطالبہ کسی عدالتی کارروائی کا نہ تھا بلکہ ایک دشمن اسلام پارٹی کی قوت و شوکت کو خاک میں ملانے کا تھا جو یہودی ذہن رکھتی تھی۔ اور اسلام و خلافت اسلامیہ کو مٹانے کے لئے سازش و کوشش میں مصروف تھی۔ بالفاظ دیگر اسلام کے خلاف منافقوں کی معاندانہ تحریک کو ختم کرنے کا مطالبہ تھا۔ قصاص کے تمام قوانین اسلامیہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ان سب امور پر بحث صفحات سابقہ میں موجود ہے۔ یہاں یاد دہانی کے لئے اشارہ کافی ہے۔ مودودی صاحب نے اس موقع پر جو خامہ فرسائی فرمائی ہے اس کے بعض لطائف ملاحظہ ہوں :۔

پہلا لطیفہ یہ ہے کہ متن معاہدہ ایک مجمل دستاویز ہے جس کی تشریح فریقین کے نمائندوں پر چھوڑ دی گئی تھی اور تفصیلی ایجنڈا انھیں نہیں دیا گیا تھا مگر آج ۱۳ سو برس کے بعد مودودی صاحب بغیر کسی دلیل و سند کے اس کا ایجنڈا تیار فرما رہے ہیں۔ آخر یہ حق انھوں نے کس قانون شرعی یا عقلی کی بنا پر حاصل کر لیا؟ پھر ایجنڈا بھی اس طرح تصنیف فرمایا کہ گویا اس میں کوئی بات بھی قابل بحث و اختلاف نہیں۔ ان کے نزدیک ہونا یہ چاہیئے تھا کہ حضرت ابوموسیٰؓ ایجنڈا پڑھتے جاتے اور حضرت

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۱) اور صحابہ کرامؓ کی وہ جماعت جس نے انھیں مقرر کیا تھا کسی نص صریح یا غیر صریح یا کسی اور دلیل سے حضرت معاویہؓ کو باغی نہیں سمجھتے تھے ورنہ اس مسئلہ پر بحث ہوتی۔

عمروؓ بن العاص ان کی رائے پر "بجا ارشاد ہوا" کہتے جاتے۔ معمولی فہم رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر کسی بات میں اختلاف کی گنجائش ہی نہ ہوتی تو تحکیم کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ انھوں نے بڑی کدوکاوش سے تین آئٹم کا ایجنڈا وضع کیا۔ اور صرف مسئلہ خلافت کو ناقابل بحث قرار دینے کے لئے یہ پاپڑ بیلے۔ مگر اس سے پیچھا نہ چھوٹا۔ ان کے موضوعہ مباحث میں سے جس مسئلہ پر بھی گفتگو شروع ہوتی؛ مسئلہ خلافت لازماً سامنے آجاتا۔ حضرت معاویہؓ کی مزعومہ بغاوت کا معاملہ سامنے آتا تو بنیادی تنقیح یہ ہوتی کہ حضرت علیؓ کی خلافت کی کیا حیثیت ہے؟ آں محترم کی خلافت پر اتفاق نہیں ہوا، رائے دہندگان کی بہت بڑی تعداد حق رائے دہی استعمال کرنے سے محروم رہی انتخاب آزاد فضا میں نہیں ہوا۔ بلکہ اس حالت میں ہوا کہ مفسدوں اور زندیقوں کا ایک گروہ دباؤ اور جبر سے کام لے رہا تھا اور وہ اب تک خلافت کی پالیسی اور سیاست پر چھایا ہوا ہے اِن حالات میں آں محترم کی خلافت صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو صرف ہنگامی اور عبوری حکومت کی حیثیت رکھتی ہے یا مستقل؟ قاتلین سیدنا عثمانؓ کی سزا اور اس کے مطالبہ کا مسئلہ زیر بحث آتا تو بھی مسئلہ خلافت سامنے آجاتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا کہ جب خلیفہ ایک ایسی جماعت کو سزا دینے سے قاصر ہیں جو یہود کی آلۂ کار، دشمن دین حق، اور باغی ہے، جس نے خلیفۂ وقت کو شہید کیا اور دستور اسلامی میں تحریف کرنے کی کوشش کی تو ان کی خلافت مستقل ہوئی بھی یا نہیں؟ اور اس کے استمرار کے لئے استصواب رائے عامہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ان تنقیحات کا جواب کیا ہوتا اور فریقین میں سے کس کے حق میں ہوتا؟ اس سے یہاں بحث نہیں۔ بتانا صرف یہ ہے کہ معترض کے پیش کردہ مسائل ہی زیر بحث آتے تو بھی مسئلہ خلافت پر غور اور اس کا فیصلہ ناگزیر ہوتا۔ اس سے

کوئی مفر نہ تھا۔ گویا ان کی یہ نکتہ آفرینی بھی ان کے لئے الجھن کا سبب بن گئی:۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں بزرگان محترم پر مودودی صاحب کا اعتراض انتہائی لغو اور بے محل ہے۔ معاہدے کی جو عبارت خود انھوں نے نقل کی ہے اس میں لفظ "عملاً" ہے "یقضیا" نہیں ہے۔ حکمین کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ حالات پر غور و فکر کر کے ایسا فارمولا تیار کریں جس پر عمل کرنے سے فریقین کے درمیان جنگ و جدل کا خاتمہ ہو جائے اور عالم اسلامی سے خانہ جنگی کی بلا دور ہو، شرط یہ تھی کہ یہ فارمولا کتاب وسنت کی روشنی میں وضع کیا جائے۔ لفظ "عملاً" کا عموم اس اختیار عام کا واضح ثبوت ہے اس عموم اختیار کے دائرے میں مسئلہ خلافت بھی داخل ہے اس سے بحث اور اس کے بارے میں فیصلہ نہ صرف جائز بلکہ لازم اور ناگزیر تھا۔ یہ دونوں حضرات "حکم" تھے "قاضی" نہ تھے۔ فقہ سے مناسبت کی کمی کی وجہ سے جناب معترض ان دونوں میں فرق نہ کر سکے اور بغیر سمجھے بوجھے اعتراض کر دیا۔

علاوہ بریں، معاہدے کے مندرجہ ذیل جملے، جو طبری کی اسی روایت میں مذکور ہیں حکمین کے اختیارات کی وسعت اور ان کے عموم کی واضح دلیل ہیں، ملاحظہ ہو:

| | |
|---|---|
| وعلی عبد اللہ بن قیس وعمرو بن العاص | اور عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ) اور عمرو بن |
| عہد اللہ ومیثاقہ ان یحکما | العاص پر اللہ کا عہد و میثاق یہ ہے کہ اس |
| بین ھذہ الامۃ ولا یردا ھا فی | امت کے درمیان فیصلہ کر دیں اور اسے |
| حرب ولا فرقۃ حتی یعصیا | جنگ و تفرقہ کی جانب نہ واپس کریں۔ ورنہ |
| (طبری ج ۶ حوادث ۳۷ھ زیر عنوان ما روی من رفعھم المصاحف) | دونوں گناہگار ہوں گے۔ |

"اس میں دونوں "حکمین" کو فریقین کے درمیان نہیں بلکہ امت کے درمیان

خانہ جنگی ختم کرنے، اور اس میں اجتماع و اتحاد پیدا کرنے کا طریقہ بتانے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ فریقین کے درمیان متنازعہ فیہ امور کا تو ادنیٰ تذکرہ بھی اس میں نہیں۔ "حکمین" کے اختیارات کی وسعت کی یہ روشن دلیل ہے۔

ہمارے بیان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ خوارج کو اس "تحکیم" پر سخت اعتراض تھا اگر "حکمین" کی حیثیت "قاضی" کی ہوتی، اور "تحکیم و قضا" میں شرعاً ترادف ہوتا تو اُنھیں اعتراض کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ "قضا" اور "قاضی" کے تو وہ بھی قائل تھے۔ قاضی تو مقرر ہوتے ہی رہتے تھے انھیں ان پر کبھی اعتراض نہ ہوا۔ اور ہوتا بھی کیسے جبکہ نظام قضا و عدل سے چارا نہیں۔ خود ان کی حکومت قائم ہوئی تو اس میں بھی قاضی مقرر ہوئے۔ انھیں اعتراض اسی بات پر تھا کہ ان دونوں بزرگوں کو حکم بنا کر ان کے اختیار کو اس قدر وسیع کیوں کر دیا گیا کہ یہ اپنے اجتہاد سے اُمت کے درمیان اتحاد و مصالحت کی راہ تلاش کر کے اکابر اُمت کے سامنے پیش کریں "حکم" اور "قاضی" کا فرق خوارج تو سمجھتے تھے۔ مگر مودودی صاحب نہ سمجھ سکے

## حکمین کے درمیان گفتگو اور اس کا نتیجہ :-

حکمین کے درمیان جو گفتگو ہوئی اور اس سے جو نتیجہ نکلا اس کے بارے میں روایات مضطرب اور مختلف ہیں۔ مذہب میں یگانگت کی وجہ سے مودودی صاحب کو مشہور کذاب ابومخنف، شیعی کی روایت پسند آئی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں حکموں نے طے کیا کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے اس کے بعد نیا انتخاب کیا جائے اور مسلمان جسے چاہیں خلافت کے لئے منتخب کریں۔ خواہ اُنھیں دونوں میں سے ایک کو یا کسی تیسرے کو۔ اب اس متفقہ تجویز کے اعلان کا موقع آیا۔ تو مودودی صاحب کے الفاظ میں :-

" اس کے بعد دونوں صاحب مجمع عام میں آئے جہاں دونوں

طرف کے چار چار سو اصحاب اور کچھ غیر جانبدار بزرگ موجود تھے حضرت عمروؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ سے کہا آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ ہم ایک رائے پر متفق ہو گئے ہیں (ص ۱۳۱)

چند سطروں کے بعد اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"پھر وہ تقریر کے لئے اٹھے اور اس میں اعلان کیا کہ میں اور میرے دوست (یعنی عمروؓ بن العاص) ایک بات پر متفق ہو گئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ کو الگ کر دیں اور لوگ باہمی مشورے سے جس کو پسند کریں اپنا امیر بنا لیں۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا ان صاحب نے جو کچھ کہا وہ آپ لوگوں نے سن لیا انھوں نے اپنے آدمی (حضرت علیؓ) کو معزول کر دیا ہے۔ میں بھی ان کی طرح انھیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہؓ) کو قائم رکھتا ہوں" "یہ بات سنتے ہی حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا مالک لا وفقک اللہ غدرت وفجرت (یہ تم نے کیا کیا؟ خدا تمہیں توفیق نہ دے۔ تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی"

عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ روایت ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی ہے۔ اس کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ قابل اعتبار نہیں۔ اس نے اپنے شیعی افکار باطلہ کی ترویج اور صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کے لئے یہ روایت وضع کی۔ روایت کو رد کر دینے کے لئے اتنا ہی کافی تھا، مگر اتنی ہی بات نہیں بلکہ خود روایت میں وضع، جعلسازی اور دروغ بافی کی واضح علامتیں موجود ہیں جو ایک طرف روایت کو غلط اور من گھڑت ثابت کر رہی ہیں اور دوسری طرف بمصداق ارشاد الٰہی "وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ" نفاق راوی کی پردہ دری۔

پہلی علامت یہ ہے کہ اس میں منصب خلافت سے حضرت معاویہؓ کی معزولی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق اس وقت تک آں محترم نے خلافت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا۔ نہ اہل شام انھیں خلیفہ کہتے تھے نہ اور کسی نے انھیں خلیفہ منتخب کیا تھا۔ پھر معزولی کے کیا معنیٰ؟ اسی طرح انھیں خلافت پر باقی رکھنے کا کیا مطلب؟

دوسری علامت بھی بالکل صاف ہے۔ قرارداد تو یہ تھی کہ دونوں حکم جس فیصلہ پر متفق ہوں گے وہ قابل قبول ہوگا۔ حضرت عمروؓ بن العاص بھی جانتے تھے کہ دونوں میں سے تنہا ایک کی رائے کا کوئی وزن نہیں ہے یہ جانتے ہوئے بھی ان کا اعلان مندرجہ روایت مذکور کر دینا بالکل خلافِ عقل و قیاس ہے۔ ایسی بھونڈی غلطی تو معمولی عقل و فہم رکھنے والا آدمی بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ ان کا ایسا مدبر اور دانشمند! ان قرائن سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایت بالکل غلط اور موضوع ہے اور حضرت عمروؓ بن العاص پر بدعہدی اور فریب دہی کا الزام بالکل غلط ہے۔

علاوہ بریں اگر بالفرض اس جعلی سبائی روایت کو قبول بھی کرلیں تو بھی آں محترم پر یہ الزام ثابت نہیں ہوتا۔ درحقیقت شیعی پروپیگنڈے کا اثر ہے کہ بعض ناواقف حال محسنی بھی اس شبہ میں مبتلا ہوگئے ورنہ غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ابومخنف کذاب اور سبائی مورخین کی کوشش ناکام ہوگئی اور آں محترم کا دامن اس ناپاک بہتان سے پاک ہی رہا۔

چلی شوخی نہ کچھ بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی

حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بطور تمہید یہ اصول ذہن میں رکھئے کہ فیصلہ اور تنفیذ فیصلہ دو الگ الگ چیزیں ہیں "حکمین" کو فیصلہ کا اختیار فریقین بلکہ قوم نے

دیا تھا، مگر کیا اپنے فیصلہ کو نافذ کر دینے کا اختیار بھی انہیں دیا گیا تھا؟ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انھیں یہ اختیار بھی دیا گیا تھا۔ حکمین کے درمیان اس مسئلہ تنفیذ پر کوئی گفتگو بھی نہ ہوئی نہ یہ بات طے ہوئی تھی کہ فیصلہ فوراً نافذ کر دیا جائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت ابوموسٰیؓ سے نفس فیصلہ میں کوئی اختلاف نہیں فرمایا۔ اختلاف اسے نافذ کرنے میں فرمایا۔ اس کے بارے میں دونوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہوا تھا۔ پھر یہ بدعہدی اور فریب دہی کیسے ہوگئی؟ معاہدۂ تحکیم میں بھی کہیں اس چیز کا تذکرہ نہیں ملتا کہ حکمین کو اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا بھی اختیار ہے اس تصریح کے فقدان کی وجہ سے یہ مسئلہ مشکوک اور کم از کم مجتہد فیہ ہو جاتا ہے کہ حکمین کو اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا بھی اختیار حاصل تھا یا نہیں؟

سیاسی تحکیم کا اصل ماخذ وہ آیت قرآنی ہے جو بصورت اختلاف زوجین کے درمیان تحکیم کے بارے میں نازل ہوئی۔ خود اس اصل میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ بغیر تصریح اجازت تنفیذ منجانب فریقین حکمین کو اپنا فیصلہ نافذ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر زوجین صراحت کے ساتھ اجازت نہ دیں تو حکمین کو دونوں کے درمیان تفریق کا حق نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک انھیں یہ حق حاصل ہے۔

حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنانے کا جو واقعہ مذکور ہے وہ سیاسی تحکیم کی نظیر ہے اس میں ان کے فیصلہ کی تنفیذ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ خود انھوں نے صرف اپنی رائے سے مطلع کر دیا تھا اسے نافذ نہیں کیا۔

ان دونوں بزرگوں کے درمیان بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہوگا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے نزدیک حکمین کو حق تنفیذ حاصل نہیں تھا حضرت ابوموسٰی کے نزدیک تھا۔ چنانچہ انھوں نے اسے نافذ کر دیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اسے نافذ کرنے

سے انکار کر دیا۔ فریب کاری یا بدعہدی کا تو اس میں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ یہ تو سب روافض کی اختراع اور ان کا بہتان وافتراء ہے۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے اپنے رفیق کے لیے جو سخت الفاظ استعمال کیے وہ وقتی ناگواری کے غلبہ کے اثرات تھے۔ انھیں شبہ ہوا کہ اس سے کام میں رکاوٹ پڑ کر معاملہ طول نہ پکڑ جائے۔ اس لئے انھیں غصہ آگیا۔ جب غور فرمایا ہوگا تو اپنی اس رائے سے رجوع فرمایا ہوگا۔

یہ سب تو یہ فرض کر کے عرض کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا روایت ثابت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے روایت مذکورہ بالکل جعلی جھوٹی اور موضوع ہے۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں اس لیے اس بحث کی ضرورت ہی نہیں باقی رہتی۔

## حقیقت واقعہ:

واقعہ تحکیم کے متعلق مندرجہ ذیل روایت محدث کبیر دار قطنی رحمہ اللہ کی ہے۔ جو بذیل بحث تحکیم عاصمہ کے عنوان سے "العواصم من القواصم" میں قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے:-

| | |
|---|---|
| ذکر الدار قطنی بسندہ الی حصین بن المنذر لما عزل عمروؓ معاویۃؓ جاء (ای حصین بن المنذر) فضرب فسطاطا قریبا من فسطاط معاویۃؓ فبلغ نباؤہ. معاویۃؓ فارسل الیہ فقال انہ بلغنی عن ھذا (ای عن عمروؓ) کذا وکذا فاذھب فانظر ما ھذا الذی بلغنی عنہ فاتیتہ | دار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ حصین ابن المنذر سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ کو معزول کر دیا تو وہ (حصین بن المنذر) آئے اور اپنا خیمہ حضرت معاویہؓ کے خیمہ کے قریب لگایا ان کی آمد کی اطلاع حضرت معاویہؓ کو ہوئی تو انھوں نے انھیں بلا بھیجا اور ان سے فرمایا کہ مجھے ان سے (حضرت عمروؓ) ایسی ایسی خبر ملی ہے۔ تم جا کر معلوم کرو کہ جو اطلاع مجھے ان کی طرف سے ملی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ |

فقلت اخبرني عن الامر الذي وليت انت وابوموسیٰ کیف صنعتما فیه؟ قال قد قال الناس في ذلک ما قالوا والله ما كان الامر على ما قالوا ولكن قلت لابي موسیٰ: ما ترى في هذا الامر؟ قال ارىٰ انه في النفر الذين توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عنهم راض قلت، فاين تجعلني انا ومعاويةؓ فقال ان يستعن بكما ففيكما معونة وان يستغن عنكما فطالما استغنى امر الله عنكما"

(ص۱۷۸)

(حصین کہتے ہیں کہ) میں ان کے (حضرت عمروؓ کے) پاس آیا، اور میں نے ان سے کہا کہ مجھے اس کام کے بارے میں مطلع کیجئے، جس کی ذمہ داری آپ پر اور حضرت ابوموسیٰؓ پر ڈالی گئی تھی۔ اس میں آپ دونوں نے کیا کیا؟ انھوں نے حضرت (عمروؓ) نے فرمایا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جو کچھ کہا وہ کہا، مگر خدا کی قسم واقعہ وہ نہیں تھا جو انھوں نے بیان کیا ہے بلکہ یہ واقعہ یہ ہے کہ میں نے حضرت ابوموسیٰؓ سے کہا کہ اس معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس معاملے کو ان حضرات کے سپرد کر دیا جائے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت وفات راضی تھے میں نے کہا کہ میری اور معاویہؓ کی کیا حیثیت آپ نے رکھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر تم دونوں سے امداد حاصل کی جائے تو تم امداد دینے کی صلاحیت رکھتے ہو اور تم سے استغنا برتا جائے تو مدت تک اللہ تعالیٰ کا کام تم دونوں سے مستغنی رہ چکا ہے"

ظاہر ہے کہ کسی محدث کی روایت کے سامنے طبری وغیرہ کی روایت کی کیا حقیقت ہے؟ اس لئے یہ روایت یقیناً قابل ترجیح ہے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں :۔

(۱) حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت علیؓ کی طرح حضرت معاویہؓ کو بھی معزول کیا تھا۔ اور اس مسئلہ میں حکمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ ابومخنف کی روایت اختلاف جسے شیعوں اور شیعہ نوازوں نے شہرت دی، بالکل غلط اور سراپا کذب و دروغ ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت تک حضرت معاویہؓ خلیفہ نہیں ہوئے تھے نہ آں محترم نے اس کی خواہش ظاہر فرمائی تھی۔ اس لئے ان کی معزولی کے معنی خلافت سے معزولی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان جو نزاع تھی۔ اس میں فریق کی حیثیت سے انہیں معزول کر دیا گیا۔ لازماً حضرت علیؓ کی معزولی کا مطلب بھی یہی لینا پڑے گا۔ دونوں حضرات کے درمیان متنازعہ فیہا امور دو تھے۔

(۱) حضرت عثمانؓ کے قاتلوں یا بالفاظ دیگر سبائی پارٹی کا معاملہ۔ حضرت معاویہؓ ان سے قصاص لینے اور اس پارٹی کی قوت توڑنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور حضرت علیؓ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے نہیں تیار تھے۔

(۲) دوسرا مسئلہ خلافت کا تھا۔ حضرت علیؓ ان سے بیعت اور اپنی خلافت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی خلافت کو ہنگامی اور عبوری سمجھتے تھے اور ان کے انتخاب کے طریقہ کو صحیح طریق انتخاب نہ سمجھتے تھے اور دوبارہ انتخاب و استصواب رائے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

حکمین نے حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب جدید یا استصواب رائے اور قصاص کا مطالبہ ترک کر دیں اور ان مسائل میں فریق نہ رہیں۔ اور حضرت علیؓ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ حضرت معاویہؓ سے اپنی خلافت تسلیم کرنے اور بیعت کرنے کے مطالبے سے دست بردار ہو جائیں۔ گویا فریق کی حیثیت وہ

بھی ترک کر دیں۔ روایت کے آخری جملے اس چیز کو بالکل صاف کر دیتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰؓ و حضرت عمروؓ بن العاص دونوں اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان متنازع فیہ امور غیر جانبدار جماعت صحابہؓ کے سپرد کر دیئے جائیں اور وہ جو فیصلہ فرمائیں اس پر فریقین عمل کریں ظاہر ہے کہ نزاع اس بارے میں تو نہ تھی کہ دونوں حضرات میں سے کون خلیفہ ہے؟ یا کس کی خلافت کو باقی رکھا جائے اور کسے معزول کیا جائے؟ پھر اس معاملے کو جماعت صحابہ کے سپرد کرنے کے کیا معنی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو معاملہ جماعت صحابہؓ کے سپرد کیا گیا وہ انہیں نزاعی امور پر مشتمل تھا جن کا تذکرہ ہم نے مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے۔

(۳) حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت معاویہؓ کو صحابہؓ کرام کی مندرجہ بالا جماعت سے الگ رکھا گیا اور انہیں فیصلہ کرنے والوں میں نہیں شامل کیا گیا یہ طرز عمل حضرت ابو موسیٰؓ کی رائے سے اختیار کیا گیا۔ جس سے حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی اتفاق کر لیا۔

(۴) حضرات حکمین نے امور متنازعہ بین الفریقین کا کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ جو فیصلہ بھی ہوا وہ غیر جانبدار صحابہؓ کا فیصلہ تھا۔

(۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس اجتماع حکمین اور ان کے فیصلے کے بارے میں مفسدوں نے غلط باتیں بھی مشہور کی تھیں۔ یہ "مرجفین" سوا شیعوں کے اور کون ہو سکتے ہیں؟

مودودی صاحب کی شان تحقیق ملاحظہ ہو کہ انھوں نے اس قوی روایت کو نظر انداز کر دیا کیونکہ اسے صحیح مان کر حضرت عمروؓ بن العاص رضی اللہ عنہ پر کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ مناسبت ذوق اور اتحاد مذہب کی بنا پر موصوف کو کذاب ابو مخنف ہی کی روایت پسند

آگی [1]

دار قطنی کی روایت مذکورہ کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے جو طبری جلد ۵ میں بسلسلہ حوادث ۳۷ھ زیر عنوان اجتماع الحکمین بدومۃ الجندل مذکور ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اذرح میں اجتماع ہونے والا تھا۔ تو عمر بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے

---

[1] اس سلسلہ کی دوسری روایت طبری نے ابومخنف کی مذکورہ روایت سے کچھ پہلے عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے نقل کی ہے۔ اس کی انتہا امام زہری پر ہوتی ہے روایت منقطع ہے یہ پتہ نہیں چلتا کہ زہری نے کس سے سُنی۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی سبائی ہو یا کوئی سبائیت زدہ سادہ لوح مسلمان ہو۔ اس لئے روایت ثابت نہیں اور دار قطنی کی مذکورہ روایت کے پیش نظر مردود ہے۔ اس کا ما حصل یہ ہے کہ حکمین فریقین کی معزولی پر متفق ہوگئے مگر اختلاف اس میں ہوا کہ اب کسے خلیفہ بنایا جائے مسئلہ طے نہ ہو سکا اور دونوں صاحب ناخوشگواری کے ساتھ بغیر کسی فیصلے کے اُٹھ کر چلے گئے۔ روایت اگر بے اصل نہیں تو کم از کم اس میں شیعوں نے تصرف یقیناً کیا ہے اس لئے قابل اعتماد نہیں مگر اس سے اتنا تو معلوم ہی ہوتا ہے کہ حکمین کو مودودی صاحب کا مفروضہ ایجنڈا نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ان کے سامنے سابقہ انتخاب خلافت کو منسوخ کرکے کسی اور کو خلیفہ منتخب کرنے کا مسئلہ تھا۔ دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس میں حضرت عمرو رضی بن العاص پر غدر اور بدعہدی وغیرہ کا کوئی الزام نہیں لگایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معترضین کو یہ روایت پسند نہ آئی۔ حالانکہ ابومخنف کذاب کی روایت پر تو اسے بہرحال ترجیح حاصل ہے ؎

عجب نہیں جو وفا بھی اسے پسند نہ ہو
پسند اس کو وہ ہے جو مجھے پسند نہ ہو

مسعودی نے بھی باوجود شیعیت اسی مضمون کی ایک روایت ذکر کی ہے مگر وہ بھی موصوف کو نظر نہ آئی کیونکہ اس میں بھی کوئی الزام حضرت عمرو رضی پر نہیں لگایا گیا ہے۔

کہا کہ آپ بھی اذرح چلئے کیونکہ ہے

فانک احق الناس بالخلافۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس بیشک آپ سب لوگوں سے زیادہ خلیفہ ہونے کے مستحق ہیں

اس کے ساتھ ان کے فضائل و خدمات دین بیان کئے مگر حضرت سعدؓ نے جواب دیا کہ واللہ میں اس معاملے میں کبھی شرکت نہ کروں گا کیونکہ یہ فتنہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد زمانۂ فتنہ کے متعلق یہ ہے کہ ہے۔

"خیر الناس فیھا الخفی التقی" ان میں (فتنہ کے زمانہ میں) بہترین شخص وہ ہے جو چھپا رہے اور (فتنہ سے) بچا رہے

اس روایت سے پہلی بات تو معلوم ہوتی ہے کہ اجتماع اذرح میں یہ مسئلہ زیر غور آنے والا تھا کہ اس خانہ جنگی کو ختم کرنے کے لئے خلافت کے لئے نیا انتخاب کرلیا جائے ورنہ حضرت سعدؓ کا بیٹا عمران سے یہ کیوں کہتا کہ آپ سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں؟

دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ انتخاب خلیفہ کا کام حکمین کو نہیں کرنا تھا بلکہ اس جماعت صحابہؓ کے ذمہ تھا جس کا اجتماع اذرح میں ہونے والا تھا۔ ورنہ اذرح جانا بے سود تھا۔ حکمین کے سامنے نام پیش کر دینا کافی تھا بلکہ طریقہ یہی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس نے یہ نہیں کیا بلکہ حضرت سعدؓ کو اذرح چلنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ یہ دونوں باتیں دار قطنی کی روایت سے بھی ثابت ہو رہی ہیں یہ روایت اس کی تائید کرتی ہے اس کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ ابومخنف کی جو روایت معترض نے نقل کی ہے وہ جعلی اور جھوٹی ہے۔

## اکابر صحابہ کا فیصلہ

اذرح میں حسب قرار داد صحابہ کرام کا اجتماع ہوا۔ اور انھوں نے حکمین کی

رپورٹ پر غور و خوض فرما کر ایک فیصلہ فرمایا۔ لیکن تاریخ کی خیانت ملاحظہ ہو کہ وہ نہ تو حکمین کی تجویز تحریری صورت میں فراہم کرتی ہے۔ اور نہ اس فیصلہ کی نقل۔ حالانکہ یہ بات خلاف عقل و قیاس ہے کہ اتنا اہم معاملہ صرف زبانی گفتگو سے ختم کر دیا گیا ہو اور کوئی چیز تحریر میں نہ لائی گئی ہو۔ یہ دیکھ کر اور تعجب ہوتا ہے کہ تقرر حکمین کا معاہدہ تحریری ہوا۔ جس پر گواہ بھی بنائے گئے۔ مگر جب حکمین اپنے فیصلے سے مطلع کرنے گئے تو انھوں نے صرف زبانی گفتگو کی اور کوئی تحریر نہیں پیش کی۔ اس وقت ۸ سو یا زائد افراد مجتمع تھے ان میں سے بھی کسی نے نہ کہا کہ آپ حضرات اپنی تجویز لکھ کر کیوں نہیں پیش کرتے؟ طبری جلد پنجم صہ ۵۸ پر بسلسلہ حوادث ۳۷ھ زیر عنوان "باب ما ردی من رفعہم المصاحف ودعائہم الی الحکومت" ایک روایت اس مضمون کی مذکور ہے کہ اجتماع کے وقت اور مقام مقررہ پر حضرت علیؓ نہیں پہونچے تو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰؓ سے کہا کہ یہ بات لکھ لیجئے کہ انھوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ یہ لکھ لیا۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکمین کی کارروائی تحریری جا رہی تھی۔ یقیناً انھوں نے اپنی رپورٹ لکھ کر پیش کی ہوگی مگر تاریخ میں کہیں اس کا نشان نہیں ملتا۔ علیٰ ہذا اکابر صحابہؓ نے اذرح کے اجتماع میں جو فیصلہ فرمایا ہوگا وہ یقیناً قید تحریر میں لایا گیا ہوگا۔ مگر ہماری تاریخ اس سے بھی تہی دست ہے۔ وہ مورخین جنہوں نے صحابہ کرامؓ اور خلفاء بنو امیہ کے خلاف جھوٹی کہانیوں کے ڈھیر لگا دیئے اور غیر اہم امور کے متعلق بھی جعلی روایتوں کو نظر انداز نہ کیا۔ ایسی اہم دستاویزوں سے کیوں غافل ہو گئے؟ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ہماری تاریخ کی تاریخ یہ ہے کہ اس پر روافض کا قبضہ ہو گیا اور انھوں نے اسے تاریک بنانے کی پوری کوشش کی۔ طبری واقدی وغیرہ نے ان اہم دستاویزوں کو قصداً گم کر دیا۔ تاکہ آئندہ نسلوں کو صحیح واقعات کا علم نہ ہو سکے اور ان کا جھوٹا پروپگنڈا

کامیاب ہو۔ بعد کو آنے والے سُنی مورخین کا مدار انھیں سبائیوں کی کتابوں پر تھا، وہ ان گم کردہ دستاویزوں کو کہاں سے لاتے؟

بمقام اذرح صحابہ کرام کے اجتماع میں کیا فیصلہ ہوا؟ اس کے جواب سے تاریخ ساکت ہے۔ مگر بعد کے واقعات اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ "اذرح" کے اجتماع کے بعد عملاً ممالک اسلامیہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک حصہ پر حضرت علیؓ حکمراں رہے اور دوسرے پر حضرت معاویہؓ نیز اس کے بعد فریقین میں کوئی جنگ بھی نہیں ہوئی۔ بعض لڑائیاں جو فریقین کے عمال یا فوجی قائدین کے درمیان ہوئیں۔ ان کی حیثیت مقامی اور عبوری دور کی جھڑپوں سے زیادہ نہیں جو اکثر تقسیم ملک و مملکت کے وقت ہو جاتی ہیں اور جن کا کوئی خاص اثر فریقین کے تعلق یا سیاسی صورت حال پر نہیں پڑتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذرح میں فیصلہ یہ ہوا تھا کہ جب تک نئے سرے سے انتخاب خلیفہ کا انتظام نہ ہو سکے اس وقت تک مسلمانوں کے زیر نگیں ممالک کو دو حصوں میں تقسیم سمجھا جائے اور فریقین میں سے جو جس حصہ پر قابض ہے۔ اسے اسی کے زیر حکومت رکھا جائے دوسرے فریق کو اس سے کوئی تعلق نہ رہے۔

اس کا ثبوت مزید حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان وہ خط و کتابت ہے جس کا تذکرہ طبری نے حوادث ۴۰ھ میں کیا ہے۔ ج ۵ ص ۱۴۰ پر طبری لکھتا ہے کہ اسی سال حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان خط و کتابت کے بعد مصالحت ہو گئی اور یہ طے ہو گیا کہ آپس میں جنگ نہ ہو گی اور ملک تقسیم کر لیا جائے گا۔ حضرت معاویہؓ شام پر قابض رہیں گے اور حضرت علیؓ عراق پر، اور ایک دوسرے پر کوئی حملہ نہ کریں گے۔ طبری نے اپنی سبائیت کی وجہ سے یہ ہوشیاری کی کہ خوف طوالت کے عذر لنگ کا سہارا لے کر طرفین کے خطوط نقل کرنے سے گریز

کیا۔ حالانکہ ایک مورخ کے نزدیک وہ بہت اہم دستاویزیں تھیں۔ ممکن ہے کہ ان سے سبائیوں کے کچھ کرتوتوں پر روشنی پڑتی۔ یا ان مفسدوں کے جھوٹے پروپیگنڈے کی قلعی کھل جاتی۔ اس لئے طبری نے مورخانہ امانت کا گلا گھونٹ کر اس خط و کتابت کو حذف کر دیا۔ تاہم اسی جگہ اس نے ابی اسحاق کی یہ روایت لکھی ہے کہ جب ایک دوسرے کی اطاعت پر تیار نہ ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ مسلمانوں کی خونریزی سے احتراز کیجئے اور اگر آپ منظور کریں تو مناسب یہ ہے کہ آپ عراق پر قابض رہیں اور میں شام پر، اس پر دونوں حضرات راضی ہو گئے۔ حضرت معاویہؓ شام پر حکومت کرنے لگے اور حضرت علیؓ عراق پر۔

یہ خط ایک تحریری دستاویز ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات کے درمیان تقسیم ملک پر سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ اس میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

اول :- تقسیم ملک پر رضامندی تو اس پر موقوف ہے کہ حضرت معاویہؓ کو بھی حضرت علیؓ نے دوسرا خلیفہ تسلیم کر لیا ہو۔ اور خط و کتابت سیاسی اعتبار سے مساویانہ سطح پر ہو رہی ہو۔ اگر ان کی خلافت ہی مسلم نہ تھی تو تقسیم ملک کے کیا معنی ؟

دوم :- فریقین کے درمیان جو متنازع فیہ مسائل تھے ان سب کے تذکرے سے خط خالی ہے۔ نہ اس میں قاتلین سیدنا عثمانؓ سے قصاص اور سبائی مفسدوں کی سرکوبی کا ذکر ہے، نہ خلافت کے جدید انتخاب کا یکایک تقسیم ملک کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خط و کتابت کے وقت جملہ متنازعہ فیہ امور کے بارے میں کوئی فیصلہ ہو چکا تھا اور فریقین کے درمیان ان امور میں تنازعہ نہیں باقی رہا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ سب کب ہوا ؟ عقلاً دو ہی احتمال پیدا ہوتے ہیں :-

اول یہ کہ "اذرح" کے اجتماع میں اکابر صحابہؓ نے یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ فریقین اپنے اپنے مطالبوں سے دستکش ہو جائیں جب تک جدید انتخاب نہ ہو دونوں حضرات خلیفہ سمجھے جائیں اور ملک تقسیم کر لیا جائے۔

دوم یہ کہ اجتماع "اذرح" میں کچھ نہ طے ہوا ہو بلکہ ان دونوں حضرات نے خط و کتابت سے خود ہی یہ معاملات طے کر لئے ہوں۔ مگر یہ احتمال غلط خلاف عقل و قیاس اور تاریخ کی تائید سے محروم بلکہ اس کے بیان کے خلاف ہے مندرجہ ذیل قرائن اس کی غلطی کو واضح کر رہے ہیں :-

اول : اگر ایسا ہوتا تو تاریخ میں صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہوتا لیکن کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ امور مذکورہ اس خط و کتابت میں طے ہو گئے تھے یا حضرت معاویہؓ کی خلافت اس میں تسلیم کی گئی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا تذکرہ ضرور ہوتا۔ کیونکہ یہ بہت اہم بات ہے

دوم : یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ فریقین جس معاملے کو بطور خود جنگ تک نوبت پہونچنے کے باوجود وفود و خطوط کسی ذریعہ سے نہ طے کر سکے تھے وہ یکایک صرف خط و کتابت سے طے ہو گیا اور اگر ان معاملات کا طے کرنا اس قدر آسان تھا تو صفین سے پہلے یا اس کے فوراً بعد ہی کیوں نہ طے ہو گئے ؟

سوم :- ہم عرض کر چکے ہیں کہ زیر بحث خط سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو بھی خلیفہ تسلیم کر لیا۔ حالانکہ حضرت معاویہؓ کے مطالبات کی فہرست میں اس کا نام و نشان بھی نہیں۔ ان کی فہرست مطالبات میں حضرت علیؓ سے یہ مطالبہ نہ تھا کہ مجھے بھی خلیفہ تسلیم کر لیجئے۔ پھر خط و کتابت میں یہ مسئلہ زیر بحث کیسے آیا ؟

ان قرائن سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا کہ دوسرا احتمال غلط اور پہلا ہی صحیح ہے۔ یعنی اجتماع اذرح میں اکابر صحابہؓ نے طے کر دیا تھا کہ دونوں حضرات حدود معینہ میں خلیفہ کے منصب پر فائز ہوں اور ملک دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ فریقین اپنے اپنے مطالبات سے دستبردار ہو جائیں تاکہ خانہ جنگی اور مسلمانوں کی خون ریزی کا سلسلہ بند ہو اور اخوت و مصالحت کی فضا پیدا ہو۔

اذرح کے مندرجہ بالا فیصلہ کا ایک ثبوت ۳۹ھ کے حج کے لئے فریقین کی طرف سے اُمراء حج کا تقرر ہے۔ طبری ج ۵ ص ۱۳۶ پر بذیل حوادث ۳۹ھ امارت حج کے بیان میں مذکور ہے کہ اس سال یعنی ۳۹ھ میں حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ یا حضرت قثم بن عباسؓ (باختلاف روایات) امیر الحج تھے اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت یزید بن شجرۃ الرہاوی۔ اس سے پہلے صرف حضرت علیؓ کی طرف سے امیر الحج مقرر ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کسی کو نہیں مقرر کرتے تھے اس سال دونوں کی طرف سے امیر الحج کا الگ الگ مقرر ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اذرح کے اجتماع میں اکابر صحابہؓ کی جماعت نے خلافت تقسیم کر دی تھی۔ اور فریقین اس پر راضی ہو گئے تھے۔ گویا مندرجہ بالا فیصلہ اذرح میں ہو چکا تھا۔

دوران اجتماع فریقین کی طرف سے اپنے نمائندوں کو ذریعہ خطوط ہدایات بھیجنا اس کا ثبوت مزید ہے۔ مودودی صاحب نے جو روایت اختیار کی ہے اس کے بموجب تو حکمین نے آتے ہی فیصلہ سُنا دیا۔ پھر یہ خط و کتابت کا طویل سلسلہ کب اور کیوں جاری رہا؟ یہ ہدایتیں کیا تھیں؟ اور کیسے دی جا رہی تھیں؟ حکمین کے درمیان تو کسی بحث کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ملتا۔ پھر ان ہدایتوں کا مصرف کیا تھا؟ ان سب سوالات کا شافی جواب اور حل یہی ہے کہ یہ ان ہدایتی خطوط کے ذریعے

فریقین اپنے اپنے موقف کی وضاحت اپنے نمائندوں کے توسط سے صحابہ کرامؓ کے اجتماع کے سامنے کر رہے تھے۔ اور فیصلہ حکمین نے نہیں بلکہ اکابر صحابہؓ کی جماعت نے فرمایا جو اس وقت پورے عالم اسلامی کے سربراہ، نمائندے اور ارباب حل وعقد تھے۔

## سبائیوں کی مفسدانہ کوشش

مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان جنگ اور خون ریزی سے ہر مسلمان کا دل خون ہو رہا تھا۔ اور ہر سچے مسلمان کی یہ دلی آرزو تھی کہ کسی طرح آپس کی خون ریزی بند ہو۔ یہاں تک کہ خود فریقین بھی جنگ کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مسلم نما یہودیوں یعنی سبائیوں کو خون مسلم کا چسکا پڑ چکا تھا۔ وہ اہل اسلام کے درمیان مصالحت و اتحاد کے علامات دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہے تھے اور مساعی صلح کو ناکام بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ اپنا ناپاک مقصد حاصل کرنے کے لئے پہلے تو انھوں نے یہ کوشش کی کہ اجتماع ہونے ہی نہ پائے۔ اس کوشش میں پیش پیش وہ سبائی گروہ تھا جو بعد کو خوارج کے نام سے مشہور ہوا۔ طبری حوادث ۳۷ھ زیر عنوان "ذکر الخبر عن اعتزالہم علیاً" میں مذکور ہے کہ خوارج نے تحکیم کو کفر قرار دیا اور حضرت علیؓ سے مطالبہ کیا کہ اس سے توبہ کرکے دوبارہ جنگ چھیڑ دیں۔ مشہور مفسد مالک اشتر نخعی بھی اس کوشش میں شریک اور اس ناپاک تحریک یا بلکہ کہنا چاہیئے کہ اسلام کے خلاف اس سازش کا ایک سرگرم لیڈر تھا[۵۱]

---

۵۱ مالک اشتر آخر وقت تک شیعہ رہا۔

حوادث ۳۷ھ کے بیان میں زیرعنوان "ما روی من رفعہم المصاحف" طبری لکھتا ہے کہ :۔

"حضرت علیؓ کو اطلاع کی گئی کہ مالک اشتر اس دستاویز معاہدہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور صرف جنگ چاہتا ہے۔" طبری میں اسی مقام پر یہ بھی مذکور ہے کہ جب اشعث ابن قیس نے اُسے معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے بلایا تو اُس نے آنے سے انکار کر دیا اور انھیں سخت سُست کہہ کر قتل کی دھمکی دی۔ اسی مقام پر یہ بھی مذکور ہے کہ جب ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم بنانے کے لئے بلایا گیا اور وہ تشریف لائے تو مالک اشتر حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ :۔ "مجھے عمروؓ بن العاص سے ملا دیجئے۔ خدائے واحد کی قسم میں انھیں دیکھتے ہی قتل کر دوں گا۔" جب جب یہ سب مفسدانہ تدبیریں ناکام ہوگئیں اور حضرت علیؓ بدعہدی کرنے پر کسی طرح تیار نہ ہوئے تو ان لوگوں نے اُن محترم کو مقام اجتماع میں جانے سے روک دیا۔ طبری میں ذیل حوادث ۳۷ھ زیرعنوان ما روی من رفعہم المصاحف۔ یہ واقعہ مذکور ہے :۔

وافیٰ معاویۃ باھل الشام | حضرت معاویہؓ تو بے قرارداد اہل شام کو لے کر پہونچ گئے مگر حضرت علیؓ اور اہل عراق نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔
وابیٰ علی واھل العراق ان یوافو۔

حضرت علیؓ کے متعلق یہ سوءظن تو کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ انھوں نے عہد شکنی کی ہوگی۔ سبائی راویوں نے واقعہ کو اپنے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا ہے حقیقت واقعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ حسب وعدہ آنے کے لئے تیار ہو گئے لیکن سبائیوں نے ایسے حالات پیدا کر دئے ہوں گے کہ ان کا پایہ تخت سے ہٹنا مناسب نہ ہوگا اور عذر شرعی کی وجہ سے نہ تشریف لا سکے۔ سبائیوں کا مقصد یہ ہوگا کہ موصوف وہاں نہ جا سکیں تاکہ اجتماع ناکام ہو جائے اور مسلمانوں کی خونریزی

جاری رہے مگر جب حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو اپنی طرف سے اجتماع میں بھیجدیا تو سبائیوں کے ارمانوں پہ اوس پڑ گئی۔ پھر بھی یہ اپنی فتنہ پردازی سے باز نہ آئے اور حضرت ابن عباسؓ کو پریشان کرنا شروع کیا۔ طبری زیر عنوان اجتماع الحکمین بدومۃ الجندل بسلسلہ احوال ۳۷ھ بروایت ابو مخنف لکھتا ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ کے پاس حضرت علیؓ کی طرف سے کوئی تحریری ہدایت آتی تو یہ لوگ یعنی سبائی ان سے پوچھتے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ اگر وہ نہ بتاتے تو ان کے ساتھ بدگمانی کا اظہار کرتے اور اپنی طرف سے مضمون تراش تراش کر کہتے کہ یہ لکھا ہوگا۔ مقصد ان کے کام میں رکاوٹ ڈالنا اور اجتماع میں انتشار پیدا کرنا تھا اجتماع اور اس کے فیصلے کو روکنے کی پوری کوشش کر کے شیعہ تھک گئے مگر ان کی دال نہ گلی اور ان کے علی الرغم اجتماع اور فیصلہ ہو کر رہا۔ تو انھوں نے جھوٹی افواہیں پھیلا کر اس اجتماعی فیصلے کی منفعت کو گھٹانے اور ناواقفوں کو گمراہی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی دار قطنی کی جو روایت ہم نے اسی بحث میں نقل کی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلط روایتوں اور افواہوں کا سلسلہ شیعوں نے اسی وقت سے شروع کر دیا تھا۔ اس کے الفاظ ہیں:-

| | |
|---|---|
| قد قال الناس فی ذلک ما قالوا واللہ | یعنی لوگوں اس کے بارے میں جو کچھ مشہور کیا |
| ما کان الامر علی ما قالوا | ہے خدا کی قسم واقعہ وہ نہیں ہے |

بتا رہے ہیں کہ سبائیوں نے اجتماع اذرح ختم ہوتے ہی دو باتیں کہنا شروع کر دی تھیں ایک تو یہ کہ جو ارباب حل عقد اور صحابہ کرام جمع ہوئے تھے انھوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ فیصلہ حکمین نے کیا جو غلط تھا۔

دوسری بات یہ کہ جلسہ درہم دبرہم ہوگیا اور اس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں بالکل خلاف واقعہ اور سراپا کذب و دروغ ہیں۔ اس

کذب و دروغ کو فروغ دینے کے لئے سبائی کارخانہ دروغ سازی میں جھوٹی روایتیں ڈھالی گئیں مثلاً طبری میں عنوان مذکورہ بالا ہی کے ماتحت آخری روایت یہ ہے کہ حکمین کے اعلان کے بعد شریح نامی ایک شخص نے حضرت عمرو رضؓ بن العاص کے کوڑا مارا۔ جواب میں ان کے صاحبزادے نے اس کے کوڑا مارا لوگ بیچ بچاؤ کرانے لگے اور جلسہ درہم وبرہم ہوگیا۔

یہ روایت بھی اسی کذاب رافضی ابومخنف کی وضع کی ہوئی جعلی اور بے اصل ہے جو مندرجہ بالا دونوں مقاصد کے لئے گڑھی گئی ہے۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ خود اسی روایت کے آخر میں ایک ایسی بات ابومخنف کی زبان سے نکل گئی جو اس کے پہلے حصے کی تردید کرتی ہے۔ یہی راوی کہتا ہے :-

ثم انصرف عمرو واہل الشام الی معاویۃ، وسلموا علیہ بالخلافۃ۔ یعنی پھر حضرت عمرو رضؓ اور اہل شام حضرت معاویہ رضؓ کے پاس واپس گئے اور انہیں خلافت کی مبارکباد دی۔ روایت کے اس حصے نے اس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس مجلس میں ارباب حل و عقد نے انھیں خلیفہ نہ بنایا تھا تو انھیں اس کی خوش خبری سنانے کے کیا معنیٰ؟ یہ بھی معلوم ہے کہ اس اجتماع سے پہلے نہ انھوں نے خود خلافت کا دعویٰ کیا تھا نہ دوسروں نے انھیں خلیفہ منتخب کیا تھا۔ پھر صرف حضرت عمرو رضؓ بن العاص کے اتنا کہہ دینے سے کہ میں انہیں معزول نہیں کرتا۔ وہ خلیفہ کیسے ہو گئے؟ اور وہ اکابر صحابہ جو غیر جانبدار اور ارباب حل و عقد تھے ان پر معترض کیوں نہ ہوئے؟ اور انہیں خودساختہ خلیفہ اور باغی گہکر ان کے خلاف کوئی اقدام کیوں نہ کیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع "اذرح" میں انھیں بھی خلیفہ منتخب کر کے منصب خلافت فریقین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اور یہ فیصلہ حکمین کا نہیں بلکہ غیر جانبدار اکابر صحابہ یعنی ارباب حل و عقد کا تھا

جسے حضرت علیؓ نے بھی تسلیم کر لیا تھا۔ یہ وہ حقیقت ہے جسے ابومخنف کا ایسا دشمن دین منافق بھی باوجود کوشش اخفا چھپا نہ سکا۔

ان کذابوں نے حضرات حکمین کو بدنام کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ حضرت عمروؓ پر بہتان طرازی کے ساتھ حضرت ابوموسیٰؓ کو مغفل کہہ دیا۔ ان کذابوں اور عقل کے اندھوں کو یہ بھی نہ سوجھا کہ آں محترم مدت دراز تک گورنری کے عہدے پر فائز اور نظم حکومت چلاتے رہے۔ ایسے شخص کو مغفل کہنا اپنی عقل کا مرثیہ پڑھنا ہے اس کے ساتھ یہ جھوٹ بھی گھڑا کہ آں محترم اپنی غلطی پر اس قدر شرمندہ ہوئے کہ حضرت علیؓ کو منہ دکھانے کی ہمت نہ کر سکے اور مکہ معظمہ چلے گئے یہ اور اس قسم کی تمام روایتیں کذاب سبائی راویوں کی وضع کی ہوئی بے بنیاد اور سرتاپا کذب و دروغ ہیں۔

## حقیقت واقعہ کو بدلنے کی ناپاک کوشش

حقیقت واقعہ کی تفصیل ہم گزشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔ جس سے مندرجہ ذیل باتیں نمایاں ہو جاتی ہیں :۔

اول :۔ اجتماع اذرح ناکام نہیں رہا۔

دوم :۔ اس نے فیصلہ کیا کہ تا انتخاب جدید حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ دونوں کے درمیان ملک کو تقسیم کر دیا جائے۔

سوم :۔ حضرت معاویہؓ کو بھی خلیفہ بنایا۔

چہارم :۔ یہ فیصلہ حکمین نے نہیں بلکہ اکابر صحابہ نے کیا تھا جو اس دور کے ارباب حل و عقد تھے۔ حکمین نے ان کے اجتماع کے سامنے اپنی سفارش پیش

کی تھی۔

ان چاروں امور پر ہم تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں ان کا اعادہ یاد دہانی کے لئے کیا گیا تاکہ سبائیوں نے اس معاملے میں جو فریب کاری اور حقیقت واقعہ کو بدلنے کی ناپاک کوشش کی ہے اس کی نوعیت و حقیقت سمجھنے میں سہولت ہو۔

حضرت معاویہ رضؓ کو منصب خلافت پر فائز دیکھ کر روافض کے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا پھر حضرت علیؓ کا ان کی خلافت کو تسلیم کر لینا اور مسلمانوں کے آپس میں مصالحت ہو جانا تو ان کے لئے اور بھی سوہان روح ہو گیا۔ اس لئے انھوں نے دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے غلط باتیں مشہور کرنا شروع کیں۔ اور حق پوشی کے لئے کتنی جھوٹ بولے۔ ایک جھوٹ تو یہ بولا کہ فیصلہ حکمین نے کیا حالانکہ فیصلہ مجلس صحابہؓ نے کیا تھا۔ دوسرا جھوٹ یہ کہ حکمین نے حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کر دیا۔ حالانکہ انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنازع سے فریقین کو معزول کیا تھا۔ تیسرا جھوٹ یہ کہ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ قبول نہیں فرمایا۔ حالانکہ انھوں نے اسے قبول فرمالیا تھا اور اسی کے مطابق عمل کیا۔

مودودی صاحب بھی اپنے پیش رو سبائیوں کی پیروی میں لکھتے ہیں :-

"بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دومۃ الجندل میں ہوئی معاہدۂ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی۔" (صـ ۱۴۴)

یہ غلط بات وہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں جس کی غلطی ہم گزشتہ صفحات میں اچھی طرح واضح کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ یہ کارروائی معاہدۂ تحکیم کے حدود میں داخل تھی اور خلافت کا مسئلہ سر فہرست تھا۔ اعادۂ بحث کی ضرورت نہیں۔ مگر یہاں اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر بالفرض قول معترض صحیح ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ

تجاوز کس کی طرف سے ہوا؟ انھیں کی نقل کی ہوئی روایت بتاتی ہے کہ اس کی ابتدا حضرت ابوموسیٰؓ نے کی جو حضرت علیؓ کے نمائندے تھے۔ تو کیا انھیں بھی حضرت علیؓ سے کوئی عداوت یا مخالفت تھی؟ اور کیا انھیں اس بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی گئی تھی؟ اگر نہیں تو یہ خطوط میں کیا لکھ لکھ کر بھیجا جا رہا تھا؟ مزید برآں سبائی روایت بتا رہی ہے کہ بعد اعلان حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ کی عجلت اور پیش قدمی پر تو اعتراض کیا مگر یہ نہ کہا کہ انھوں نے حدود معاہدہ سے تجاوز کیا ہے۔ یہ کیوں؟ شریک مجلس اور ایک فریق کے وکیل ہونے کے باوجود انھیں تو ان کا حدود سے تجاوز کرنا نظر نہ آیا۔ مگر چودہ سو برس کے بعد مودودی صاحب کو یہ نکتہ نظر آگیا فیاللعجب!

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :۔

> "مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کا فیصلہ کرنے کے لئے حکم بنائے گئے ہیں۔ معاہدۂ تحکیم میں اس مفروضہ کے لئے کوئی بنیاد موجود نہ تھی" (ایضاً)

ایک ہی بات کو وہ باختلاف الفاظ بار بار لکھ رہے ہیں اس کی غلطی مہر نیمروز کی طرح واضح ہو چکی[1]۔ یہاں انھوں نے سبائی کارخانہ کا تیار کردہ ایک دوسرا جھوٹ بھی پیش کر دیا یعنی فیصلے کو حکمین کی طرف منسوب کیا۔ ہم واضح کر چکے ہیں کہ فیصلہ حکمین نے نہیں فرمایا تھا بلکہ اکابر صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے فرمایا تھا جو ارباب حل و عقد تھے۔ اگر بالفرض مسئلہ خلافت کا فیصلہ معاہدے سے خارج بھی ہوتا تو بھی انہیں اس کے فیصلے کا حق تھا۔ کیونکہ وہ اس زمانہ کے ارباب حل و عقد تھے اور

---

[1] مودودی صاحب نے خود حضرت عمروؓ بن العاص کی برات ظاہر کر دی۔ ان کے بقول "حدود معاہدہ
(باقی صفحہ ۳۷۷ پر)

پوری قوم کو ان پر اعتماد تھا۔ اچھا یہ بھی فرض کر لیجئے کہ فیصلہ حکمین ہی نے کیا تھا۔ تو بھی کوئی نقص نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ اس کا حق انھیں فریقین اور ارباب حل و عقد صحابہؓ نے تفویض کیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اجماع صحابہؓ سے انھیں یہ حق حاصل ہوا تھا۔ معترض کی اس غلط بیانی کی مدلل تردید تو گزشتہ صفحات میں ہو چکی مگر یہاں اتمام حجت اور معترض کے معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے دو باتیں اور پیش کرتے ہیں :۔

(۱) طبری میں بسلسلہ حوادث ۳۷ھ زیر عنوان "ماروی من رفعهم المصاحف الخ" مذکور ہے کہ جب معاہدہ تحکیم لکھا جانے لگا تو حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھا گیا۔ اس پر حضرت عمروؓ بن العاص نے اعتراض فرمایا اور فرمایا کہ ان کا اور ان کے والد کا نام لکھو کیونکہ :۔

هو امیرکم لا امیرنا — وہ تمہارے امیر ہیں ہمارے امیر نہیں ہیں

مودودی صاحب آنکھیں کھول کر ملاحظہ فرمالیں کہ خلافت کا مسئلہ تو مسائل متنازعہ فیہ میں سر فہرست مذکور ہے۔

(۲) مذکور ہو چکا کہ صفین کے موقع پر فریقین کے درمیان گفتگوئے مصالحت بذریعہ وفود ہوئی تو حضرت معاویہؓ کے ایک نمائندے نے حضرت حبیبؓ بن مسلمہ نے ان کی جانب سے یہ تجویز پیش کی کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ اور خلیفہ کا انتخاب دوبارہ کیا جائے۔ اسی طرح ابن دیزیل کی روایت بھی منقول ہو چکی۔ جس میں آں محترم نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ اہل شام نے ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۶) باقی صفحہ

سے تجاوز نہ پا بے بنیاد فیصلہ کرنے کی ابتداء حضرت ابو موسیٰؓ نے کی جو حضرت علیؓ کے تائید سے تھے حضرت عمروؓ بن العاص نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اصول و قاعدے کی پابندی کی۔ بالفرض اگر غلطی ہوئی تو حضرت ابو موسیٰؓ سے حضرت عمروؓ کا کیا قصور؟ ان پر دھوکہ دینے کا الزام خود مودودی صاحب کے بیان سے غلط ثابت ہو گیا۔

انتخاب میں کوئی حصہ نہیں لیا اور اپنا حق رائے دہی استعمال کرنے کا انھیں موقع نہیں ملا، اس لئے وہ انھیں اپنا امیر تسلیم کرنے پر مجبور نہیں ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ انتخاب دوبارہ ہو جس میں اہل شام بھی حصہ لے سکیں۔ ان باتوں کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حق انتخاب خلیفہ صرف اہل بدر کو حاصل ہے اور وہ میری خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اس لئے دوسرے انتخاب کی حاجت نہیں۔ یہاں دونوں حضرات کے دعوے یا دلائل کی صحت و غلطی سے بحث نہیں۔ دکھانا یہ ہے کہ خلافت علیؓ کا مسئلہ متنازعہ فیہ مسائل میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ اگر حکمین کو اس پر غور کرنے کا اختیار نہ تھا تو وہ حکم کس لئے بنائے گئے تھے؟

معترض نے اپنے اس بے بنیاد دعوے پر دوسرے غلط دعوے کی بنیاد رکھی ہے۔ لکھتے ہیں :۔

> "ان حضرات نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علیؓ کو معزول کرنے کے مجاز ہیں۔ حالانکہ وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقے پر خلیفہ منتخب ہوئے تھے۔"

موصوف کی یہ عبارت تین سبائی اکاذیب پر مشتمل ہے۔ پہلا جھوٹ تو یہ ہے کہ حکمین کو معزول کرنے کا حق نہ تھا۔ حق یہ ہے کہ انہیں اس کا بھی حق تھا دوسرا افترا یہ ہے کہ انھوں نے حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کر دیا یہ بھی غلط ہے۔ تیسرا جھوٹ یہ ہے کہ حکمین نے فیصلہ فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ فیصلہ مجلس صحابہؓ نے کیا تھا۔ حکمین نے مجلس کے سامنے صرف تجویز پیش کی تھی۔ ان سب امور پر گزشتہ صفحات میں مفصل روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ خلافت سے معزولی کے غلط اور من گھڑت سبائی افسانے کو مجالس عزا میں بیان کرنے کے لائق بنانے کے لئے موصوف نے آئین اسلام میں بھی ترمیم و تحریف کی کوشش فرمائی ہے۔

آخر کس آیت یا حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ کو منتخب کرنے کے بعد قوم اسے معزول کرنے کے حق سے محروم ہو جاتی ہے؟ اور آئین اسلام کی کون سی دفعہ یہ بتاتی ہے کہ رائے دہندگان کا حق رائے دہی ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد سلب ہو جاتا ہے؟ بدیہی بات ہے کہ جن لوگوں کو خلیفہ کے نصب کا اختیار ہے انھیں اسے معزول کرنے کا بھی حق ہے اذرح کا اجتماع ارباب حل وعقد، اور نمائندگان امت کا اجتماع تھا، ان حضرات کو شرعاً و عقلاً ہر طرح حضرت علیؓ کو معزول کرنے کا پورا پورا اختیار تھا۔ اور اگر بالفرض انھوں نے یہ اختیار حضرات حکمین کو تفویض کر دیا تھا۔ تو ان دونوں حضرات کو بھی وہی حق و اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ ان حضرات کے اس اختیار سے انکار آئین اسلام سے ناواقفیت کا اقرار ہے

اس موقع پر مندرجہ ذیل جملے جو مجدد سبائیت کی مزعومہ شان تحقیق کا نمایاں نمونہ ہیں بطور لطیفہ پیش کئے جاتے ہیں :-

"پھر انھوں نے یہ بھی فرض کر لیا کہ حضرت معاویہؓ ان سے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں۔ حالانکہ اس وقت تک وہ صرف خون عثمانؓ کے مدعی تھے نہ کہ منصب خلافت کے"

یہ تو غلط ہے کہ صرف خون عثمانؓ کے مدعی تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ نہ مدعی خلافت تھے نہ اس کے طالب۔ ہم ان کے موقف کی توضیح صفحات سابقہ میں کر چکے ہیں۔ حاجت اعادہ نہیں۔ یہاں تو ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس واقعہ سے نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی بات بیان کرنا جس کی بنیاد ہی مفقود ہو راوی کی غلط بیانی، اور روایت کے غلط اور من گھڑت ہونے کی واضح علامت ہے۔ بزعم خود محقق صاحب سے گزارش ہے کہ آپ نے جس بات کو اپنے اس غلط اعتراض کی بنیاد بنایا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ ابو مخنف کے منہ پر

تھوک دیتے، کلبی کو دھتکارتے، طبری کے سر پر تبر مارتے اور اس روایت ہی کو دروغ کا پلندہ سمجھتے جسے آپ نے حکمین پر غلط اعتراضات کی بنیاد بنایا ہے۔ مگر آپ یہ کیسے کرتے؟ یہ لوگ تو آپ کے مقتدا ہیں۔ انھیں آپ جھوٹا اور ان کی روایت کو موضوع کیسے کہتے؟ ہاں صحابہ کرامؓ آپ کے نزدیک بے وقعت ہیں اور ان کی مذمت آپ کے لئے باعث تسکین قلب۔ اس لئے ان پر آپ نے اعتراض کر دیا۔

## حضرت علیؓ کے مبینہ طرز عمل کی توجیہہ

مذکور ہو چکا کہ سبائیوں نے حقیقت واقعہ کو چھپانے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے حضرت علیؓ پر یہ افترا کیا کہ آں محترم نے اذرح کے فیصلے کو رد کر دیا۔ مگر اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ آں محترم نے معاہدے کی خلاف ورزی کیسے کی؟ باتفاق فریقین حکم مقرر کرنے اور معاملے کو ان کے سپرد کرنے کے معنی ہی یہ تھے کہ ان کے فیصلے کو فریقین قبول کرنے کے پابند ہیں۔ اسے قبول کرنے سے انکار کرنا کھلی ہوئی بدعہدی ہے۔ اس مشکل سوال کے جواب میں سبائیوں نے کچھ خطبات گڑھ کر حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر دیئے جن میں رد فیصلہ کی توجیہہ کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

> "اسی بنا پر حضرت علیؓ نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا۔ اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا"
>
> "سنو یہ دونوں صاحب جنھیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا۔ انھوں نے قرآن کے حکم کو پیچھے ڈال دیا اور خدا کی ہدایت کے بغیر

ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی اور ایسا فیصلہ دیا جو
کسی واضح حجت اور سنت ماضیہ پر مبنی نہیں ہے اور اس فیصلے میں
یہ دونوں نے اختلاف کیا ہے اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلے پر نہیں
پہونچے ہیں" (ایضاً)

یہ خطبہ معترض نے طبری سے نقل کیا ہے۔ جس میں یہ اسی جانے بوجھے رافضی کذاب ابو مخنف سے منقول ہے یہ اسی منافق کا تصنیف کردہ ہو یا کسی اور سبائی کا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود طبری نے یہ جعلسازی کی ہو۔ کیونکہ بقول علامہ سلیمانیؒ یہ روافض کے لئے روایتیں وضع کیا کرتا تھا بہرکیف، یہ خطبہ سبائی کارخانہ دروغ بافی کا ساختہ ہے حضرت علیؓ اس سے بالکل بری ہیں، آں محترم کا درجہ تو بہت اونچا ہے ان کے غلامان غلام بھی ایسا خطبہ نہیں دے سکتے تھے کیونکہ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا گھناؤنا نمونہ اور کذب و لغویت کا مجموعہ ہے۔ ثبوت ملاحظہ ہو:۔

(۱) خطبہ میں جو غلط بیانی ہے اس سے قطع نظر کر کے اگر پورے خطبہ کو صحیح فرض کرلیا جائے۔ اور واقعات کی بھی وہی سبائی تصویر سامنے رکھی جائے جو مودودی صاحب نے پیش کی ہے تو بھی بدعہدی کی کوئی معقول اور قابل اطمینان توجیہہ اس میں نہیں ملتی۔ غور فرمائیے کہ بالفرض حکمین نے کتاب و سنت پر نظر کئے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علیؓ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علیؓ پر واجب تھا۔ کیونکہ اس فیصلے کے جواز میں تو کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں۔ مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی تو نہیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انھیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو

نصب وعزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے متعلق ہے۔ حکمین نے رفع تنازع کے لئے یہی مناسب سمجھا اور جب انھوں نے فیصلہ کر دیا تو فریقین کے لئے اس پر عمل کرنا واجب تھا۔ خلافت سے دستبردار ہو جانا شرعاً کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔

(۲) اس میں حکمین پر کئی الزام لگائے گئے ہیں مگر بلا دلیل اگر قوم مطمئن تھی اور ان کے طرز عمل کو بدعہدی نہیں سمجھتی تھی تو اس خطبہ ہی کی حاجت نہ تھی اور اگر غیر مطمئن کو دلیل و برہان سے اسے مطمئن کرنا چاہئے تھا۔

(۳) یہ نہیں بتایا گیا کہ کیا فیصلہ کیا گیا یہ ابہام اس مقام پر بالکل نامناسب تھا۔

(۴) خطبہ کی غلط بیانیاں ملاحظہ ہوں :۔

(الف) تقرر حکمین کو مخاطبین کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ یہ تقرر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہوا تھا۔ مخاطبین کا ایک گروہ تو تقرر حکمین کا سخت مخالف تھا۔

(ب) فیصلہ کو حکمین کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ غلط ہے درحقیقت فیصلہ مجلس صحابہؓ نے کیا تھا۔

(ج) ہدایت، واضح حجت اور سنت ماضیہ کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ فیصلہ کو منصوص ہونا چاہئے تھا۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ فیصلہ کا منصوص ہونا قطعاً ضروری نہیں، ہاں یہ ضروری ہے کہ کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، اور اور اگر یہ مطلب ہے کہ یہ فیصلہ کتاب یا سنت کے خلاف تھا تو یہ بھی بالکل غلط ہے قیامت تک اس غلط دعوے کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

(د) آخری جملہ بتا رہا ہے کہ جس فیصلہ پر یہ غیظ و غضب ہے وہ مبینہ طور

پر حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرنے کا فیصلہ تھا۔ کیونکہ حسب بیان سبائیہ اسی میں اختلاف ہوا تھا۔ یہ خود غلط بیانی ہے۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ فیصلہ ہی نہیں ہوا۔ بلکہ مشورہ حکمین مجلس نے فریقین کو تنازع سے معزول کر دیا تھا۔

(۱۷) حکمین نے قرآن مجید کے کس حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا؟ درحقیقت یہ بھی غلط بیانی بلکہ بہتان ہے۔ مبینہ طور پر جب حکمین نے فیصلہ سنایا تو اکابر صحابہ موجود تھے۔ کسی نے بھی ان سے نہ کہا کہ تم نے حکم قرآنی کو پیچھے ڈال دیا ہے یا تمہیں اس فیصلہ کا حق ہی نہ تھا؟ حضرت ابن عباسؓ جو حضرت علیؓ کے نمائندے تھے انھوں نے بھی یہ اعتراض نہ کیا؟ مدت کے بعد صرف حضرت علیؓ کو یہ نکتہ نظر آیا؟ تو کیا یہ سب صحابہ و تابعین جو اذرح میں جمع ہوئے تھے حضرت علیؓ کے مخالف تھے؟ سب نے ان کے خلاف سازش کی تھی۔[۱]

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی مبینہ معزولی کا اعلان تو پہلے حضرت ابوموسیٰؓ نے کیا تھا۔ اگر انھوں نے حکم قرآنی کو پیچھے ڈال دیا تھا تو حضرت علیؓ کے حامیوں کو ان پر اعتراض کرنا چاہیئے تھا مگر ان کی تقریر پر سب نے سکوت کیا۔ غصہ آیا تو حضرت عمروؓ بن العاص کی تقریر پر اس کی کیا وجہ؟ کیا شیعان حیدر کرار

---

[۱] شیعی نقطہ نظر یہی ہے ان کے نزدیک چند اشخاص کے سوا سب صحابہؓ حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے تھے اور انھوں نے ان کے خلاف سازش کی اسی خیال باطل اور کذب خالص کی اشاعت کے لیے شیعوں نے زیر بحث قسم کے خطبے گڑھ کر حضرت علیؓ کی طرف منسوب کئے ہیں۔ مودودی صاحب باطناً شیعہ ہیں۔ سنیت کا لبادہ اہل سنت کو گمراہ کرنے اور فریب دینے کے لئے اوڑھے ہوئے ہیں یہ موضوع اور جعلی خطبے نقل کر کے وہ ناواقف سنیوں کو پُرپیچ راہ سے اسی شیعی موقف کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

اتنی دیر تک استخارہ کرتے رہے؟

اگر کوئی کہے کہ باغی کے متعلق حکم قرآنی کو انھوں نے پس پشت ڈالدیا تو جواب یہ ہے کہ یہ حکم تو اس وقت نافذ ہوتا ہے جب شرعاً کسی کا باغی ہونا ثابت ہو جائے۔ حضرت معاویہؓ کا باغی ہونا ہی ثابت نہیں ہوا تھا۔ تو اس حکم پر عمل کے کیا معنی تھے[۱]۔ مزید یہ کہ اسی حکم قرآنی کے ساتھ اسی سلسلہ کا یہ حکم بھی موجود ہے:

| | |
|---|---|
| انما المؤمنون اخوۃ | بیشک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں |
| فاصلحوا بین اخویکم (الحجرات) | پس تم اپنے بھائی مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ |

ان حضرات نے اس حکم قرآن پر عمل کیا اور صلح کا یہ طریقہ مناسب سمجھا کہ دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ تاکہ مادہ تنازع ہی ختم ہو جائے[۲]۔ اسے حکم قرآنی پر عمل کرنا کہتے ہیں یا اسے پیچھے ڈالنا؟

(و) اختلاف کی حکایت مغالطہ دہی ہے حسب روایت مفروضہ اختلاف کو حضرت معاویہؓ کی معزولی کے بارے میں ہوا۔ حضرت علیؓ کی معزولی پر تو دونوں متفق تھے۔ مزید یہ کہ اگر دونوں نے غلطی کی تھی تو حضرت

---

[۱] اجتماع اذرح میں کسی نے بھی انھیں باغی نہ کہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر جانبدار اکابر صحابہ اور ان کے متبع تابعین ان محترم کو باغی نہ سمجھتے تھے اپنے ممتاز علم و تفقہ اور رتبہ صحابیت کے علاوہ وہ واقعات کے مشاہد بھی تھے۔ جب انھوں نے ان محترم کو باغی نہ کہا تو بعد کے کسی شخص کا انھیں باغی کہنا بالکل بے وزن اور واجب الرد ہے۔

[۲] یہ ابو مخنف والی غلط روایت اور خطبہ کو ثابت فرض کر کے عرض کیا گیا ہے ورنہ در حقیقت حکمین یا مجلس نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا۔ صحیح واقعہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ۱۲ منہ

ابو موسیٰؓ کی غلطی پر ان کو ٹوکنا چاہئے تھا۔ کیونکہ مبینہ طور پر انھوں نے پہل کی تھی حضرت علیؓ کے وکلاء نے انھیں نہ ٹوکا ؟ اور ان کے بیان پر کیوں نہ مشتعل ہوئے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی معزولی پر وہ بھی راضی تھے۔

نا گوار لو صرف حضرت معاویہؓ کو برقرار رکھنا تھا۔ اس کا اثر زیادہ سے زیادہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرت عمرؓو بن العاص کے اس فیصلہ کو کالعدم سمجھا جاتا اور دونوں حضرات کو معزول سمجھا جاتا۔ اس اختلاف حکمین کی بناء پر دونوں کے متفقہ فیصلے کو بھی کالعدم سمجھنا اور اسے عہد شکنی کے لئے وجہ جواز بنانا تو شرعاً عقلاً ، عرفاً ، اخلاقاً کسی طرح بھی جائز نہیں کہا جاسکتا۔

ان استدلال پر نظر کرنے کے بعد مبینہ خطبہ کسی ایسے جابر حکمران کا معلوم ہوتا ہے جو اپنی عہد شکنی کے جرم کو چھپانے اور عوام کو دھوکہ دینے کے لئے بہانہ سازی کر رہا ہو۔ اس سے روز روشن کی طرح روشن ہوگیا کہ یہ خطبہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے یہ سبائی کارخانہ کا تیار کیا ہوا خطبہ ہے جو آں محترم کی طرف منسوب کر دیا گیا اور یقیناً آں محترم پر بہتان وافترا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آں محترم کے جتنے خطبے کتب شیعہ میں منقول ہیں۔ سب اسی طرح موضوع اور جعلی ہیں[1]

---

[1] نہج البلاغۃ اسی قسم کے جعلی خطبات کا مجموعہ ہے جس کے شیعوں نے ایک کارروائی یہ کی کہ کتب اہلسنت سے احادیث نبویہ کا سرقہ کیا اور انھیں حضرت علیؓ کا قول ظاہر کر کے اپنی مذہبی کتابوں مثل نہج البلاغۃ وغیرہ میں درج کر دیا۔ جس کا ایک مقصد تو اہلسنت کو دھوکا دینا تھا اور دوسرا العیاذ باللہ حضرت علیؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ظاہر کرنا۔ منہ

## حضرت علیؓ پر افتراء :-

حضرت علیؓ کے خطبات کے نام سے شیعوں کی وضع کی ہوئی دو جعلی تقریریں اور معترض نے اس مقام پر نقل کی ہیں ان کی تمہید میں لکھتے ہیں :-

"اس کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ پہونچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس زمانہ میں انھوں نے جو تقریریں کیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مسلط ہو جانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور خلافت راشدہ کے نظام کو بچانے کے لئے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے" ص ۱۴۴

قاری سے گذارش ہے کہ پہلے وہ طبری حوادث ۳۷ھ ملاحظہ کریں۔ اس میں زیر عنوان اعتزال الخوارج علیاً الخ" (ص ۶۶ ج ۵) وہ یہ واقعہ لکھا ہوا پائیں گے کہ حضرت علیؓ نے خوارج کو سمجھایا کہ میں نے تحکیم اس لئے منظور کر لی ہے کہ حقیقت حال لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور جو اہل علم ہیں وہ اپنی رائے پر اور زیادہ پختہ ہو جائیں ہم نے درحقیقت قرآن کریم ہی کو حکم بنایا ہے یہ لوگ اگر اس کے مطابق فیصلہ کریں گے تو ہم تسلیم کریں گے ورنہ رد کر دیں گے اس بات پر خوارج مطمئن ہو گئے۔ نیز خوارج کا یہ بیان منقول ہے کہ حضرت علیؓ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ چھ ماہ بعد ہم شام پر حملہ کریں گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطمئن ہو گئے تھے۔ اسی سال یا حسب قول واقدی شعبان ۳۸ھ میں[۱] اجتماع حکمین ہوا۔ اور بقول شیعہ حضرت علیؓ نے فیصلہ

---

[۱] طبری ج ۵ ص۷۱ بسلسلہ حوادث ۳۷ھ زیر عنوان اجتماع الحکمین بدومۃ الجندل

ماننے سے انکار کر دیا۔ تاریخ کے ان بیانات کو دیکھنے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آں محترم اس فیصلے سے ناراض تھے اور اسے انھوں نے تسلیم نہیں فرمایا تھا تو شام پر حملہ کر دینے سے مانع کیا چیز تھی؟ خوارج تو جنگ پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ اور بقول خود شیعان علیؓ کا یہ قول طبری میں اسی مقام پر مذکور ہے کہ "ہم آپ کے دوست کے دوست اور آپ کے دشمن کے دشمن ہیں"۔ پھر آں محترم نے فوراً شام پر چڑھائی کیوں نہ کر دی؟

علاوہ بریں سیاسی مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ شام سے جنگ چھیڑ دیتے۔ اس سے بہت بڑا اور اہم فائدہ یہ ہوتا کہ خوارج کا فتنہ پیدا ہی نہ ہوتا بلکہ یہ گروہ ان کا معاون بن کر پوری قوت کے ساتھ شام پر حملہ کرتا۔ پھر موقع بھی بہت اچھا تھا۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت ابھی مستحکم نہ ہوئی تھی۔ دو خلافتوں کا بیک وقت ہونا بھی مسلمانوں کے لئے ایک نیا تجربہ تھا اس لئے رائے عامہ کی تائید حاصل کرنا بھی نسبتاً آسان تھا۔

ان سب مصالح اور مقتضیات کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے شام پر حملہ نہیں کیا[۱] اس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوتا ہے

---

[۱] جنگ نہ کرنے کا عذر مودودی صاحب نے یہ ذکر کیا ہے کہ "مگر عراق کے لوگ بہت ہار چکے تھے اور خوارج کے فتنے نے حضرت علیؓ کے لئے مزید ایک دردسر پیدا کر دیا۔" (ص ۱۴۵) جنگ نہ کرنے کی یہ توجیہہ بالکل غلط اور خلاف واقعات ہے ہم نقل کر چکے ہیں کہ شیعہ تو اپنی فدائیت کا اظہار کر رہے تھے اور اشعث اور اس کے ہمنوا بلکہ جملہ سبائی تو مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد پیدا کرنے کے ہمیشہ ہی خواہشمند رہتے تھے۔ خصوصاً اس وقت تو وہ اس کے لئے پوری کوشش کر رہے تھے۔ مذکور ہو چکا ہے کہ اسی مقصد سے انھوں نے اجتماع اذرح کو ناکام بنانے کی ناکام کوشش کی۔ یہ سب واقعات صفحات

(باقی صفحہ ۳۸۸ پر)

کہ وہ اذرح کے فیصلے پر راضی تھے اور انھوں نے شام پر حملہ کرنے کا سرے سے کوئی ارادہ ہی نہیں فرمایا، اور ان کی طرف اس ارادے کی نسبت ان پر سراسر افتراء ہے۔

اس کی دوسری واضح اور روشن دلیل یہ ہے کہ اگر حضرت علیؓ اذرح کے فیصلے کو تسلیم نہ کرتے اور بقول مودودی صاحب شام پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیتے تو خوارج کے اختلاف اور ان کی بغاوت کی کوئی وجہ نہ باقی رہتی۔ وہ موصوف کی اطاعت حسب سابق کرتے رہتے اور حضرت معاویہؓ سے جنگ کرنے میں پیش پیش رہتے۔ ان کی بغاوت کا سبب تو یہی تھا کہ ممدوح نے تحکیم منظور فرمالی اور حکمین کے فیصلے پر عمل کیا۔ جسے وہ اپنے زعم باطل میں کفر سمجھتے تھے۔ ——— خوارج کی بغاوت اس امر کی برہان جلی اور دلیل مستحکم ہے کہ حضرت علیؓ نے اذرح کا فیصلہ تسلیم کر لیا تھا، اسی کے مطابق عمل فرما رہے تھے، اور حضرت معاویہؓ سے جنگ کا ارادہ کلیتہً ترک فرما چکے تھے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ شام پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے۔ اور ان کی طرف منسوب کردہ خطبات جو اس مضمون پر مشتمل ہیں بالکل جعلی اور وضعی ہیں۔ جنہیں سبائیوں نے اپنی طرف سے گڑھ کر ان کی طرف منسوب کر دیا۔ علیٰ ھذا یہ کہنا کہ وہ ملوکیت کے "مسلط ہونے کا

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۸۷) سابقہ میں حوالہ کے ساتھ منقول ہو چکے ہیں۔ انھیں دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل بے معنی ہو جاتی ہے کہ اہل عراق ہمت ہار چکے تھے خروج خوارج کا عذر بھی لغو ہے جس کی لغویت ہماری بحث سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ تفصیل سے قطع نظر صرف یہی سوال اس کی غلطی اور لغویت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ مدد سر پیدا ہی کیوں ہوا؟ اگر شام پر حملہ کر دیا جاتا تو خوارج بغاوت ہی نہ کرتے۔

خطرہ محسوس کر رہے تھے" اور "نظام خلافت کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے" ایک لغویات ہے حیرت ہے کہ ایسی بے دلیل بلکہ خلاف دلیل بات کہنے کی جرأت کیسے ہوتی ہے ؟

اب ان تقریروں کا حال بھی ملاحظہ کر لیجیئے جن کی طرف معترض نے اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں :-

"ایک تقریر میں فرماتے ہیں :-

" خدا کی قسم اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن گئے تو تمہارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام کریں گے۔"

ایک دوسری تقریر میں انھوں نے فرمایا :-

چلو ان لوگوں کے مقابلے میں جو تم سے اس لئے لڑ رہے ہیں کہ ملوک بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں" (ص ۱۴۵)

ابھی چند سطریں پہلے جو بحث ہم نے کی ہے۔ اس سے ثابت ہو چکا کہ یہ خطبے بالکل جعلی اور سبائیوں کے وضع کئے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کی طرف ان کی نسبت آں محترم پر افترا اور بہتان ہے وہ نہ جنگ کے خواہشمند تھے، نہ انھوں نے اس کا ارادہ فرمایا اور نہ انھیں "ملوکیت" کے تسلط کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا ان مبینہ خطبوں کی بنیاد ہی مفقود ہے تو ان کے وجود کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ مزید یہ کہ یہ دونوں خطبے اسی کذاب رافضی ابو مخنف سے طبری میں منقول ہیں۔ ابن اثیر وغیرہ نے بھی وہیں سے نقل کئے ہیں۔ انھیں موضوع اور جعلی سمجھنے کے لئے ابو مخنف کا نام ہی کافی ہے۔ علاوہ بریں خود ان کے مضمون پر بھی سبائی کارخانہ کا ٹریڈ مارک نمایاں ہے۔

جس ڈھٹائی کے ساتھ دروغ بیانی اور بہتان طرازی ان خطبوں میں کی گئی

ہے وہ سبائیوں ہی کا حصہ ہے کوئی پوچھے کہ اگر حضرت علیؓ کو ہرقل و کسریٰ کا طریقہ زندہ ہونے، جباریت اور رعیت کو غلام بنانے کے رواج کا خطرہ تھا تو انھوں نے حضرت معاویہؓ سے صلح کیوں کی؟ اور وہ بھی اتنی جلدی کہ ان خطبوں کی آواز ابھی سامعین کے کانوں میں تھی۔ یعنی ۴۰ھ میں جبکہ پورے دو سال بھی نہ گذرے تھے۔ کیا یہ سب خطرے اس وقت مٹ گئے تھے یا یہ سب امور "جائز" اور مستحسن ہو گئے تھے؟

تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء پر الزامات مذکورہ چاند پر خاک ڈالنے کے مرادف ہیں آں محترم کا عدل وانصاف کرم و حلم، اور عوام و خواص رعایا پر ان کی شفقت، ان کے ساتھ اخلاص اور رعایا میں ان کی محبوبیت و مقبولیت آفتاب سے زیادہ روشن حقیقتیں ہیں جن کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو تاریخ سے جاہل ہو یا تعصب نے اسے اندھا کر دیا ہو۔ ایسی کھلی ہوئی غلط بیانی اور بہتان طرازی سبائیوں کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان دونوں تقریروں میں سے ایک بھی حضرت علیؓ کی نہیں آں محترم کی طرف ان کا انتساب آں محترم پر بہتان و افترا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مورخین نے حضرت علیؓ کی جو تصویر اپنے مزعومات باطلہ اور اغراض فاسدہ کے پیش نظر پیش کی ہے وہ اس قدر مکروہ ہے کہ کوئی سُنی اس کی صحت کا وہم بھی نہیں کر سکتا۔ بکثرت خطبات جو ان کی طرف منسوب اور کتب شیعہ کا سرمایہ ہیں۔ خود شیعوں کے گڑھے ہوئے ہیں۔ آں محترم کو ان سے کوئی تعلق نہیں ان میں بدزبانی، بدتہذیبی، تکبر، اجارہ پسندی، جھوٹ، بہتان، سب عیوب کی جھلک موجود ہے۔ حضرت علیؓ کا مرتبہ تو

بہت بلند ہے۔ ہم تو ان کے غلامانِ غلام سے بھی ایسے خطبات و اقوال کی توقع نہیں کر سکتے۔ بلا شبہ آل محترم ان سے بری ہیں۔ ان کا ایک لفظ بھی ان میں نہیں۔ معترض کا ان تقریروں سے استدلال انھیں اتنا بھی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ جتنا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

تحکیم کی بحث تو ختم ہو چکی۔ انشاءاللہ آئندہ صفحات میں اصحاب جمل وصفین کے بارے میں مسلک اہلسنت والجماعت کا بیان کیا جائے گا۔

مگر اس سے پہلے تفریح طبع کے لئے ایک لطیفہ پیش کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آخر بحث تحکیم میں۔ مودودی صاحب نے حضرت علیؓ پر بھی یہ اعتراض کر دیا کہ انھوں نے قاتلان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا مقرب بنالیا اور اہم مناصب عطا کئے اعتراض کی صحت و غلطی سے یہاں بحث مقصود نہیں، دکھانا یہ ہے کہ اس سے اصل مقصود اپنی نقاب تقیہ کی بخیہ گری ہے۔ یہ اعتراض کر کے وہ سبائی چالوں سے ناواقف سنیوں کو اپنی سنیت اور غیر جانبداری کا یقین دلانا چاہتے ہیں۔ ورنہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انھوں نے اس مقام پر اس منطق سے کام نہیں لیا جو حضرت عثمانؓ کے بارے میں استعمال کی تھی؟ حضرت علیؓ کی طرف ایک غلطی کا انتساب کر کے خاموش ہو گئے اور اس سے وہ نتائج نکالنے کی کوشش نہیں جو حضرت عثمانؓ کے معاملے میں کی۔

## واقعات جمل وصفین شریعت کی نظر میں

مودودی صاحب ادعائے سنیت اور زعم تحقیق کے باوجود "خلافت و ملوکیت" کے ضمیمہ میں لکھتے ہیں:۔

"اوپر جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے

کہ جن حضرات نے بھی قاتلین عثمانؓ سے بدلہ لینے کے لئے خلیفۂ وقت
کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان کا یہ فعل شرعی حیثیت سے بھی درست
نہ تھا اور تدبیر کے اعتبار سے بھی غلط تھا۔ (ص ۳۴۳)

پھر اپنے بیان باطل کی تلخی کم کرنے کے لئے اس میں شکر ملاتے ہیں:۔

"مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ انھوں
نے یہ غلطی نیک نیتی کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے
کی تھی۔ مگر میں اسے محض "غلطی" سمجھتا ہوں اس کو اجتہادی
غلطی" ماننے میں مجھے سخت تامل ہے۔" (ایضاً)

گزشتہ صفحات میں جمل و صفین کے واقعات پر مفصل اور مدلّل بحث
ہو چکی ہے بحث میں اگرچہ واقعاتی پہلو غالب رہا مگر یہ حقیقت بھی
روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اصحاب جمل یعنی اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ
علیہا السلام اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور اُن کے دوسرے
رفقاء و متبعین کا اقدام شرعی نقطۂ نظر سے بالکل صحیح اور درست تھا
اسی طرح اصحاب صفین یعنی حضرت معاویہ و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما
اور ان کے رفقاء و معاونین کا طرز عمل بھی شرعاً جائز تھا۔

مودودی صاحب کے مندرجہ بالا بیانِ باطل کا باطل اور گمراہ کن ہونا
اس بحث کو دیکھ کر خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ اس کے لئے کسی مزید بحث کی
احتیاج نہیں۔ مگر افادۂ مزید کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعات مذکورہ
پر مستقلاً شرعی و فقہی نقطۂ نظر سے مزید روشنی ڈالی جائے۔ اس کے ساتھ مودودی
صاحب نے اپنی مندرجہ بالا عبارت میں قاری کو مغالطہ دینے کی جو کوشش کی ہے
اس کا پردہ بھی چاک کر دیا جائے۔

مغالطہ یہ ہے کہ انھوں نے پہلے تو خط کشیدہ فقرہ لکھ کر ان حضرات کے فعل کو ناجائز کہہ دیا گویا ارتکاب معصیت کا الزام ان پر لگا دیا اور پھر چند سطروں کے بعد انھیں "نیک نیت" کہہ کر اس فقرے کی تلخی دور کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ قاری یہ سمجھے کہ موصوف سُنی ہیں اور ان حضرات کے ساتھ حُسنِ ظن رکھتے ہیں۔ اس لئے باوجودیکہ ان کی تحقیق ان حضرات کے طرز عمل کو شرعاً ناجائز اور معصیت ظاہر کر رہی ہے۔ وہ ان کی نیت پر کوئی حملہ نہیں کرتے اور ان کے ساتھ حُسنِ ظن رکھتے ہیں۔ "نیک نیتی" کے ساتھ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے اگر کوئی شخص کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرے تو اُسے بھی اجتہادی غلطی ہی کہا جائے گا۔ مگر ان بزرگان دین کے ساتھ اس اظہار حُسنِ ظن کے باوجود وہ اسے صرف "غلطی" کہتے ہیں۔ اجتہادی غلطی تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔ ان تناقض بیان سے ان کی نیت معلوم ہو جاتی ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اس اظہار حُسنِ ظن سے ان کا مقصد صرف اس زخم پر مسکن مرہم لگانا ہے جو اُن کے بے اعتبار اور گستاخانہ الفاظ سے ہر سُنی کے دل پر لگا۔ اگر ان کے نزدیک فریقین کے درمیان جو مختلف فیہ امور تھے وہ مجتہد فیہ نہ تھے بلکہ ان میں حضرت علیؓ کا حق پر ہونا منصوص یا مثل منصوص اور بالکل واضح تھا تو "نیک نیتی" اور خود کو "حق بجانب" سمجھنے کے الفاظ بے معنی ہیں۔ ورنہ انھیں لکھنا مغالطہ دہی اور فریب کاری۔

معترض نے دوسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ اصحاب جمل وصفین دونوں کی پوزیشن یکساں ظاہر کی ہے اور دونوں کے اقدامات کو یکساں طور پر ناجائز کہا ہے۔ حالانکہ دونوں کے مطالبات اور حالات میں فرق ہے۔

# حضرات اصحابِ جمل پر بہتان

حضرات اصحاب جمل کے متعلق جو شخص یہ کہے کہ انھوں نے خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھائی تھی، وہ یقیناً جھوٹا اور مفتری ہے۔ جنگ جمل کی بحث میں ان کی فوج کشی کے مقاصد عالیہ پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اور واضح کیا جا چکا ہے کہ خلیفۂ وقت سے انھیں ذرہ برابر بھی مخالفت نہ تھی ایوانِ خلافت سے ان کا مطالبہ بھی صرف اس قدر تھا کہ سبائی منافقوں کو سزا دے کر ان کی قوت توڑ دی جائے تاریخ میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے علم تو علم اس کا شک بھی پیدا ہوتا ہو کہ یہ محترم حضرات خلیفۃ المسلمین کو معزول کرنا چاہتے تھے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۱ میں تحریر فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ان احداً لم ینقل ان عائشہؓ ومن معہا نازعوا علیاً فی الخلافۃ ولا دعوا احداً منہم لیولوہ الخلافۃ | کسی نے بھی یہ بات نہیں نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھ والوں نے حضرت علیؓ سے خلافت کے بارے میں کوئی نزاع کی ہو یا کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا چاہا ہو۔ |

انھوں نے خلیفۃ المسلمین کے خلاف فوج کشی نہیں فرمائی بلکہ منافقوں اور مفسدوں کے ایک گروہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا جو تخریب اسلام کے درپے، اور امت مسلمہ کی اجتماعی قوت کا دشمن تھا ایسی حالت میں اسے بغاوت کے نام سے موسوم کرنا یا شرعاً ناجائز کہنا خود ایک ناجائز بات ہے جو بے ادبی بھی ہے اور معصیت و بہتان بھی، جب خلافت کے معاملے میں انھیں کوئی نزاع ہی نہ تھی تو ان کے اقدام کو بغاوت کہنے کے کیا معنی ہیں گزشتہ

صفحات میں مفصل اور مدلل طریقے سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرات اصحاب جمل کا اقدام مذکور شرعاً بالکل جائز بلکہ فرض علی الکفایہ کی ادائیگی اور جہاد فی سبیل اللہ تھا اور تدبیر کے اعتبار سے بھی بہترین اقدام تھا جو وقت اور حالات کے لحاظ سے ضروری اور افادیت کے اعتبار سے بہت قیمتی تھا حضرت علیؓ کے ساتھ جو جنگ ہوئی وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا جو فریقین کی مرضی کے خلاف سبائی مکاری و فریب کاری کا نتیجہ تھا۔

اہلسنت کے نزدیک ان حضرات کو باغی کہنا جائز نہیں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج الاعتدال ص ۵۰۲ بحث جمل و صفین میں فرماتے ہیں:-

"واعلم ان طائفة من الفقهاء الحنفية والشافعية والحنبلية جعلوا قتال مانعي الزكوٰة وقتال الخوارج من قتال البغاة وجعلوا قتال الجمل وصفين من ذلك وهذا القول خطاء وخلاف نص ابي حنيفة ومالك واحمد وغيرهم ومخالف للسنة"

جان لو کہ حنفی شافعی اور حنبلی فقہا کے ایک گروہ نے مانعین زکوٰۃ اور خوارج سے جنگ کو باغیوں سے جنگ کرار دیا ہے (یعنی انہیں باغی کہا ہے) اور جمل و صفین کی جنگ کو بھی اسی قسم کی جنگ قرار دیا ہے (یعنی اصحاب جمل و صفین کو باغی کہا ہے) اور یہ قول (اصحاب جمل و صفین کو باغی کہنا) غلط ہے اور ائمہ کرام ابو حنیفہ، مالک واحمد اور ان کے سوا دوسرے ائمہ کی تصریحات کے خلاف اور مخالف سنت ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جصاص وغیرہ جن علماء نے حضرات اصحاب جمل کو باغی کہا ہے یہ ان کی انفرادی رائے ہے جو بالکل غلط اور جمہور اہلسنت کے مسلک کے خلاف ہے۔ دلائل صحیحہ سے اس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے اس کا باطل ہونا اسی واضح ہے کہ یہ دعویٰ دلیل سے محروم ہے۔ حالانکہ جو

شخص ان مقدس حضرات کو باغی کہتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے ثابت کرے ہمارا دعویٰ ہے کہ قیامت تک پرکاہ اور تار عنکبوت کا ایسا ثبوت بھی اس باطل دعوے کا نہیں پیش کیا جا سکتا۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جن لوگوں نے ان حضرات کے اقدام کو غلط کہا ہے، وہ بھی اسے مودودی صاحب کی طرح "محض غلطی" نہیں کہتے بلکہ اجتہادی غلطی کہتے ہیں۔ موصوف کا قول کسی سُنی کا قول نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

## اعتراف خطا کا افسانہ

مودودی صاحب لکھتے ہیں :۔

> "جہاں تک جنگ جمل کا تعلق ہے معتبر روایات کی رو سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں عین جنگ کے موقع پر اپنی غلطی مان کر میدان سے ہٹ گئے تھے اور حضرت عائشہؓ نے بعد میں اپنی غلطی تسلیم کرلی (ص۳۲۴)

حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے متعلق ہم دلائل ساطعہ کی روشنی میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان کے بارے میں میدان سے ہٹنے اور اپنے اقدام کو غلط سمجھنے کی روایات بالکل موضوع، جعلی اور سراپا کذب و دروغ ہیں۔ دونوں حضرات آخر دم تک میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور زندگی کے آخری لمحہ تک اپنے اقدام کو صحیح سمجھتے رہے۔ تاریخ و حدیث کی معتبر روایات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے البتہ جنگ روکنے کی کوشش جس طرح دوسرے اکابر مثلاً اُم المومنینؓ یا حضرت علیؓ کر رہے تھے اسی طرح یہ دونوں حضرات بھی کر رہے تھے۔ اس لئے اس جگہ اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔

یہاں صرف اس غلط بیانی کا ابطال کرنا ہے جو ام المومنین صلوات اللہ علیہا کے بارے میں منقولہ بالا سطروں میں کی گئی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ام المومنین صدیقہ علیہا السلام جنگ جمل کے حادثہ فاجعہ پر بہت رنجیدہ تھیں اور اس کا افسوس انھیں ساری عمر رہا۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ آں معظمہ بعض اوقات ان واقعات کو یاد کر کے اس قدر روتی تھیں کہ آں محترمہ کا مطہر دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آں معظمہ اپنے اقدام کو غلط سمجھتی تھیں اور اس پر نادم تھیں بالکل غلط اور شدید مغالطہ ہے جو درحقیقت سبائی ذہن کی اختراع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ام المومنینؓ کو افسوس اس کا تھا کہ مساعی مصالحت کے باوجود مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی کرانے میں سبائی کامیاب ہو گئے۔ حزن اس پر تھا کہ مسلمانوں کا محترم خون بہا اور دشمنان دین یعنی مار آستین سبائی منافقین کا کلیجہ ٹھنڈا ہوا، رنج اس کا تھا کہ بہت سے صحابہؓ کے برکات و انوار سے دنیا محروم ہو گئی، اور ملال اس کا تھا کہ سبائی منافق امت کے شہید اعظم کے خون سے آستین رنگین اور شہدائے جمل کے لہو سے دامن داغدار کیے ہوئے کھلے بندوں پھر رہے ہیں اور اپنے عقائد باطلہ و افکار فاسدہ سے فضا کو مسموم بنا رہے ہیں مگر ان روایات سے کسی طرح بھی یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آں معظمہ اپنے اقدام کو غلط سمجھنے لگی تھیں ذخیرہ تاریخ و حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں مل سکتی جس میں یہ بات مذکور ہو۔ محض رنج اور افسوس کو اس کی دلیل بنانا گمراہ کن اور قابل نفرت مغالطہ ہے۔ پھر یہ کہ یہ افسوس آں معظمہ ہی کو نہ تھا۔ بلکہ سب ہی مسلمانوں خصوصاً صحابہ کرامؓ اور اکابر امت کو تھا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس حادثہ فاجعہ کا سخت صدمہ تھا آں محترم کے

متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب "کتاب السنۃ" (ج ۲ ص ۲۱۲ مطبوعہ مکہ معظمہ) میں مندرجہ ذیل روایت مذکور ہے:۔

| | |
|---|---|
| "عن قیس بن عباد قال قال علیؓ یوم الجمل لابنہ الحسن بن علیؓ یا حسنؓ یا حسنؓ لیت اباک مات من قبل عشرین سنۃ قال فقال لہ الحسنؓ یا أبت قد کنت انہاک عن ھذا قال یا بنی لم ار الامر یبلغ ھذا۔" | قیس بن عباد کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ اے حسنؓ اے حسنؓ کاش تمہارے باپ اب سے بیس سال پہلے مرچکے ہوتے عباد کہتے ہیں کہ آں محترم سے حضرت حسنؓ نے کہا کہ اے والد بزرگوار میں تو آپ کو اس سے منع کرتا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے مجھے یہ گمان نہ تھا کہ بات اس حد تک پہونچ جائیگی |

یہ روایت ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں نقل کی ہے۔ اس سے اگر کوئی شخص یہ استدلال کرے کہ حضرت علیؓ کا اصحاب جمل کو روکنے کے لئے فوج لے کر بصرے جانا غلطی تھی اور جنگ جمل کے بعد انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا تو مودودی صاحب اسے کیا جواب دیں گے؟ اگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں تو ام المومنین علیہا الصلوٰۃ والتسلیم اظہار رنج و ملال کو اعتراف غلطی پر محمول کرنا کیوں صحیح ہے؟ حق یہ ہے کہ ام المومنین علیہا الصلوٰۃ والتسلیم اور آں معظمہ کے رفقاء یعنی شرکاء جنگ جمل واقعے کے لحاظ سے بھی حق پر تھے اور خود کو زندگی بھر حق ہی پر سمجھتے رہے۔ جیسا کہ ہم عرض کرچکے ہیں کہ بصرے کے سبائیوں کے خلاف لشکر کشی ام المومنینؓ کا امت پر احسان عظیم ہے۔ علی ہذا ان اکابر صحابہؓ کا بھی احسان ہے جو ام المومنینؓ کے ہمراہ اس مہم میں شریک ہوئے۔ بلکہ درجات و مراتب احسان کے فرق کے ساتھ سب ہی شرکاء

مبہم مذکور ہمارے محسن ہیں۔ جنگ جمل کی بحث میں یہ مضمون تفصیل کے ساتھ
بیان ہو چکا ہے۔

## اصحابِ صفین

مودودی صاحب نے اصحابِ صفین یعنی حضرت معاویہؓ اور اُن کے معاونین
کو باغی اور ان کے طرزِ عمل کو شرعاً ناجائز ثابت کرنے کے لئے اپنا پورا زور
قلم صرف کر دیا ہے۔ مگر ان کی سعی لاحاصل چاند پر خاک ڈالنے کی مصداق ثابت
ہوئی۔ موصوف خالص خطابی انداز میں تحریر فرماتے ہیں :-

"رہے حضرت معاویہؓ تو وہ بلا شبہ ہمیشہ اپنے آپ کو حق
بجانب سمجھتے رہے مگر ان کی لڑائی کے لئے معقول گنجائش آخر
کیا قرار دی جا سکتی ہے؟ کیا یہ کہ نئے خلیفہ نے ایک گورنر کو اس
کے عہدے سے معزول کر دیا؟ یا یہ کہ نئے خلیفہ نے سابق خلیفہ
کے قاتلوں کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ نہ چلایا؟ یا یہ کہ نئے خلیفہ
پر سابق قاتلوں نے غلبہ پا لیا؟ یا یہ کہ نئے خلیفہ کی خلافت ہی ایک
صوبے کے گورنر کی رائے میں قانونی طور پر قائم نہیں ہوئی
درآنحالیکہ مرکز اور تمام دوسرے صوبوں میں اس کی خلافت مانی
جا چکی تھی اور عملاً قائم بھی ہو چکی تھی؟ ان میں سے کسی ایک کو
بھی خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اُٹھانے کی جائز وجہ قرار
دینے کے لئے شریعت میں اگر کوئی دور دراز کی گنجائش
بھی پائی جاتی ہو تو اسے بیان کر دیا جائے" (ص ۳۴۴)

ثابت کیا جا چکا ہے کہ صرف حضرت معاویہؓ ہی نہیں بلکہ اصحاب جمل بھی

ہمیشہ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے رہے اور واقع میں وہ حق بجانب تھے بھی۔ حضرت معاویہؓ کے متعلق معترض کا اعتراف کہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ حق بجانب سمجھتے رہے۔ اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے پاس اپنے طرزِ عمل کی کوئی دلیلِ شرعی تھی۔ اور وہ دلیل بھی اتنی قوی تھی کہ اس کی کوئی قطعی تردید فریق مخالف کی طرف سے نہ ہو سکی۔ اگر رفض کے اثرات نے ذہن کو ماؤف نہ کر دیا ہو تو معمولی فہم کا مسلمان بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ تنہا نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی صحابہ و تابعین کی ایک بڑی تعداد تھی۔ یہی نہیں بلکہ اصحابِ جمل جس میں اکابر صحابہ مہاجرین و انصار تھے، ان کے موید تھے۔ اگر بقول معترض ان کے طرزِ عمل کی شریعت میں کوئی گنجائش ہی نہ تھی گویا وہ کھلی ہوئی معصیت یعنی "منکر" کے مرتکب ہو رہے تھے۔ تو ان حضرات صحابہؓ و تابعین نے ان پر نکیر کیوں نہ کی؟ اور ان کی تائید کیوں کرتے رہے؟ کیا معصیت کی تائید یا باوجود استطاعت منکر پر نکیر نہ کرنا خود معصیت نہیں؟ بات یہیں تک نہیں رہتی۔ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑی جماعت صحابہؓ و تابعین غیر جانبدار کیوں رہی؟ اس نے حضرت معاویہؓ پر نکیر کیوں نہ کی؟ اور حضرت علیؓ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ آپ خود فیصلہ کیجئے کہ مودودی صاحب کے مذکورہ قول باطل کو تسلیم کرنے کا نتیجہ کس قدر دور رس اور ہولناک نکلتا ہے؟ اس سے صحابہ کرامؓ کی عظیم اکثریت کے بارے میں سوءِ ظن پیدا ہوتا ہے جو دین سے ناواقف افراد کو رفض کی طرف لے جاتا ہے اور معترض کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ معترض کو تو آج چودہ سو برس کے بعد حضرت معاویہؓ کا طرزِ عمل بالکل خلاف شریعت اور گناہ نظر آ رہا ہے مگر خود حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء کو بھی یہ واضح گناہ نظر نہ آیا۔ چنانچہ حضرت سہل بن حنیفؓ کا قول ہم بحوالہ بخاری و مسلم نقل کر چکے ہیں کہ انھیں اس

بارے میں مشتبہ تھا کہ فریقین میں سے کون حق پر ہے؟ ظن غالب حضرت علیؓ کے برسرِ حق ہونے کا تھا اس لئے ان کی جانب سے جنگ کر رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی ان کے اس قول کی تردید نہ فرمائی نہ ان کے شبہ کو دور کیا۔

معترض کے زیرِ گفتگو قول کا باطل ہونا تو اسی بحث سے واضح ہو چکا جو ہم نے جنگ صفین پر گزشتہ صفحات میں کی ہے۔ مندرجہ بالا سطریں اس کی تائید مزید اور فائدہ زائدہ کے لئے تحریر کی گئیں جن سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مودودی صاحب خلافت الٰہیہ کے نام پر مسلمانوں کے ذہن میں رفض کی تخم ریزی فرما رہے ہیں اور اس نعرے سے اصل مقصد صحابۂ کرامؓ پر بے اعتمادی پیدا کر کے ناواقفوں کو تدریجاً رفض کے گڑھے میں گرانا ہے۔ اس کے لئے موصوف غلط بیانی اور صورت واقعہ کی خلاف حقیقت تصویر کشی سے بھی نہیں چوکتے۔ حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھائی بالکل غلط ہے تاریخ شاہد ہے کہ حملہ حضرت علیؓ نے کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے صرف دفاع کیا۔ دفاع کو مقابلے میں تلوار اٹھانا نہیں کہتے۔ اگر ابتدا حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہوئی ہوتی اور حضرت علیؓ کو خلافت سے معزول کرنے یا ان کے زیرِ حکومت کسی خطۂ ارضی پر قبضہ کرنے کا اقدام کرتے یا خود خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتے تو یہ کہنا بجا ہوتا کہ انھوں نے خلیفۂ وقت کے خلاف تلوار اٹھائی مگر انھوں نے تو ان میں سے کوئی بات بھی نہ کی۔ پھر ان پر یہ الزام لگانا سراسر ظلم اور افترا نہیں تو اور کیا ہے؟

گزشتہ صفحات میں ہم حضرت معاویہؓ کا موقف واضح کر چکے ہیں۔ جس سے مودودی صاحب کے ان سب سوالات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور ان کی اس عبارت آرائی کا بے مغز ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ ان سوالات میں

کوئی نئی بات نہیں درحقیقت انھوں نے اپنے سابقہ دعاوی بصورت سوال دہرائے ہیں۔ اور ان کا ابطال کیا جا چکا۔ لیکن ازدیاد بصیرت کے لئے ہم یہاں ان امور پر قدرے مزید روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ جس سے معترض کا اضطراب کلام اور تناقض بیان بھی روشن ہو جائے گا۔

"مگر ان کی لڑائی کے الفاظ استعمال کر کے جناب معترض نے قاری کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے اختلاف ضرور تھا۔ مگر "لڑائی" ان کی طرف سے نہیں شروع ہوئی۔ انھوں نے صرف دفاع کیا۔ باسلوب معترض ان کی جانب لڑائی کا انتساب غلط اور مغالطہ انگیز ہے۔ رہ گیا بنا ر اختلاف کا مسئلہ تو معترض نے عبارت منقولہ بالا میں خود ہی بصورت سوال ان امور کا تذکرہ کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اختلاف کی "معقول گنجائش" پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔

از روئے آئین اسلام عام اور معمولی حالات میں کسی گورنر کی معزولی کوئی اہم مسئلہ نہیں اور خلیفہ وقت کو اس کا اختیار ہے۔ مگر جب یہ معلوم ہے کہ روح آئین تحفظ دین ہے اور معزولی سے دین کے لئے خطرہ متصور ہو۔ تو آئین کا قانون مذکور اپنی اصل حالت پر باقی نہیں رہتا اور یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن جاتا ہے کہ گورنر معزول ہو جائے یا حکم خلیفہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے؟ اس وقت صورت حال ایسی ہی تھی۔ حضرت معاویہؓ کو سخت اندیشہ تھا کہ اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو ان کے صوبہ میں بھی سبائیوں کا غلبہ ہو جائے گا جس سے سخت گمراہی پھیلے گی اور اُمت کو شدید نقصان پہونچے گا۔ ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اس صورت میں حکم خلیفہ کی تعمیل ضروری بلکہ جائز بھی نہیں۔

قاتلانِ سیدنا عثمانؓ کی سزا کا مسئلہ معترض نے ایسے انداز میں پیش کیا ہے جس سے اس کا وزن کم معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ خلیفۃ المسلمین کے قتل اور نظامِ خلافت کو تباہ کرنے کی کوشش کا معاملہ تھا۔ علیٰ ہٰذا چند قاتلوں کا مسئلہ نہ تھا بلکہ منافقوں اور دین کے دشمنوں کی ایک پوری جماعت کا مسئلہ تھا۔ قاتلوں کی سزا پہ قادر نہ ہونا سبائیوں کے غلبہ کی خطرناک علامت تھا اور واقعہ یہ ہے کہ خلافت کی پالیسی پر سبائیوں کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ تاریخ سے یہ واقعہ اس قدر واضح ہے کہ کوئی باخبر انصاف پسند اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ گزشتہ صفحات میں البدایہ والنہایہ سے نقل ہو چکا ہے کہ یہ غلبہ اس حد تک پہونچ گیا تھا۔ کہ سبائی مفسد اکابر صحابہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان حجاب بن گئے تھے اور ان کی ملاقات سے مانع ہوتے تھے۔ ان امور کی تفصیل صفحات گزشتہ میں گزر چکی۔ انھیں پیش نظر رکھئے تو حضرت معاویہؓ کے اختلاف کو کسی طرح بے جا نہیں کہا جا سکتا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ خلافت کی اس کمزوری کی صورت میں خلیفہ کی اطاعت کسی ایسے امر میں ضروری بلکہ جائز بھی نہیں رہتی۔ جس کا انجام اجتماعی دینی ضرر ہو۔ مختصر یہ کہ سبائی گروہ کا خلیفہ وقت کے قابو سے باہر اور خلافت کی پالیسی پر غالب ہونا، دونوں باتیں بنائے اختلاف بن سکتی ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ سبب اختلاف یہی تھیں بھی اور ان سب امور میں شرعاً انھیں خلیفۂ وقت سے اختلاف کا حق بھی حاصل تھا۔ کیونکہ آئین اسلام میں اطاعت خلیفہ کے کچھ حدود بھی مقرر ہیں۔ اور اتنی بات تو مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ حدود قرآن مجید، حدیث نبوی اور تعامل صحابہ سے ثابت ہیں اور عقل سلیم بھی ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہے۔ انھیں وسائل شرعیہ

کی بنا پر فقہار کرام نے اطاعت امیر کے لئے مندرجہ ذیل ضابطہ بیان کیا ہے

| | |
|---|---|
| ثم اذا امر العسکر بامر فھو علی اوجہ ان علموا انہ نفع بیقین اطاعوہ وان علموا خلافہ ...... لا یطیعوہ وان شکوا لزمھم طاعتھم | امیر اگر کسی لشکر کو کسی کام کا حکم دے تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر اہل لشکر کو یقین ہو کہ وہ کام (دینی یا ملی حیثیت سے) نافع ہے تو ان پر اس پر حکم کا بجالانا واجب ہے اور اگر انھیں اس کے خلاف کا علم ہے (یعنی وہ جانتے ہیں کہ یہ کام دینی یا ملی حیثیت سے مضر ہے) تو امیر کی اطاعت نہ کریں گے، اور اگر (اس کے نافع اور مضر ہونے میں) شک ہے (یعنی کوئی جانب یقینی نہیں) تو بھی اطاعت واجب ہے۔ |
| (ردالمختار ج ۳ مطلب فی وجوب اطاعۃ الامام) | |

اس آئینی اصول نے اطاعت خلیفہ کے حدود متعین کر دیئے۔ اطاعت خلیفہ صرف دو صورتوں میں واجب ہے۔

**اول**:- جب مامور بہ کے نافع ہونے کا یقین ہو۔

**دوم**:- جب اس کے نافع یا مضر ہونے میں شک ہو۔ یعنی کسی پہلو کا یقین یا ظن غالب نہ ہو۔ اس کے بعد مسئلہ کی مندرجہ ذیل دو صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ان دونوں میں اطاعت خلیفہ واجب نہیں:-

**اول**:- مامور بہ کے مضر ہونے کا یقین ہو۔

**دوم**:- مامور بہ کے مضر ہونے کا ظن غالب ہو۔ اگرچہ یقین نہ ہو۔

ان دونوں صورتوں میں ایسے حکم میں اطاعت خلیفہ واجب نہیں بلکہ پہلی صورت میں تو اس کا جواز بھی مشکوک ہے۔

دلائل شیعہ پر مبنی اس اصول کی روشنی میں حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ

کے مندرجہ بالا اختلافات پر نظر کیجئے۔ حضرت معاویہؓ کم از کم درجہ ظن غالب میں اپنی معزولی اور صوبہ شام سے علیحدگی کو دینی و ملی اعتبار سے اُمت کے لئے سخت مضرت رساں سمجھتے تھے اور واقعات شاہد ہیں کہ ان کا اندیشہ بالکل صحیح تھا۔ ایسی صورت میں شرعاً ان پر حکم معزولی میں خلیفہ کی اطاعت واجب نہ تھی۔ علی ہذا سبائیوں کو مہلت دینا، یا انھیں خلافت کے نسق و انتظام میں شریک کرنا بھی ان کے نزدیک دین و اہل دین کے لئے سخت مضرت رساں تھا۔ اس لئے انھیں اس پر بھی اعتراض اور اس اختلاف کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ جو کچھ انھوں نے کیا وہ یقیناً حدود شرعیہ کے اندر تھا اور اس پر شرعی نقطۂ نظر سے اعتراض کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں۔

علاوہ بریں آں محترم خود مجتہد تھے۔ اگر ان کا اجتہاد یہ بتاتا تھا کہ مذکورہ صورت حالات میں جبکہ حکم خلیفہ پر عمل کرنا میرے نزدیک اسلام و اہل اسلام کے لئے مضر ہے۔ میرے لئے حکم تسلیم کرنے سے انکار کر دینا جائز یا واجب ہے۔ تو بھی ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ مجتہد کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہے

## حضرت علیؓ کا انتخاب اور حضرت معاویہؓ

منقولہ بالا تحریر میں مودودی صاحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ سوال کیا ہے کہ کیا "ایک صوبہ کے گورنر" کی رائے ہیں حضرت علیؓ کی خلافت ہی قائم نہ ہوئی تھی؟ موصوف کی عبارت پڑھئے تو اسلوب بیان ہو بہو وہی نظر آئے گا جو شیعوں کے مجالس عزا میں ان کے اصطلاحی "ذاکر" اختیار کرتے ہیں ان کے اس خطیبانہ استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی

خلافت قائم ہوچکی تھی اس لئے حضرت معاویہؓ کو ان کا ہر حکم بغیر چوں وچرا ماننا چاہیئے تھا اور موصوف کی خلافت کا قائم ہو جانا ایک تسلیم شدہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ممدوح کا انتخاب صحیح طریقہ سے ہوا تھا۔ اس لئے حضرت معاویہؓ کے لئے ان کی خلافت سے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ ہے معترض کی دلیل کا ماحصل بظاہر یہ قوی ہے مگر درحقیقت یہ ایک مغالطہ ہے۔ استدلال کی پہلی غلطی تو یہ ہے کہ خلیفہ کے ہر حکم کی تعمیل واجب فرض کرلی گئی ہے۔ حالانکہ چند سطریں پہلے ہم واضح کرچکے ہیں کہ خلیفہ کے ہر حکم کی تعمیل واجب نہیں اور اطاعت خلیفہ کے بھی کچھ حدود ہیں۔

ہم سب اہلسنت حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد اور ان کی خلافت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آں محترم کے معاصرین اور اس دور کے ارباب حل وعقد، اور نمائندگان اُمت کو بھی ان کی خلافت، یا ان کے منتخب ہونے کے طریقہ سے اختلاف کا حق نہ تھا، بالکل غلط اور مغالطہ انگیز ہے۔ معترض نے اس مقام پر یہ مغالطہ بھی دیا ہے۔ اور طرح طرح سے اس کمزور بات کو قوی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اس میں تناقض بیان کی بھی کوئی پروا نہ کی۔ جناب معترض خود اعتراف کرتے ہیں:۔

"باہر سے آئے ہوئے دو ہزار شورشی دارالخلافہ پر مسلط تھے اور خلیفہ وقت کو قتل تک کر گزرے تھے ......... اور ایسی روایات بھی بلاشبہ موجود ہیں کہ جب حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کرلیا گیا۔ تو ان لوگوں نے بعض کو زبردستی بھی بیعت پر مجبور کیا تھا" (ص ۳۳۵)

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"صحابہ میں سے ۱۷ یا ۲۰ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے
بیعت نہیں کی"

اس میں بھی معترض نے سبائی دست کاری دکھائی مورخوں نے تو ان اکابر صحابہ کے اسمائے گرامی لکھ کر "وامثالھم" (اور ان کے جیسے دوسرے) نے لکھا ہے۔ اس طرح ان کی تعداد سیکڑوں تک پہونچتی ہے۔ مگر مودودی صاحب نے "وامثالھم" کا لفظ حذف کر کے بیعت نہ کرنے والے حضرات کی تعداد ۱۷ یا ۲۰ تک محدود کر دی۔ تاہم اتنے حضرات کا بیعت سے انکار کرنا بھی کچھ کم اہم نہیں۔ اس کا اعتراف موصوف بھی اس طرح کرتے ہیں:۔

"وہ بہرحال اُمت کے نہایت باا‌ثر لوگ تھے۔ ان میں سے ہر ایک
ایسا تھا جس پر ہزاروں مسلمانوں کو اعتماد تھا ان کی علیحدگی نے دلوں
میں شک ڈال دیئے" (ص۱۲۳)

ان اعترافات کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ :۔

"اس رو‌ئیداد سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت
علیؓ کی خلافت قطعی طور پر ٹھیک ٹھیک انہی اصولوں کے مطابق
منعقد ہوئی تھی جس پر خلافت راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا" (ص۱۲۲)

اسی طرح یہ کہنا کہ :۔

"لوگوں نے خود آزادانہ مشاورت سے ان کو خلیفہ منتخب
کیا" (ص۱۲۲)

تناقض بیان کا تعجب خیز نمونہ ہے۔ خیال تو فرمایئے کہ جو انتخاب شورش پسندوں کی تلواروں کے سائے میں ہو، جس میں خلیفۃ المسلمین کے قاتل

شریک ہوں، اور نہ صرف شریک ہوں بلکہ موثر حیثیت رکھتے ہوں جس میں بزورِ شمشیر لوگوں کو بیعت پر مجبور کیا جائے لہ، اسے آزادانہ انتخاب کہنا کس قدر تعجب خیز غلط بیانی ہے کیا یہی وہ اسلامی اصول انتخاب تھے جن کے مطابق بقول معترض "خلافت راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا"؟ آخر یہ اصول دستور اسلامی کی کس دفعہ میں بیان کئے گئے ہیں؟ حیرت ہے کہ اس قدر غلط بیانی، اور ایسے ادعائے کاذب کی جرأت کیسے ہوئی؟ اسی طرح انھوں نے یہ غلط دعویٰ بھی کیا ہے :-

"صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلادِ اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا" (ص ۱۲۲)

کوئی پوچھے کہ جناب والا صحابہ کی یہ "اکثریت" اور وہ بھی "عظیم" مدینہ طیبہ میں اس وقت موجود بھی تھی؟ آخر حدیث یا تاریخ کی کس کتاب اور کس روایت سے آپ کو اس موقع پر ان کی موجودگی اور بیعت کا علم ہوا؟ البدایہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کی بہت کم تعداد موجود تھی مہاجرین و انصار اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد جہاد، رباط، تبلیغ و تعلیم دین کے خدمات انجام دینے کے لئے دور دراز ممالک و بلاد

---

لہ مودودی صاحب سے جبر کا انکار کرتے نہ بن پڑا تو ہوشیاری یہ کی کہ جبر کو بعد انتخاب دکھانے کی کوشش کی۔ اور لکھا کہ جب حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ یہ سراسر غلط بیانی ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ان کی بیعت کے بغیر جن پر جبر کیا گیا تھا انتخاب مکمل ہو گیا تھا؟ اور کیا اکثریت کے ووٹ حاصل ہو چکے تھے؟ اگر ایسا تھا تو جبر کی کیا حاجت تھی؟ مزید برآں شورش پسندوں کی تلوار کے سائے میں جو انتخاب ہوا اسے آزادانہ انتخاب نہیں کہہ سکتے

میں پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی ایک بہت بڑی جماعت اُمہات المومنین علیہن الصلوٰۃ والتسلیم کے ہمراہ حج کے لئے گئی ہوئی تھی۔ ان حالات سے تو وہ بھی ناواقف نہ ہوں گے باوجود واقفیت مذکورہ بالا دعوے کی حیثیت مغالطے کے سوا اور کیا رہ جاتی ہے؟

ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ " بعد میں شام کے سوا تمام بلاد اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا" یہ واقعہ واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ اس وقت کے ممالک اسلامیہ میں سے ہر ملک میں حضرت علیؓ کی خلافت سے اختلاف رکھنے والے موجود تھے۔ مثلاً اہل "خربتیا" ہی نے ان کی خلافت تسلیم نہ کی تھی اور ایک استمراری معاہدے STAND STILLAGREEMENT کی پیش کش کی تھی۔ تاآنکہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان معاملات یکسو ہو جائیں مختصر یہ کہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر اتفاق نہیں ہوا۔ ایک لطیفہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ پر طعن بے جا کرتے وقت تو معترض کو صوبہ شام اس قدر وسیع اور عظیم نظر آیا کہ گویا اس وقت کا پورا عالم اسلامی اس میں سما گیا تھا مگر اس مقام پر وہ انھیں اتنا چھوٹا نظر آرہا ہے کہ اس کا اختلاف بالکل بے وزن ہو گیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنی اس عبارت میں جو اس بحث کے شروع میں نقل کی گئی ہے۔ حضرت معاویہؓ کی رائے کو " ایک صوبے کے گورنر کی رائے" کہکر اس کے وزن کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ انھیں معلوم ہوگا کہ حضرت معاویہؓ صرف ایک صوبے کے گورنر نہ تھے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں اور ان کا شمار کبار صحابہؓ میں ہے۔ پھر وہ تنہا بھی نہ تھے بلکہ صغار وکبار صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد ان کے ساتھ تھی۔ جن میں مہاجرین وانصار کی بھی

معتدبہ تعداد تھی[1] ان سب کو شرعاً امر خلافت میں حق رائے دہی حاصل تھا۔ پھر اس کے کیا معنی کہ انہیں شرعاً اختلاف کا حق نہ تھا؟ بزعم خود محقق صاحب بڑے طمطراق کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ انتخاب غلط تھا؟" (ص ۳۳۵)

ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ سوال کس سے ہے؟ موجودہ زمانہ کے اہلسنت سے یا صحابہ رض کرام سے جو خود حق رائے دہی رکھتے تھے؟ پھر سوال منتخب شخصیت کے متعلق ہے یا طریق انتخاب کے متعلق؟

جہاں تک حضرت علی رض کی شخصیت کا تعلق ہے دور صحابہ رض کے بعد کوئی سُنّی ان کے انتخاب کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ ہر سُنّی کے نزدیک آں محترم خلیفہ ہونے کے اہل تھے۔ لیکن ان کے دور کے صحابہ کرام رض کو یقیناً اس کا حق تھا کہ وہ انھیں منصب خلافت کے لئے مناسب نہ سمجھیں۔ اور ان کی خلافت سے اختلاف کریں یا طریق انتخاب۔ تو معمولی حالات میں از روئے آئین اسلام صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس وقت حالات غیر معمولی اور ہنگامی

---

[1] ان اختلاف کو بے وزن بنانے کے لئے مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ "اب اگر حضرت سعد بن عبادہ رض کے بیعت نہ کرنے سے حضرت ابوبکر رض و عمر رض کی خلافت مشتبہ نہیں ہوتی تو ۱۰ یا ۲۰ صحابہ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت علی رض کی خلافت کیسے مشتبہ قرار پا سکتی ہے؟" اول تو ۱۰ یا ۲۰ کا عدد آپ نے معین کر دیا تاریخ تو اس سے زائد بتاتی ہے۔ پھر کیا ایک اور ۱۰ یا ۲۰ کی عددی قیمت ایک ہی ہے؟ اسے بھی چھوڑئیے لیکن ارشاد ہو کہ امیر یزید رحمہ کے بارے میں اپنا یہ قاعدہ آپ کیوں نہیں جاری کرتے؟ ۱۷ یا ۲۰ کا اختلاف کوئی چیز نہیں تو صرف پانچ حضرات کے اختلاف سے آپ کے نزدیک انکی خلافت کیوں مشتبہ ہو گئی؟

تھے۔ اور اس کے سوا کوئی طریق انتخاب اختیار کرنا عملاً غیر ممکن تھا۔ پھر یہ کہ اس کی شدید ضرورت تھی کہ جلد از جلد کوئی سربراہ مملکت مقرر کر لیا جائے۔ اس صورت میں جس طریقہ سے انتخاب ہوا۔ اس میں بعض غلطیوں اور زیادتیوں کا اعتراف کرنے کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ انتخاب ہو گیا اور حضرت علیؓ کی خلافت جائز تھی۔

## حضرت معاویہؓ کا مطالبہ

صفحات گزشتہ میں حضرت معاویہؓ کا موقف مفصل واضح کیا جا چکا ہے۔ حضرت علیؓ کے خلیفہ منتخب ہونے سے انکار نہیں تھا۔ وہ انھیں خلیفہ بھی سمجھتے تھے اور وقت انتخاب کے حالات کے پیش نظر اس انتخاب کو بھی جائز سمجھتے تھے لیکن اس انتخاب کو ہنگامی حالت EMERGENCY کا انتخاب کہتے تھے اسے مستقل انتخاب تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اب جبکہ حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ آئین اسلام کے مطابق صحیح طریقہ سے انتخاب ہو سکتا ہے۔ تو دوبارہ انتخاب ہونا چاہیئے۔ وہ اس پر تیار تھے کہ اگر حضرت علیؓ ہی دوبارہ منتخب ہو گئے تو وہ انھیں کو مستقل خلیفہ تسلیم کریں گے۔

ان کی دلیل یہ تھی کہ اس ہنگامی انتخاب میں صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد بلکہ اکثریت اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کر سکی۔ وہ خود بھی اس حق کے استعمال سے محروم رہے اس لئے ہنگامی حالت گزرنے کے بعد اس انتخاب کو کالعدم قرار دینا چاہیئے۔ اور ان سب لوگوں کو اپنا حق رائے دہی اور استحقاق شوریٰ استعمال کرنے کا موقع ملنا چاہیئے جو اس سے محروم رہے۔ ان کا یہ مطالبہ یقیناً از روئے شریعت بالکل جائز تھا۔ جو صاحب اسے ناجائز کہتے ہوں وہ اپنے دعوےٰ کی دلیل بیان کریں۔ کوئی بتلائے کہ ان کا یہ مطالبہ کس آیت یا حدیث کے خلاف

تھا؟ اور آئین اسلام کی کون سی دفعہ اسے غلط اور ناجائز قرار دیتی ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منصب خلافت قبول کرنے کے لیے اصرار کیا گیا اس وقت انھوں نے مندرجہ ذیل بات کہی تھی جو اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے:۔

فامھلوا حتی یجتمع الناس ویتشاوروا — اتنی مہلت دو کہ لوگ جمع ہو کر مشورہ کر لیں

(طبری ج ۴ ص ۴۳۴ حوادث ۳۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولاً وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق تھے اور مستقل خلافت کے لیے۔ عام اعیان و اکابر کا اجتماعی مشورہ اور آزادانہ انتخاب ضروری سمجھتے تھے۔ مگر جب جنگ جمل کے بعد مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک معتدبہ تعداد نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہو گئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

یہ اختلاف کھلا ہوا اجتہادی اختلاف تھا جو دونوں حضرات کے درمیان آئین کی ایک اہم دفعہ میں پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہ اسی قسم کے ایک دوسرے اجتہادی اختلاف پر مبنی تھا۔ جو درج ذیل ہے:۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ تک انتخاب خلیفہ کا طریقہ یہ رہا کہ مہاجرین و انصار ہی نے انتخاب خلیفہ کیا اور انھیں کے انتخاب کو پوری امت کا انتخاب سمجھا گیا۔ صرف سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں باہر سے آنے جانے والے قافلوں سے بھی استصواب کی روایت ملتی ہے تاہم اصل انتخاب مہاجرین و انصار ہی کا سمجھا گیا۔ بظاہر اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ اس وقت تک مدینہ طیبہ ہی سب سے بڑا اسلامی مرکز اور دنیائے اسلام کا فکری محور تھا اور اکابر مہاجرین و انصار کی اکثریت یا کم از کم کثیر تعداد وہیں جمع تھی۔ مگر آہستہ آہستہ

یہ حضرات تبلیغ و تعلیم دین کے سلسلہ میں مختلف مقامات کی طرف تشریف لے گئے اور دنیائے اسلام کے کئی فکری و اعصابی مرکز بن گئے جن میں سے ایک اہم مرکز، دمشق بھی تھا۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا انتخاب خلیفہ کے لئے وہی سابقہ طرز مناسب ہے؟ یا مدینہ منورہ کے علاوہ دوسرے مرکزوں میں جو حضرات مہاجرین و انصار ہیں ان کی رائے لینا بھی ضروری ہے؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب تک صرف مہاجرین و انصار کو پوری اُمت کا قائد اور نمائندہ سمجھا گیا۔ لیکن ان کے بعد جب کہ مملکت اسلامیہ کا دائرہ، بہت وسیع ہو چکا ہے اور اُمت کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ کیا صرف مہاجرین و انصار تک حق انتخاب کو محدود رکھا جائے یا دوسرے صحابہ کرام کو بھی اس کا حق دار سمجھا جائے؟

ان دستوری مسائل میں حضرت علیؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ حق انتخاب خلیفہ، بدری مہاجرین و انصار کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ جب صفین کے موقع پر بعض قرار عراق نے بیچ میں پڑ کر فریقین کے درمیان مصالحت کی کوشش شروع کی اور حضرت معاویہؓ نے یہ سوال کیا۔ کہ ہم لوگوں کے مشورے کے بغیر ان کا انتخاب کیسے مکمل ہو گیا؟ تو حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا :-

| | |
|---|---|
| انما الناس مع المهاجرين والانصار فهم شهود الناس على ولايتهم وامر دينهم ورضوه بايعوني | سب لوگ (یعنی عام مسلمان) مہاجرین و انصار کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ یہی حضرات ان کی حکومت اور دینی امور کے بارے میں ان کے نمائندے ہیں اور وہ لوگ (مہاجرین و انصار) (میری خلافت پر) راضی ہو گئے اور انھوں نے مجھ سے بیعت کی۔ |

(البدایہ والنہایہ ج ۷
بیان واقعہ صفین ص ۲۵۸)

اس پر حضرت معاویہؓ نے اعتراض کیا کہ بہت سے مہاجرینؓ و انصارؓ یہاں (شام میں) بھی موجود ہیں۔ ان کی شرکت اور ان کے دوٹوں کے بغیر انتخاب کو کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے؟ جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا:-

| | |
|---|---|
| انما هذا للبدريين دون غيرهم | یہ (انتخاب خلیفہ کا حق) صرف ان مہاجرین و انصار کو حاصل ہے، جو غزوہ بدر میں شریک تھے، اور کسی کو نہیں حاصل ہے۔ |
| (البدایہ والنہایہ ج ۷، بیان واقعہ صفین ص ۲۵۸) | |

ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے کا ماخذ سورۂ توبہ پ ۱۱ کی مندرجہ ذیل آیت تھی:-

| | |
|---|---|
| السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه | مہاجرین وانصار میں سابقین اولین اور جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں |

وجہ استدلال و استنباط یہ ہے کہ آیت مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے۔ اور ان کی اتباع کو دوسرے مسلمانوں کے لئے رضاء الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے۔ اس لئے نصب خلیفہ کے معاملے میں بھی وہی متبوع اور مقتدا سمجھے جائیں گے اور بدری ہی حضرات سابقون اولون بھی تھے ان کے اول الذکر قول منقولہ بالا میں ان کی دوسری دلیل یعنی تعامل کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ حضرات خلفاء ثلٰثہ کا انتخاب مہاجرین و انصار ہی نے کیا تھا۔ اس تعامل CONVENTION میں تبدیلی کو وہ صحیح نہ سمجھتے تھے۔ شرعی زاویۂ نظر سے ان کا موقف بالکل صحیح تھا۔ اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

حضرت معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب

کا معیار بھی بدل گیا۔ اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین و انصار تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر سورہ شوریٰ کی یہ آیت تھی :

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ — ان کے (صحابہ کے) کام باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں۔

آیت عام اور سب صحابہ کرامؓ کو شامل ہے۔ اس لئے امر خلافت جو بہت اہم امر ہے۔ سب کے مشورے سے انجام پانا چاہیئے اور مہاجرین و انصار کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہیئے اس سے سب صحابہؓ کے لیے حق رائے دہی ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ بریں شہادت سیدنا عثمانؓ سے معلوم ہو گیا کہ مرکز کا تعلق صوبوں سے اور زیادہ قوی کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کی صورت یہی تھی کہ ہر جگہ کے دینی سربراہوں اور ارباب حل و عقد کو نمائندگی دی جائے تاکہ وہ انتخاب خلیفہ میں حصہ لے کر اپنی ذمہ داری زیادہ محسوس کریں۔ اور مرکز کو ان کی وجہ سے قوت حاصل ہو۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مہاجرین و انصار اور حضرات اصحاب بدر کی ایک معتد بہ تعداد دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ بالآخر حق انتخاب دوسرے صحابہ خصوصاً ان کے نوجوان طبقہ ہی کو ملنے والا تھا۔ مناسب یہ تھا کہ اکابر صحابہؓ کے ساتھ انھیں اس میں حصہ دے کر آئندہ انھیں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار کر دیا جائے۔ گویا ان کا میلان اس مسئلہ میں مزید جمہوریت کی جانب تھا[1]۔ یہ نظیر بھی ان کے سامنے تھی کہ حضرت عمرؓ نے جو کمیٹی نصب خلیفہ

---

[1] لطیفہ یہ ہے کہ مودودی صاحب خود اصولی طور پر حضرت معاویہؓ کی تائید کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴۱۶ پر)

کے لیے مقرر کی تھی اس نے استصواب رائے کو مہاجرین و انصار تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ ہر طبقہ کے صحابہؓ بلکہ تابعین سے بھی استصواب کیا۔ یہاں تک کہ آنے جانے والے قافلوں کی رائے بھی معلوم کی۔ حضرت معاویہؓ کی رائے بھی ادلۂ شرعیہ پر مبنی اور صحیح تھی۔ شرعی نقطۂ نظر سے اس پر بھی کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

اس تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہما کا زیر بحث اختلاف اجتہادی اختلاف تھا۔ دونوں کی رائے اور دونوں کا عمل ادلۂ شرعیہ پر مبنی اور اپنی اپنی جگہ شرعاً بالکل جائز

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱۵ :۔ اپنی زیر نظر کتاب ہی میں وہ لکھتے ہیں :۔

"وہ جمہوریت کے اس اصول میں ڈیموکریسی سے متفق ہے کہ

حکومت کا بننا بدلنا اور چلایا جانا بالکل عوام کی رائے سے ہونا چاہیے"

(ص ۵۵ زیر عنوان اسلامی ریاست کے خصوصیات)

حضرت معاویہؓ کا نظریہ توسیع حلقۂ انتخاب تو اس اصول کے مطابق تھا۔ اس اصول کا قائل ان پر کیسے معترض ہو سکتا ہے؟ پھر جب ایوب خان مرحوم نے سکندر مرزا ایجہانی کو معزول کر کے منصب صدارت سنبھالا اور انھیں معتد بہ ارباب حل و عقد کی تائید و توثیق بھی حاصل ہو گئی تو مودودی صاحب نے ان کے انتخاب کو صحیح نہیں تسلیم کیا اور دوبارہ انتخاب کا مطالبہ کیا اپنے اس قول و عمل کو فراموش کر کے وہ حضرت معاویہؓ کے مطالبہ پر برہم ہیں۔ اس تناقض کا سبب بغض معاویہؓ کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ مزید یہ کہ انھوں نے الیکشن کے وقت ایک شیعہ عورت مس فاطمہ جناح آنجہانی کی پرزور تائید کی۔ اس سے پاکستان کو شیعہ سلطنت بنانا مقصود تھا جو موصوف کی مخفی شیعیت کی نمایاں علامت ہے منہ۔

اور درست تھا۔ ان دونوں حضرات سے کسی کے طرز عمل کو خلاف شریعت کہنا بالکل غلط اور بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے جس کی جسارت کوئی رافضی یا خارجی ہی کر سکتا ہے۔

## خطابت بجائے استدلال

مودودی صاحب استدلال کے بجائے خطابت سے کام لینے میں کوئی تکلف نہیں فرماتے اس کی متعدد مثالیں صفحات سابقہ میں پیش کی جا چکی ہیں۔ زیر بحث موضوع میں بھی جب ناقدوں نے ان کے بیانات و دعاوی کی دھجیاں اڑادیں تو ضمیمہ میں انھوں نے اپنے استدلال کی کمزوریوں کو خطابت کے غلاف میں پوشیدہ کرنے کی کوشش فرمائی، فرماتے ہیں:-

"کیا اس وقت حضرت علیؓ سے بہتر کوئی آدمی پتی میں نہیں پوری دنیائے اسلام میں ایسا موجود تھا جسے خلیفہ منتخب ہونا چاہئے تھا؟ (ص ۳۴۳)

گزارش ہے کہ ۱۴ سو برس بعد آپ کو یہ حق رائے دہی، دستور اسلامی کی کس دفعہ کے بموجب حاصل ہو گیا؟ انتخاب خلیفہ کا حق تو اسی زمانہ والوں کو حاصل تھا جنہیں اپنے لئے سربراہ مملکت منتخب کرنا تھا لطیفہ یہ ہے کہ موصوف اپنے اسی قول کے متعلق حاشیہ پر لکھتے ہیں:-

"ایک صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ صحابہ میں سب سے افضل نہ تھے۔ اور ان کی یہ حیثیت نہ تھی کہ خلافت کے لئے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتیں۔ مگر اس کا صحیح فیصلہ کرنے والے آج کے کوئی صاحب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ خود اس عہد کے لوگ ہی اس

کے بہترین جج ہو سکتے ہیں" (ص ۳۲)

تماشا قابل دید ہے کہ خود ہی بڑے زور شور سے دعوی کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں کوئی شخص خلافت کے لئے حضرت علیؓ سے موزوں تر نہ تھا پھر جب دوسرا اس کے خلاف کہتا ہے تو کہتے ہیں کہ تمہیں اس معاملے میں زبان کشائی کا حق نہیں یہ حق تو صرف اس زمانہ کے لوگوں کو حاصل تھا گویا وہ خود اسی زمانہ کے لوگوں میں شامل ہیں یہ تناقض بیان معلوم نہیں تحقیق کی کونسی قسم ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ کو اس زمانہ میں افضل ترین اور خلافت کے لئے موزوں ترین ثابت کرنے کے لئے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے استصواب کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ہر شخص نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کو منصب خلافت کے لئے نامزد کیا۔ اس دلیل کا ضعف ظاہر ہے۔ خلافت کے لئے موزوں ترین سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضرات حضرت علیؓ کو سب سے افضل بھی سمجھتے تھے۔ خلیفہ کے لئے اپنے زمانہ میں سب سے افضل ہونا شرعاً و عقلاً کسی حیثیت سے بھی ضروری نہیں۔ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی مفضول کو اس منصب یا اور کسی سیاسی یا انتظامی منصب کے لئے افضل پر ترجیح دیتا ہے کلی فضیلت نام ہے۔ عنداللہ مرتبہ کی بلندی کا۔ عین ممکن ہے کہ افضل عنداللہ ہونے کے باوجود کوئی شخص سیاست یا انتظام مملکت کی قابلیت نہ رکھتا ہو۔ اور صرف ممکن نہیں بلکہ بکثرت ایسا ہوتا ہے۔ کسی کو منصب خلافت کے لئے سب سے زیادہ مناسب کہنا اسے سب سے افضل کہنے کے مرادف نہیں۔ خود حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لئے صرف انھیں دونوں حضرات کے نام نہیں تجویز فرماتے تھے بلکہ اور حضرات کے نام بھی بتائے

تھے۔ ان سب باتوں کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھئے زمانہ اور حالات بدلنے سے رائے بھی تبدیل ہوسکتی ہے۔ اگر اس وقت جمہور مسلمین حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کو خلافت کے لئے سب سے موزوں سمجھتے تھے تو یہ ضروری نہیں کہ کئی سال گذرنے اور حالات میں تغیر آنے کے بعد بھی ان کی وہی رائے باقی رہی ہو۔

اس کے بعد ملاحظہ فرمایئے کہ حضرات خلفاء اربعہ کے متعلق صحابہ کرامؓ کی عام رائے کیا تھی بخاری شریف جلد اول میں بسلسلہ مناقب حضرت عثمانؓ مندرجہ ذیل روایت مذکور ہے:۔

| | |
|---|---|
| عن ابن عمرؓ قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تعدل بابی بکرؓ احدا ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینھم۔ | حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے (یعنی انھیں سب سے افضل جانتے تھے) ان کے بعد حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو (ان کے بعد) اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کو کسی سے افضل نہ سمجھتے تھے۔ |

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کے افضل امت ہونے کا عقیدہ جمہور صحابہ کا عقیدہ نہ تھا۔ ممکن ہے کہ بعض صحابہ اس کے قائل ہوں۔ مگر عام طور پر صحابہ اس کے قائل نہ تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دور صحابہؓ کے بہت عرصہ بعد یہ خیال پھیلا ہے۔ یہ دعوٰی کہ بربنائے افضلیت و منصب خلافت کے لئے نگاہیں انھیں کی طرف اٹھتیں اس وقت کسی درجہ میں صحیح کہا جاسکتا تھا جب یہ خیال اس زمانہ میں عام ہوتا۔ اس کا بار ثبوت مدعی پر

ہے۔ ثبوت مفقود بلکہ اس کے خلاف ثبوت موجود۔ اس لئے دعوے مذکور کا بطلان اظہر من الشمس ہوگیا۔

تعجب ہے کہ جناب معترض نے یہ بھی نہ دیکھا کہ انتخاب کے وقت لوگ پہلے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کے پاس قبول منصب خلافت کی درخواست لے کر گئے تھے۔ جب ان دونوں حضرات نے شدت کے ساتھ انکار کر دیا تو حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ اگر معترض کا دعویٰ صحیح ہوتا تو لوگ ان دونوں حضرات کے پاس کیوں جاتے؟

پھر مجلس عزا والے خطیبانہ انداز سے فرماتے ہیں:

"کیا اس وقت کے رائج اور مسلم اسلامی دستور کی رو سے حضرت علیؓ جائز طور پر خلیفہ منتخب نہ ہوگئے تھے؟"

اس کا تفصیلی جواب صفحات گزشتہ میں گزر چکا۔ یہاں بطور یاددہانی مجملاً عرض ہے کہ اس طریق انتخاب کو "رائج طریقہ" کہنا تو بالکل غلط بلکہ آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مرادف ہے۔ البتہ اس وقت کی ہنگامی حالت اور غیر معمولی کیفیت کے پیش نظر اس رو سے اسلامی دستور یہ انتخاب جائز تھا۔ اور حضرت علیؓ جائز خلیفہ تھے۔ مگر یہ انتخاب ہنگامی ہونے کی وجہ سے عارضی تھا۔ حالات معمول پر آنے اور صحیح طریق انتخاب اختیار کرنے کی استطاعت ہونے کے بعد خلافت کے استحکام کی ضرورت تھی۔ خلافت کا استحکام و استقلال کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ مسئلہ مجتہد فیہ تھا۔ جس میں شرعاً اختلاف بالکل جائز تھا۔ اور اجتہاد میں غلطی کا احتمال دونوں طرف تھا۔

اس خطیبانہ مغالطہ دہی سے مودودی صاحب کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی افضلیت اور مقبولیت کے پیش نظر حضرت معاویہؓ کا اختلاف بے جا تھا

کیونکہ وہی اس منصب کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور سب سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ اپنے اس خطیبانہ اور "مجلسی" استدلال پر انھیں اتنا اعتماد ہے کہ ان کی رائے میں "اگر اس وقت آج کے رائج طریقوں کے مطابق کوئی انتخاب کرایا جاتا، تو حضرت علیؓ ہی خلیفہ منتخب ہوتے۔"[1] سطور گزشتہ میں ہم اس مغالطہ کی پردہ دری کر چکے ہیں۔ ہمارے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ :-

اولاً :- حضرت علیؓ کو بعد حضرات خلفاء ثلثہؓ افضل اُمت سمجھنا بعد کی بات ہے۔ دورِ صحابہ میں یہ خیال عام نہ تھا۔ جمہور صحابہؓ حضرت عثمانؓ تک تو ترتیب فضیلت حسب خلافت سمجھتے تھے۔ ان کے بعد کسی کو افضل اُمت نہیں سمجھتے تھے۔

ثانیاً: اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احق بالخلافۃ بھی سمجھا جائے۔ بعض اوقات حکمرانی کے لئے مفضول کو افضل سے زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا شہادت فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے بعد اُمت میں سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کئی سال بعد بھی جبکہ حالات میں بہت دور رس تبدیلیاں ہو چکی

---

[1] اپنے ورید و ولوسیدہ بیان میں انھوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ایک قول کا پیوند لگانے کی کوشش کی ہے حاشیہ پر لکھتے ہیں امام احمد حنبل کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی خلافت کے لئے احق نہ تھا۔ ص ۱۲۱ جناب والا! امام ممدوح تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ ان کا قول اس دور کے آدار کا ترجمان کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ اور اس کا کوئی اثر اس دور کی اُمت پر کیسے پڑ سکتا ہے؟ آپ خود کہہ چکے ہیں کہ رائے تو اس زمانہ کے حضرات یعنی صحابہ و تابعین کی معتبر ہے اور فاتیم ہو چکا ہے کہ اس وقت یہ رائے نہ تھی۔

تھیں وہ ویسے ہی مقبول ہوں اور عوام وخواص انھیں اسی طرح سب سے
زیادہ مستحق خلافت سمجھتے ہوں۔

ان جوابات پر یہاں اتنا اضافہ اور کیجیے کہ اگر واقعہ یہی تھا کہ آزادانہ
انتخاب میں ان کی کامیابی یقینی تھی تو کیا حرج تھا اگر انتخاب دوبارہ ہوجاتا؟

اگر دوبارہ انتخاب ہوجاتا۔ اور آزادانہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو
باہمی اختلاف بھی ختم ہوجاتا ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہوجاتی اور مسلمانوں کی
اتنی خون ریزی نہ ہوتی پھر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کی تجویز کیوں نہ
منظور فرمائی؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت
علیؓ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔

اس بحث میں آخری اور بہت اہم بات یہ عرض کرنا ہے کہ مودودی صاحب
نے اپنے مذکورہ بالا خطیبانہ اور "مجلسی" بیان میں قاری پر یہ اثر ڈالنے کی
کوشش کی ہے کہ حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے ذاتی اختلاف تھا اور وہ
انھیں منصب خلافت پر فائز دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ گویا اگر ان کی جگہ کوئی دوسرا
شخص (مثلاً حضرت طلحہؓ کوئی اموی) خلیفہ ہوتا تو انھیں اس سے کوئی اختلاف
نہ ہوتا۔ موصوف اس کوشش میں تنہا نہیں ہیں بلکہ جملہ شیعہ مورخین یہی کرتے
رہے ہیں اور ان کے فریب میں مبتلا ہوکر بعض سنی مورخین نے بھی یہی روش
اختیار کی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ بالکل غلط، اور حضرت معاویہؓ پر بہتان وافترا
ہے اور واقعہ یہ ہے کہ آں محترم کو حضرت علیؓ کی ذات سے کوئی اختلاف نہ تھا
ان کا اختلاف اصولی تھا۔ اگر حضرت علیؓ کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا اور
واقعات یہی ہوتے تو انھیں اس سے بھی یہی اختلاف ہوتا۔ صفین کے موقع

پر گفتگو ئے مصالحت کے دوران حضرت علیؓ سے ان کا اصولی مطالبہ متعلق خلافت طبری ج ۵ بسلسلہ حوادث ۳۶ھ میں اس طرح مذکور ہے:۔

| | |
|---|---|
| "ثم اعتزل امر الناس فیکون امرھم شوریٰ بینھم یولی الناس امرھم من اجمع علیھم والیھم" | "پھر آپ لوگوں کے "امر" (یعنی امر خلافت) سے الگ ہو جائے اور سب آدمی اس امر میں مشورہ کریں۔ پھر جس شخص کے بارے میں سب متفق الرائے ہو جائیں۔ وہی ان سب کا سربراہ (خلیفہ) بنایا جائے۔" |

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھیں حضرت علیؓ کی ذات سے کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ وہ صرف آزادانہ انتخاب چاہتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد تو وہ اتحاد بین المسلمین کے پیش نظر اس مطالبہ سے بھی دستبردار ہو گئے تھے اور حضرت علیؓ سے بیعت کے لئے بھی تیار تھے۔ صرف سبائیوں کی سرکوبی کی شرط انھوں نے لگائی تھی البدایہ والنہایہ ج ۷ بیان واقعہ صفین صفحہ ۲۶۰ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما نے امت وملت کے درد اور ان کی خیر خواہی کے جذبے سے بے چین ہو کر فریقین میں مصالحت کی کوشش فرمائی اور اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی تو ممدوح نے صاف صاف فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| فاذھبا الیہ فقولا لہٗ فلیقدنا من قتلۃ عثمان ثم انا اول من بایعہٗ من اھل الشام | "آپ دونوں حضرات ان کے (حضرت علیؓ) کے پاس جایئے اور ان سے کہئے کہ وہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لے لیں اس کے بعد اہل شام میں، میں سب سے پہلے ان سے بیعت کر دوں گا۔ |

اس سے تو آفتاب نصف النہار کی طرح یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ انھیں حضرت علیؓ کی ذات سے کوئی پرخاش اور مخالفت نہ تھی۔ ان کا اختلاف آئینی اور اصولی تھا جس کا تعلق مسئلہ شرعی اور آئین اسلام سے تھا نہ کہ خلیفہ کی ذات اور شخصیت سے۔ اس اختلاف کی تفصیل آپ صفحات گزشتہ میں پڑھ چکے ہیں۔ شیعوں کے مکائد میں سے ایک کید یہ بھی ہے کہ انھوں نے ان اصولی اختلافات کو ذاتی اختلافات کے رنگ میں پیش کر کے حقائق چھپانے اور صحابہ کرامؓ کی وقعت گھٹانے کی کوشش کی ہے۔

## مذہب اہلسنت کے سائے میں پناہ جوئی

جب اعتراضات کے تیروں نے مودودی صاحب کے بیان کو چھلنی کر دیا اور حرارت وحدت استدلال نے ان کی خطابت کی قلعی اتار دی۔ تو مجبور ہو کر انھوں نے مسلک اہلسنت کے سائے میں پناہ لی۔ تحریر فرماتے ہیں:-

> "لیکن پہلی صدی سے لے کر آج تک تمام اہلسنت بالاتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کرتے رہے ہیں اور ہمارے ملک میں ہر جمعہ کو بالالتزام ان کی خلافت کا اعلان کر رہے" (ص ۳۳۷)

جواب میں گذارش ہے کہ آپ نے بالکل صحیح کہا۔ بیشک ہم سب اہلسنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق جانتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ہم عصر صحابہ کرامؓ بھی حق رائے دہی سے محروم تھے۔ اور انھیں ان کی خلافت سے کسی اختلاف کا حق نہ تھا۔ علیٰ ہذا اس سے یہ بھی لازم نہیں

آتا کہ ان کے دور میں بھی ان کی خلافت سے اختلاف کرنا شرعاً داخل معصیت اور ناجائز تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ کی اس دلیل سے آپ کا مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ ہماری حیثیت اور صحابہ کرام کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنا ان کے لئے عقیدے کی حیثیت نہ رکھتا تھا جبکہ ہمارے لئے اس کی حیثیت عقیدے کی ہے وہ انہیں معزول کرنے یا ان کی خلافت سے اختلاف کرنے کا حق بھی رکھتے تھے جبکہ ہمیں یہ حق حاصل نہیں۔ علاوہ بریں آپ کو مسلک اہلسنت سے کیا واسطہ؟ آپ نے تو بطور خود تحقیق فرمائی ہے اور مسلک اہلسنت کے بالکل خلاف آپ حضرت معاویہؓ اور ان کے مویدین کو مرتکب معصیت سمجھتے ہیں۔ جبکہ اہلسنت ان پر معصیت کا الزام لگانا گناہ اور معصیت سمجھتے ہیں۔

## اصحاب صفین پر

### بغاوت کا غلط الزام

مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو "باغی" ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر ان کی سعی رائیگاں ہو گئی۔ وہ اپنے دعوے پر تار عنکبوت کی ایسی بھی کوئی دلیل نہ پیش کر سکے۔ انھوں نے علامہ جصاص اور علامہ مُلا علی قاری کے اقوال کا سہارا لیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ ان حضرات نے حضرت معاویہؓ کو باغی کہا ہے۔ صاحب ہدایہ کے ایک قول سے بھی انھیں نے استدلال کیا ہے۔ لیکن ان تائیدات سے انھیں کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ کسی پر کوئی حکم دلیل شرعی کی بناء پر لگایا جا سکتا ہے نہ کہ علماء کے اقوال کی بنیاد پر، خصوصاً ایسا حکم جو جنس عقائد میں داخل ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ

کسی شخص پر دعویٰ کریں کہ اس نے آپ سے اتنی رقم بطور قرض لی ہے جو واپس نہیں کرتا۔ اور وہ اس کا منکر ہو۔ پھر آپ کوئی شہادت تو پیش نہ کریں مگر چند اکابر علماء کی رائے پیش کردیں کہ وہ مجھے قابل اعتماد سمجھتے ہیں اس لئے ان کی رائے یہ ہے کہ میرا دعویٰ سچا ہے۔ تو کیا دنیا کی کوئی عدالت محض ان کی رائے کی بناء پر آپ کے حق میں فیصلہ کردے گی؟

تین چار اکابر علماء کے جو رائیں انھوں نے نقل کی ہیں وہ ان حضرات کے ذاتی خیالات ہیں مسلک اہل سنت نہیں ہے ظاہر ہے کہ ان کی ذاتی رائے اس وقت تک کوئی وزن نہیں رکھتی جب تک صحیح دلیل پر مبنی نہ ہو۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات کے اقوال دلیل وحجت سے بالکل تہیدست ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ حدیث "تقتلک الفئۃ الباغیۃ" سے اس دعویٰ پر استدلال باطل اور غلط ہے۔ علی ہذا حضرت علیؓ کی خلافت کا صحیح ہونا بھی اس مدعا کو مستلزم نہیں۔ ان حضرات کا قول بے دلیل بلکہ خلاف دلیل و برہان ہے اس لئے بالکل باطل اور غلط ہے گزشتہ صفحات میں یہ مضمون تفصیل کے ساتھ بیان ہوچکا ہے۔ اس کے اعادے کی حاجت نہیں۔ اس سلسلہ میں منہاج السنۃ سے یہ بھی منقول ہوچکا ہے کہ جن لوگوں نے اصحاب جمل یا اصحاب صفین کو باغی کہا ہے۔ ان کا قول غلط اور ائمہ مجتہدین نیز مسلک اہل سنت کے خلاف ہے دیکھئے ص۲۹۵ اس سے ظاہر ہے کہ جن علماء کے اقوال اپنی تائید میں معترض نے پیش کئے ہیں وہ ان کے ذاتی خیالات ہیں جو مسلک ائمہ مجتہدین یعنی مسلک اہلسنت والجماعۃ اور سنت کے خلاف ہیں اس لئے لائق اعتنا اور قابل قبول نہیں۔ بلکہ انھیں رد کردینا واجب ہے۔ انھیں اپنے قول باطل کی تائید میں پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہوا کسی تنکے کا سہارا لینے کی

ناکام کوشش کرتا ہے۔ دلیل سے تہی دستی کے وقت اس قسم کے بیکار سہارے تلاش کرنا تو ایک طبعی کمزوری کہی جا سکتی ہے۔ مگر اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے یہ لکھ کر کہ :-

"خصوصیت کے ساتھ علماء حنفیہ نے تو بالاتفاق یہ کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔"

دیدہ دلیری کی حد کر دی۔ ائمہ و اکابر فقہاء و محدثین احناف وغیرہ احناف کے نزدیک ان مشاجرات میں حضرت علیؓ کی پوزیشن کیا تھی؟ اس کا بیان تو انشاء اللہ چند صفحات بعد مسلک اہلسنت کے بیان میں آئے گا۔ یہاں ہمیں منقولہ عبارت کے جزو آخر سے بحث ہے۔

اصحاب جمل و صفین کو باتفاق علماء حنفیہ باغی کہنا اتنا بڑا جھوٹ اور افترا ہے کہ جسے بولنے کے لئے جرأت کی بہت بڑی مقدار درکار ہے۔ ابھی چند سطریں پہلے ہم منہاج السنۃ کے حوالے کی یاد دہانی کر چکے ہیں۔ جس سے ائمہ احناف کا مسلک معلوم ہو جاتا ہے۔ معلوم نہیں معترض نے یہ "اتفاق" کس ذریعہ سے معلوم کیا؟ لطیفہ یہ ہے کہ اپنی غلط بیانی کی تردید انھوں نے خود ہی کر دی چنانچہ شرح فقہ اکبر سے علامہ ملا علی قاریؒ کی طویل عبارت انھوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۳۹ تا صفحہ ۳۴۱ نقل کی ہے[1] اس میں یہ بھی ہے :-

"اہل سنت والجماعت میں اس امر پر اختلاف ہے کہ انھیں

---

[1] علامہ مُلا علی قاریؒ سے جو کچھ اس مقام پر مودودی صاحب نے نقل کیا ہے اس کی غلطیاں ہمارے گزشتہ بیانات سے خوب واضح ہو جاتی ہیں۔ یہاں جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

باغی کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟" (ص۳۴)

ان اہلِ سنت میں حنفی، شافعی وغیرہ کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے یہی نہیں بلکہ امام ابن ہمامؒ جن کے قول کو معترض نے بطور سند پیش کیا ہے دوسری جگہ خود اس کے خلاف کہتے ہیں۔ درحقیقت فتح القدیر میں انھوں نے صاحب ہدایہ کے قول کی شرح کر دی ہے۔ اپنا مسلک نہیں لکھا۔ اپنا مسلک اپنی مشہور کتاب "مسایرہ" میں ظاہر فرمایا ہے۔ کتاب مذکورہ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۴۷ھ صفحہ ۱۵۸ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"وما جری بین معاویۃ وعلی رضی اللہ عنہما) کان مبنیا علی الاجتہاد ولا منازعۃ من معاویۃ فی الامامۃ)"

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھی (جب خلافت کے بارے میں نزاع نہ تھی تو بغاوت کے کیا معنی؟)

## بے بنیاد بات

درحقیقت اصحاب صفین کو باغی کہنا ایسا غلط اور لغو دعویٰ ہے جس کی کوئی بنیاد ہی موجود نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ بغاوت کی حقیقت کیا ہے؟ معمولی فہم کا آدمی بھی جانتا ہے کہ رعیت کی طرف سے تشدد کے ذریعہ مملکت کا تختہ الٹنے کی کوشش یا سابق مملکت کے متوازی دوسری مملکت قائم کرنے اور مملکت سابقہ کے اقتدار سے خود کو آزاد قرار دینے کا نام بغاوت ہے۔ سربراہ مملکت سے کسی معاملے میں اختلاف رائے یا کسی جزئی معاملے میں اس کی اطاعت سے انکار۔ یا آئینی ذرائع سے حکومت کو تبدیل کرنے کا مطالبہ یا اس کی کوشش کا نام بغاوت نہیں ہے۔ صرف آئین اسلام ہی نہیں، دنیا کے کسی آئین میں بھی ان امور کو

بغاوت میں نہیں شمار کیا جاتا۔

واضح بات ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کوئی متوازی حکومت نہیں قائم کی۔ کسی ملک پر قبضہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں فرمائی۔ کوئی حملہ نہیں کیا۔ خلافت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش نہیں کی۔ ان سب امور کے فقدان کے باوجود انھیں باغی کہنا صریح ظلم ہے۔ جن علماء نے انھیں باغی کہا ہے وہ مسئلہ کی نوعیت سمجھنے سے قاصر رہے۔

اصحاب صفین کی دو حیثیتیں ہیں تحکیم سے پہلے ان کی جو حیثیت و نوعیت ہے وہ تحکیم کے بعد یکسر تبدیل ہو جاتی ہے۔ قبل تحکیم حضرت معاویہؓ کی حیثیت ایک صوبہ کے گورنر کی تھی۔ اس وقت انھوں نے نہ تو کوئی متوازی خلافت و حکومت قائم کی اور نہ حضرت علیؓ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے یا انھیں معزول کرنے کی کوئی کوشش البتہ استقلال خلافت کے لئے دوبارہ انتخاب سبائی پارٹی کی سرکوبی اور ایوان خلافت سے اس کے اثر کو زائل کرنے کا مطالبہ کیا یہ بحث گزر چکی اور واضح کیا جا چکا ہے کہ شرعاً وعقلاً اس کا انھیں حق تھا ظاہر ہے کہ اس معاملے کا نام بغاوت نہیں۔ یہ مطالبات آئینی تھے اور آئینی ہی ذرائع سے وہ انھیں عملی شکل دینا چاہتے تھے انھوں نے اس مدت میں کوئی جنگ نہیں چھیڑی اور خلافت کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ البتہ جب ان پر حملہ کیا گیا تو انھوں نے دفاع کیا اس پر بھی بحث گذر چکی۔ جس سے یہ بات روشن ہو گئی کہ اس دفاع کا انھیں شرعاً وعقلاً ہر طرح حق حاصل تھا اور اس دفاع کو بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفیق دوسرے صحابہؓ کا طرز عمل استدلال کے لئے کافی ہے۔ ان حضرات نے خوارج کو اس وقت تک تک باغی نہیں قرار دیا جب تک انھوں نے متوازی حکومت نہ بنالی اور تشدد

جارحیت سے کام لے کر خلافت کا تختہ الٹنے کا ارادہ نہ کرلیا۔ علیٰ ہذا حضرت عثمان رضؓ ذی النورین کے قاتل مدینہ میں پھرتے رہے اولاً آں محترم سے مسندِ خلافت چھوڑنے کا مطالبہ تہدید کے ساتھ کرتے رہے مگر کسی نے انھیں اس وقت باغی نہ قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ تو جدال و قتال کا تہیہ کرکے اور اس کے لئے تیار ہو کر آئے تھے اگر اہل مدینہ انتہائی صبر سے کام نہ لیتے تو وہ یقیناً حملہ کر دیتے۔ باوجود اس کے انھیں باغی نہیں کہا گیا۔

ان واقعات کی موجودگی میں اصحاب صفین کو باغی کہنا، غلط اور صریح زیادتی ہے۔ تحکیم کے بعد انھیں باغی کہنا ایک بے معنی و بے مغز بات ہے بیان کیا جا چکا ہے کہ اجتماع اذرح میں اکابر صحابہ نے جو اس وقت ارباب حل و عقد تھے خلافت تقسیم فرمادی تھی اور حضرت معاویہ رضؓ کو ان ممالک کا خلیفہ بنا دیا تھا جو اس وقت ان کے قبضے میں تھے اس کے بعد بغاوت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا فیصلہ تحکیم کی بحث گزشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ غیر جانبدار صحابہ رضؓ، حضرت معاویہ رضؓ کو باغی نہیں سمجھتے تھے اگر وہ انھیں باغی سمجھتے تو یقیناً حضرت علی رضؓ کا ساتھ دیتے۔ مگر اس واقعہ کا انکار نہیں ہو سکتا کہ اکابر صحابہ رضؓ اور ان کے متبعین کی کثیر تعداد، بلکہ کہنا چاہئے کہ صحابہ کرام رضؓ کی ایک معتدبہ تعداد آخر تک ان محاربات کو "فتنہ" کے نام سے موسوم کرتی رہی اور اس سے بالکل علیحدہ رہی۔ یہ حضرات واقعات کے مشاہد تھے ان کا تفقہ اور تدین شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس لئے ہمارا فیصلہ بھی وہی ہونا چاہئے جو ان حضرات کا تھا۔ یعنی حضرت معاویہ رضؓ و دیگر اصحاب صفین پر بغاوت کا الزام ثابت نہیں۔ فریقین میں اجتہادی اختلاف تھا۔ جسے بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کے بیان کو دوسرے کے

خلاف حجت نہ تسلیم کیا جائے اگر حضرت علیؓ انھیں باغی سمجھتے تھے تو یہ انکا اجتہاد تھا۔ مگر محض ان کے قول سے کسی غیر جانبدار شخص کے نزدیک حضرت معاویہؓ پر یہ الزام نہیں ثابت ہو سکتا۔

یہ تو اصولی بات ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت علیؓ کے رفقاء بھی اس بارے میں مطمئن نہ تھے۔ حضرت سہلؓ بن حنیفؓ کا قول صفحات گزشتہ میں مذکور ہو چکا (دیکھئے ص ۲۸ بحوالہ بخاری) وہ حضرت علیؓ کی طرف سے جنگ صفین میں شریک تھے۔ مگر حضرت معاویہؓ کے باغی ہونے کا انھیں یقین نہ تھا اور تو اور خود حضرت علیؓ کو بھی اس بارے میں شرح صدر اور اطمینان نہ تھا۔ حدیث کی مشہور کتاب مستدرک حاکم جلد ثالث کتاب معرفۃ الصحابہ فضائل حضرت عثمانؓ کے ذیل میں صفحہ ۱۰۷ پر مذکور ہے کہ جب حضرت علیؓ نے صفین کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو قبیلہ نخع کے لوگوں کو مالک اشتر نخعی کے ذریعہ جمع کر کے فرمایا:

| | |
|---|---|
| فقال ان ھذہ الامۃ عمدت | (حضرت علیؓ نے) فرمایا کہ اس امت نے اپنے |
| الی خیر اھلھا فقتلوہ یعنی | بہترین آدمی یعنی حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا |
| عثمانؓ، وانا قاتلنا اھل البصرۃ | اور ہم نے اہل بصرہ سے قتال کی تو یہ تاویل کی |
| بیعۃ تاولنا عنہ وانکم | تھی کہ وہ ہماری بیعت کر چکے ہیں لیکن تم |
| تسیرون الی قوم لیس لنا علیھم | ایسی قوم (مراد اہل شام) کی طرف جا رہے ہو |
| بیعۃ فلینظر کل امرئ | (جنہوں نے ہم سے بیعت نہیں کی ہے اس |
| این یضع سیفہ | لئے ہماری بیعت کی کوئی پابندی ان پر |
| | نہیں ہے ۔ اس لئے ہر شخص کو سوچ لینا |
| | چاہیئے کہ وہ اپنی تلوار کہاں چلائے گا |

علامہ ذہبی نے حاشیہ پر یہ لکھ کر یہ روایت مسلم کے شرائط پر پوری اترتی

ہے۔ اس کی توثیق کردی اس کے سامنے تاریخی روایات کی کوئی حقیقت نہیں
باقی رہتی۔ اس روایت سے عیاں ہے حضرت علیؓ بھی حضرت معاویہؓ کو باغی نہیں
سمجھتے تھے[1] رہا یہ سوال کہ پھر انھوں نے شام پر لشکر کشی کیوں فرمائی؟ تو اس
کا جواب ہماری اس بحث سے واضح ہوجاتا ہے جو جنگ صفین پر ہم کرچکے ہیں
اس کا ماحصل یہ ہے کہ سبائیوں کی مفسدانہ تدبیروں اور فریب کاریوں نیز

---

[1] بعض حضرات کو جن میں علامہ ملا علی قاریؒ بھی ہیں اصحاب صفین کے متعلق حضرت علیؓ کے
قول "اخواننا بغوا علینا" (وہ ہمارے بھائی جنھوں نے ہم سے بغاوت کی) سے اہل صفین کے
باغی ہونے کا شبہ ہوا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں اولاً اس لئے کہ حضرت علیؓ تو خود فریق تھے انھیں
جو خبریں سبائیوں نے پہونچائی تھیں ان کی بنا پر وہ اگر انھیں باغی سمجھتے تھے تو اس سے یہ
لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی وہ باغی ہوں۔ علاوہ بریں ایک فریق کی رائے کو دوسرے فریق
کے خلاف دلیل بنانا خلاف انصاف اور اصول تحقیق کے منافی ہے۔

ثانیاً، اس قول میں "بغاوت شرعی نہیں ہے بلکہ لغوی مراد ہے یعنی زیادتی کرنا۔
اس کا پہلا قرینہ تو وہی مستدرک کی روایت مذکورہ ہے۔ دوسرا اس سے بھی واضح تر قرینہ
حضرت علیؓ سے امام اسحٰق بن راھویہ کی مندرجہ ذیل روایت ہے جو منہاج السنۃ میں سند کے
ساتھ امام ابن تیمیہؒ نے نقل فرمائی ہے۔ وھی ھذا :-

| | |
|---|---|
| انھم قوم زعموا انا بغینا علیھم وزعمنا انھم بغوا علینا۔ | حضرت علیؓ نے فرمایا کہ) یہ گروہ (اہل صفین) گمان کرتے ہیں کہ ہم نے ان پر زیادتی کی ہے اور ہم گمان کرتے ہیں کہ انھوں نے ہم پر زیادتی کی ہے |

ظاہر ہے کہ یہاں "بغاوت" کے اصطلاحی معنی نہیں مراد ہو سکتے۔ کیونکہ حضرت علیؓ
کی بغاوت کے کیا معنی؟ جو معنی یہاں مراد ہیں وہی پہلے قول میں بھی مراد لئے جائیں گے۔

سیاسی وانتظامی مصلحت کی رعایت نے انھیں اس اقدام پر مجبور کر دیا۔ شرعی اعتبار سے ان کا اقدام جائز تھا اور وہ اس میں وہ معذور تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہؓ کی طرف سے دفاع بھی شرعاً جائز تھا اور وہ بھی اس میں معذور تھے۔

## بیعت سے انکار کا مطلب

اللہ تعالیٰ شانہٗ ان قلیل التعداد علماء اہلسنت کو معاف فرمائیں جو غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت معاویہؓ اور ان کے مؤید دوسرے صحابہ کرامؓ کو باغی کہنے کی بے ادبی و گستاخی میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی اس لغزش کا ایک سبب تو یہ ہوا کہ انھوں نے طبری وغیرہ شیعہ مورخین پر اعتماد کیا اور ان کے دام فریب میں پھنس گئے۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ حضرت معاویہؓ نے جو بیعت کرنے سے انکار فرمایا اس سے ان کا مقصود مطلب کیا تھا؟ انھوں نے سمجھ لیا کہ انکار بیعت کا مطلب مرکز سے آزادی کا اعلان ہے۔ جو بغاوت کا دوسرا عنوان ہے۔ اس غلط فہمی نے انھیں اس بے ادبانہ لغزش میں مبتلا کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ بیعت سے انکار کسی طرح بھی بغاوت کے ہم معنی یا اس کو مستلزم نہیں۔ حضرت معاویہؓ اس وقت تک استمرار حال (STATUS QUO) چاہتے تھے جب تک ان کے اور باب خلافت کے درمیان مختلف فیہ امور کا کوئی تصفیہ اور حل نہ نکل آئے۔ اس صورت حال کو بغاوت کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ بعض علماء جو اس صورت کو نہ سمجھ سکے، انھوں نے عدم اطاعت کا مصداق سمجھ کر اسے بغاوت میں داخل کر دیا۔ حالانکہ عدم اطاعت اور حکومت کا حکم ماننے سے انکار کر دینا ہمیشہ بغاوت کے مرادف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ واضح کیا جا چکا۔

اہل "خربتا" کا معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا ان کے اور حضرت علیؓ کے درمیان استمرار حال کا معاہدہ (STANDSTILL AGREENT) ہو گیا تھا جو ایک مُدت تک قائم رہا۔ پھر سبائیوں کی دسیسہ کاریوں اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے قائم نہ رہ سکا[1] کچھ دنوں کے بعد مصر کے صلح پسند گورنر حضرت قیسؓ کو معزول کر دیا گیا اور ان کے بجائے محمد بن ابی بکر کو گورنر بنایا گیا۔ جنہوں نے استمرارِ حال (STATUS QUO) کو ختم کر کے انھیں بیعت کے لئے مجبور کرنا چاہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ چھڑ گئی۔ اور بالآخر فیصلۂ تحکیم کے بعد اہل "خربتا" نے اپنے علاقہ کا الحاق خلافت شام کے ساتھ کر لیا۔ یہ سب نتیجہ تھا سبائیوں کی فساد انگیزی، مکروہ سازش، اور فتنہ پردازی کا۔ بالکل اسی طرح ان مفسدوں نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ بھی جنگ چھڑوا دی۔ ورنہ حضرت علیؓ جنگ نہ کرتے اور سب معاملات گفت و شنید سے طے ہو جاتے۔

گورنری کی حیثیت سے قطع نظر کی جائے تو بالکل اسی نوعیت کا معاہدہ خلیفۃ المسلمین اور بہت سے غیر جانبدار اکابر صحابہؓ کے درمیان بھی ہوا تھا۔ جو آخر تک قائم رہا۔ ان اکابر صحابہؓ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ان کی مخالفت نہیں کی۔ مگر بیعت سے انکار فرما دیا۔ علیٰ ہذا جب جنگ کا موقع آیا تو انھوں نے جنگ میں شرکت سے بھی انکار کر دیا۔ ان کا بیعت اور جنگ میں شرکت و نصرت سے انکار کسی کے نزدیک بھی بغاوت نہیں پھر حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقا کے طرزِ عمل کو بغاوت کہنے کے کیا معنی؟ یہ حضرات بھی تو یہی چاہتے تھے کہ جب تک حالات کا تصفیہ نہ ہو جائے اس وقت تک موجودہ حالت برقرار رکھی جائے اور

---

[1] طبری ج ۴ حوادث ۳۶ھ یہ واقعہ ضروری تفصیل کے ساتھ پہلے نقل کیا جا چکا ہے منہ

انھیں بیعت کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔

یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ غیر جانبدار صحابہؓ نے بیعت اور شرکت جنگ سے کیوں انکار فرمایا تھا؟ اس کے سوا اس کی کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی کہ وہ اس ہنگامی انتخاب کو جائز اور صحیح سمجھنے کے باوجود اسے مستقل نہیں سمجھتے تھے اور اس کے استقلال کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ حالات پرسکون ہونے کے بعد رائے عامہ اس کی توثیق کردے۔ یا دوبارہ انتخاب ہو۔ حضرت معاویہؓ بھی اسی کے طالب تھے۔ استمرار حال ایک ایسی صورت حال ہے جسے حدود شرعیہ کے اندر خلیفہ کی اطاعت کاملہ اور بغاوت کی درمیانی حالت کہہ سکتے ہیں۔ چونکہ دور مرتضویؓ سے پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں نظر آتی اس لئے بعض علماء اسے سمجھ نہ سکے اور انھوں نے حضرت معاویہؓ کو باغی کہہ دیا۔

## تفرقہ پسندی کا غلط الزام

اصحاب جمل واصحاب صفین پر بہتان طرازی سے مودودی صاحب کو سیری نہ ہوئی تو انھوں نے ایک الزام اور تراش لیا۔ ضمیمہ میں لکھتے ہیں :-

"جو لوگ سازش کرکے مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار قریب تھی اور خود مدینہ میں بھی ایک تعداد ان کے حامیوں کی موجود تھی۔[۱] اور مصر اور بصرہ اور کوفہ میں بھی ان کی پشت پر ایک ایک جتھا پایا جاتا تھا۔ اگر تمام اہل حق حضرت علیؓ کے گرد جمع ہوجاتے اور ان سے تعاون کرتے۔ تو وہ ان جتھوں

---

[۱] مودودی صاحب ان مفروضہ حامیوں کا کچھ تہ نشان بھی بتا دیتے تو اچھا تھا۔ ورنہ یہ اہل مدینہ پر بہتان سمجھا جانے لگا۔

کو منتشر کرنے کے بعد ان پر ہاتھ ڈال سکتے تھے" صفحہ ۳۴۲-۳۴۳)

جو شخص واقعات سے معمولی واقفیت بھی رکھتا ہے۔ اس پر اس اعتراض کی غلطی بلکہ لغویت و رکاکت مخفی نہیں رہ سکتی۔ کیا حضرت طلحہؓ نے فوج فراہم کر کے شورش پسندوں کی سرکوبی کرنے میں تعاون کی پیشکش نہیں کی تھی؟ کیا حضرت زبیرؓ نے اسی قسم کی اعانت کا وعدہ اور ارادہ ظاہر نہیں فرمایا تھا؟ پھر کیا یہ واقعہ نہیں کہ دونوں کی پیشکش قبول کرنے سے حضرت علیؓ نے انکار فرما دیا؟ یہ تو وہ وقت تھا جب یہ دونوں حضرات بلکہ تقریباً وہ سب حضرات جن کا شمار قائدین اصحاب جمل میں ہے حضرت علیؓ کے گرد جمع تھے۔

تفصیل اور تاریخی حوالوں کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ صدیقہ کی فوج کشی صرف قاتلان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھی۔ اگر ان سے مزاحمت نہ کی جاتی تو بصرے کا سبائی مرکز ٹوٹنے کے بعد کوفہ وغیرہ کے سبائی جتھوں کو کچلنے میں ان سب حضرات کا تعاون حاصل ہو جاتا جو اس مہم میں شریک تھے۔ مخلصین کی اتنی بڑی فوج ملنے کے بعد خلیفۃ المسلمین "مدینہ پر چڑھ آنے" والے سبائی شورش پسندوں کا بھی قلع قمع کر سکتے تھے۔ اگر حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے کے بجائے، اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے ان سے شورش پسندوں کی سرکوبی کا مطالبہ کیا جاتا تو کیا وہ تعاون نہ کرتے؟ اور کیا وہ اور ان کے رفقاء حضرت علیؓ کے گرد جمع نہ ہو جاتے؟ تاریخ کا معمول طالب علم بھی جانتا ہے کہ یقیناً وہ خلیفۃ المسلمین کے گرد جمع ہو جاتے اور ان سے پورا پورا تعاون کرتے۔

جو شخص واقعات سے واقف اور اس کے ساتھ صفت انصاف سے بھی بہرہ ور ہے، جانتا ہے کہ حضرات اصحاب جمل و اصحاب صفین مودودی صاحب

کے لگائے ہوئے الزام سے بالکل بری ہیں اور اس افتراق کی ذرہ برابر بھی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوتی۔ اصحاب جمل کی شدید خواہش تھی کہ حضرت علیؓ کے گرد جمع ہو کر ان سے پورا پورا تعاون کریں۔ مگر باب خلافت کی طرف سے ان کی ہمت شکنی کی گئی۔

جب یہ حضرات خلیفۃ المسلمین کی تائید و اعانت سے مایوس ہو گئے تو مجبوراً انھوں نے خود اقدام کیا اور سبائی مفسدوں کے خلاف قومی محاذ قائم کیا۔ اگر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور اس کا موقع دیا جاتا کہ وہ دشمنانِ اسلام سے نمٹ لیں تو بھی وہ حضرت علیؓ کے "گرد جمع ہو جاتے" مگر یہ بھی نہ کیا گیا

مودودی صاحب نے اختلاف کے اس حادثہ کو جس عنوان سے لکھا ہے نظر بر واقعات اس کے لئے صحیح عنوان یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرات اصحاب جمل و حضرات اصحاب صفین سے جنگ کرنے کے بجائے اگر ان سب کو اپنے گرد جمع کرنے کی کوشش کرتے۔ تو قلیل مدت میں سازشی گروہ اور مفسد ٹولی کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ ان کی خلافت بھی مستحکم ہو جاتی اور خانہ جنگی بھی نہ ہوتی۔ مگر یہ حقیقت ناقابل انکار اور بالکل روشن ہے کہ آں محترم نے اس کی کوئی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ایسا طرزِ عمل اختیار فرمایا جو ان حضرات کو آں محترم سے دور کرنے والا تھا۔ ذرا غور فرمائیے کہ کیا حضرت معاویہؓ گورنری سے معزول ہونے کے بعد بھی اس قدر قوی ہو سکتے تھے کہ حضرت علیؓ کی کوئی معتد بہ اور مفید امداد کر سکتے؟ اپنے ذاتی اثرات کی بنا پر اگر وہ معزولی کے بعد آں محترم کی اعانت ہی کے لئے قوت جمع کرتے تو سبائی منافق اسے خلافت کے خلاف بغاوت کی تیاری ظاہر کر کے حضرت علیؓ کو ان سے بدظن کر دیتے۔ پھر کیا مسند آرائے خلافت ہوتے ہی انھیں معزول کرنا اس بات کی واضح علامت

نہ تھی کہ خلیفۃ المسلمین ان سے بدظن ہیں؟ تو کیا ایسی حالت میں وہ توقع کر سکتے تھے کہ ان کی طرف سے تعاون کی پیش کش قابل اعتبار سمجھی جائے گی خصوصاً جب وہ دیکھ رہے تھے کہ صرف وہی نہیں بلکہ جملہ عمال عثمانؓ بغیر کسی قصور کے معزول کئے جا رہے ہیں اور دوسری طرف قاتلین سیدنا عثمانؓ کا اثر و رسوخ ایوان خلافت میں بڑھتا جاتا ہے۔

اصحاب جمل تو پہلے ہی ان کے "گرد جمع ہونا" چاہتے تھے۔ مگر جب حضرت طلحہ و حضرت زبیرؓ کی پیشکش رد کر دی گئی تو مایوس ہو کر انھیں براہِ راست سبائی مرکز بصرے پر حملہ کرنا پڑا۔ پھر بھی اگر حضرت علیؓ ان کے خلاف لشکر کشی نہ کرتے تو وہ بصرے کے منافق جتھے کا خاتمہ کرنے کے بعد ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ مگر یہ موقع بھی آں محترم نے انھیں نہ دیا۔ اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی۔ بلکہ لشکر کشی کر کے اس کے امکانات کا خاتمہ کر دیا۔ آخر میں آں محترم کو بھی اس کا خیال ہوا۔ مگر سبائی عیاروں نے مکر و فریب کر کے فریقین میں جنگ چھڑا دی۔ اور وہ قوت جو حضرت علیؓ کے گرد جمع ہونے والی تھی۔ سبائی کید کی وجہ سے پارہ پارہ ہو گئی۔ اگر آں محترم چند روز قبل حالات کے اس پہلو کی طرف توجہ فرما لیتے تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی اور گفت و شنید سے غلط فہمیاں رفع ہو کر ان کا کامل تعاون حاصل ہو جاتا۔

مختصر یہ کہ اصحاب جمل و اصحاب صفین پر علیحدگی پسندی اور عدم تعاون کا الزام بالکل غلط ہے۔ خود حضرت علیؓ کا طرز عمل اس کا سبب ہوا۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ طرز عمل کیوں اختیار فرمایا؟ جو بحث ہم نے جنگ جمل و جنگ صفین پر کی ہے اس سے اس کا جواب معلوم ہو جاتا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ آں محترمؓ کا طرز عمل بھی اپنی جگہ

شرعاً بالکل جائز تھا۔ ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ان کے اخلاص وتقویٰ میں بھی کلام کی گنجائش نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے ان کی سیاسی غلطی کہا جا سکتا ہے۔ مگر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں بھی وہ معذور تھے سبائی انھیں غلط خبریں پہونچاتے تھے۔ اور حالات کو ایسے رنگ میں ان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ کہ وہ حضرات اصحاب جمل واصحاب صفین سے بدگمان ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہر مدبر اطلاعات اور خبروں کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے انھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس لئے ان پر کوئی الزام نہیں سارا فساد پیروان ابن سبا کا تھا۔ جنگ جمل وصفین کی بحث میں یہ مضمون زیادہ تفصیل سے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

# باب چہارم

## مذکورہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں

### مسلکِ اہلِ سنت

واقعات واستدلال کی روشنی میں تو بحث ختم ہو چکی۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ان مسائل میں اہل سنت والجماعت کا مسلک کیا ہے؟ جماعت صحابہؓ کی اتباع ہم اہلسنت والجماعت کی خصوصیت امتیازی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے حضرات صحابہؓ کے مسلک کی جانب دیکھنا چاہیئے۔ جمل وصفین وغیرہ مشاجرات پیش آنے کے وقت صحابہ کرام تین جماعتوں میں منقسم ہو گئے تھے۔

ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی جو انھیں حق پر سمجھتی تھی اور ان کے مخالفین کو غلطی پر۔ دوسری جماعت حضرات اصحاب جمل رضی اللہ عنہم اور ان کے مویدین کی تھی جو انھیں حق پر سمجھتی تھی اور حضرت علیؓ کو غلطی پر۔ تیسری جماعت غیر جانبدار تھی اور صحابہ کرامؓ کی اکثریت اسی جماعت میں تھی

**پہلا مسلک**:۔ اول الذکر دونوں جماعتیں فریق کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور ان میں ہر فریق کی رائے دوسرے فریق کی رائے سے متصادم ہے۔ اس لئے کسی کو ترجیح نہ دی جائے گی اور دونوں سے قطع نظر کر کے غیر جانبدار حضرات کی رائے پر نظر کی جائے گی اور اسی کی پیروی کرنا صحیح راستہ ہے۔ ان حضرات کا مسلک بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" ج ۴ میں صفحہ ۱۵۳ پر زیر عنوان الکلام فی حرب علی ومن حاربہ

من الصحابۃ تحریر فرماتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| "وذھب سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن عمر وجمھور الصحابۃ الی الوقوف فی علی واھل الجمل واھل صفین وبہ یقول جمھور اھل السنۃ وابوبکر بن کیسان ۔" | "حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور جمہور صحابہ کا مسلک، حضرت علیؓ و حضرت اہل جمل و اہل صفین کے بارے میں توقف تھا، جمہور اہل سنت اور ابوبکر بن کیسان کا بھی یہی مسلک ہے" |

اس نقل کے علاوہ غیر جانبدار صحابہؓ کی غیر جانبداری خود اس بات کی برہان جلی ہے کہ ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہی تھا۔ فریقین میں کسی کو وہ غلطی پر نہیں سمجھتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات انہیں قتال فتنہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ فریقین کے بارے میں صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان لڑائیوں میں صحابہ کرام کی اکثریت غیر جانبدار رہی اور ان حضرات کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی۔ الفصل کی مندرجہ بالا عبارت بتا رہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بعد جمہور اہلسنت نے بھی یہی مسلک اختیار کیا۔ مزید شہادت ملاحظہ ہو۔

تفسیر قرطبی جلد ۱۶ تفسیر سورۂ حجرات میں قاضی علامہ ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے کہ :-

| | |
|---|---|
| "قال المحاسبی اما با لدماء فقد استشکل علینا القول فیھا باختلافھم وقد سئل الحسن البصری عن قتالھم فقال شھدہ" | "محاسبی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے آپس میں جو خون ریزی ہوئی۔ اس کے بارے میں کوئی بات کہنا مشکل ہے اور حضرت حسن بصری سے ان حضرات صحابہؓ کے باہمی |

"اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وغبنا وعلموا وجهلنا واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا

قال المحاسبی فنحن نقول کما قال الحسن ونعلم ان القوم کانوا اعلم بما دخلوا فیہ منا، ونتبع ما اجتمعوا علیہ ونقف عند ما اختلفوا فیہ ولا نبتدع رأیا منا ونعلم انهم اجتهدوا وارادوا اللہ عز وجل اذ کانوا غیر متهمین فی الدین ونسأل اللہ التوفیق۔"

"قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لڑائیوں میں موجود تھے اور ہم موجود نہ تھے انھیں علم تھا اور ہم ناواقف ہیں وہ متفق تھے تو ہم نے انکی پیروی کی اور جب انھوں نے باہم اختلاف کیا تو ہم نے توقف کیا۔

محاسبی فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو حسن بصری فرماتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ قوم اصحاب جس معاملے میں پڑے تھے وہ ہم سے زیادہ اسے جانتے بوجھتے تھے۔ تو ہم اس کام میں ان کی پیروی کرتے ہیں جس پر ان کا اجتماع ہوا اور جہاں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوتا ہے وہاں توقف کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں کوئی رائے نہیں قائم کرتے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے لئے اجتہاد کیا۔ کیونکہ وہ دین کے بارے میں متہم نہیں تھے اور ہم اللہ تعالی سے توفیق خیر کی دعا کرتے ہیں۔"

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

توقف کا مطلب ان کے نزدیک کیا ہے؟ اس کا جواب ان کے مندرجہ ذیل قول سے سمجھ میں آجاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم الفریقین (یعنی حضرت علیؓ اور ان سے اختلاف کرنے والے حضرات صحابہؓ مثلاً حضرت طلحہؓ وحضرت معاویہؓ

کو نیک نیت اور مخلص مجتہد سمجھتے ہیں۔ یہ بات تو قطعی اور یقینی ہے

(ب) لیکن اس اجتہاد میں فریقین میں سے کسی سے غلطی ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو کس سے؟ اس کے بارے میں ہم کوئی رائے نہیں قائم کرتے

اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتہادی غلطی کا احتمال دونوں جانب ہے جس طرح یہ احتمال ہے کہ اصحاب جمل و اصحاب صفین سے اس معاملے میں اجتہادی غلطی ہوئی ہو۔ اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے معاون صحابہؓ سے خطاء اجتہادی کا صدور ہوا ہو مگر متعین طریقہ سے کسی فریق کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خطاء اجتہادی کا صدور ہوا۔ علیٰ ہذا فریقین میں سے ہر فریق کے بارے میں یہ احتمال نکلتا ہے کہ اس کا اجتہاد صحیح اور صواب ہو۔ مگر متعین اسے بھی نہیں کر سکتے۔

توقف کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کے متعلق ظن غالب یہ ہے کہ وہ حق پر تھا۔ مگر کسی کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اجتہاد یقیناً صحیح تھا اور اس کے مقابل فریق کا اجتہاد یقیناً غلط تھا۔ بظاہر حضرت حسن بصریؒ و حضرت محاسبیؒ کے نزدیک غیر جانبدار صحابہؓ اور جمہور سلف کے مندرجہ بالا قول کا یہی مطلب ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ فریقین میں سے ہر ایک کا اقدام علم پر مبنی تھا۔ اور جو بات علم پر مبنی ہو۔ اس کے متعلق کم از کم ظن غالب یہ ہے کہ وہ صحیح اور صائب ہوگی۔ توقف کی مذکورہ دونوں تشریحوں میں سے جو تشریح بھی پسند کی جائے، بہر کیف، ماحصل یہی ہے کہ مشاجرات مذکورہ میں کسی فریق کو متعین طریقہ سے اجتہادی غلطی کا مرتکب بھی نہ کہا جائے بلکہ ہر فریق کے متعلق اس کے اخلاص اور حسن نیت پر پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ

یہ حسن ظن بھی رکھا جائے کہ بظن غالب اس کا اجتہاد صحیح تھا۔ اگرچہ غلطی کا بھی احتمال ہے۔ اور اس بارے میں فریقین کے درمیان کوئی فرق نہ کیا جائے

دُوسرا مسلک :- اکابر سلف میں سے ایک بڑی جماعت نے اس سے مختلف مسلک اختیار فرمایا ہے۔ جو اس سے کچھ مختلف ہونے کے باوجود اس کے قریب ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم ج ۲ میں الاصل السابع کے عنوان سے بسلسلہ بحث امامت اس جماعت سلف کی ترجمانی اس طرح فرماتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| "وما جریٰ بین علی ومعاویة رضی اللہ عنھما کان مبنیا علی الاجتہاد ......... وقد قال افاضل العلماء کل مجتہد مصیب وقال قائلون المصیب واحد" | "حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مناقشہ ہوا وہ (اختلاف) اجتہاد پر مبنی تھا ...... اور فاضل علماء نے کہا ہے کہ ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے۔ اور بعض کہنے والوں نے کہا ہے کہ راہ صواب پر ایک ہی ہوتا ہے۔" |

ظاہر ہے کہ جو مسلک ان حضرات نے اصحاب صفین کے متعلق اختیار فرمایا ہے۔ وہ اصحاب جمل کے متعلق بدرجہ اولیٰ اختیار فرمایا ہوگا۔ ان حضرات اکابر علماء اہلسنت کا مسلک یہ تھا کہ ان سب مشاجرات مذکورہ میں فریقین حق پر تھے یعنی حضرات اصحاب صفین بھی حق پر تھے اور حضرت علیؓ اور ان کے مویدین بھی حق پر تھے ان میں سے کسی سے بھی خطاء اجتہادی کا صدور نہیں ہوا۔ ان علماء کو افاضل کے لقب سے اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو "قائلوں" کے لفظ سے ذکر کرنا، واضح اشارہ ہے کہ خود امام غزالیؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ہر فریق حق پر تھا کسی سے غلطی نہیں ہوئی۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا ارشاد بھی سنئے۔ موصوف "کتاب الابانہ" (طبع اول دائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن) میں صفحہ ۹۵ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"فاما ما جرى بين على والزبير وعائشة رضى الله عنهم فانما كان على تاويل واجتهاد. وعلىٌّ الامام وكلهم من اهل الاجتهاد. وقد شهد لهم النبى صلى الله عليه وسلم بالجنة والشهادة فدلّ على انهم كلهم كانوا على حق فى اجتهادهم. وكذلك ما جرى بين على ومعاوية رضى الله عنهما كان على تاويل واجتهاد"

"پس جو مناقشات حضرات علی، وزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئے وہ تاویل واجتہاد پر مبنی تھے اور حضرت علیؓ خلیفہ تھے اور یہ سب حضرات اہل اجتہاد تھے اور ان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور شہادت کی شہادت دی ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب اپنے اپنے اجتہاد میں حق پر تھے اسی طرح حضرت علی وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مناقشہ ہوا وہ بھی تاویل واجتہاد پر مبنی تھا"

تیسرا مسلک:- امام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی کتاب منہاج السنۃ جلد اول صفحہ ۲۷۳ پر زیر عنوان "اقوال الناس فی خلافۃ علیؓ" یہ مسالک نقل فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ امام ابوالحسن اشعریؒ کا مشہور مسلک یہی ہے کہ یہ سب فریق حق اور صواب پر تھے۔ اس کے بعد اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:-

والمنصوص عن احمد وائمة السنة انه لا يذم احد منهم فان عليا اولى بالحق من غيره. اما تصويب

امام احمدؒ اور ائمہ سنت سے یہ بات صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ اصحابؓ جمل اصحابؓ صفین اور حضرت علیؓ میں سے کسی کی مذمت نہیں کی جاسکتی اور بیشک حضرت علیؓ نسبتاً

| | |
|---|---|
| القتال فليس هو قول ائمة | حق کے زیادہ قریب تھے مگر جنگ کو مناسب |
| السنة بل هم يقولون | قرار دینا ائمہ حدیث کا مسلک نہیں ہے |
| ان تركه كان اولى | بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کا (جنگ کا) ترک |
| | کرنا اولیٰ (بہتر تھا) |

یہ مسلک گزشتہ مسلکوں سے قدرے مختلف ہے۔ اس لئے اسے تیسرا مسلک سمجھنا چاہیئے۔ امام احمدؒ اور ائمہ محدثین کا مسلک ہونے کی وجہ سے یہ بھی بہت وزنی اور اہم ہے۔ مگر مجمل اور محتاج تشریح ہے۔ سطور ذیل میں توضیح ملاحظہ ہو۔

(۱) "لا یذم احد منهم" (ان میں سے کسی کی مذمت نہیں کی جاسکتی) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس مسئلہ میں یا تو "مصوبہ" کے ہم خیال ہیں اور ہر فریق کو اس کے اجتہاد کے اعتبار سے حق و صواب پر سمجھتے ہیں۔ کسی کو خطاء اجتہادی کا مرتکب بھی نہیں سمجھتے۔ اور یا توقف کرنے والوں کے ہم خیال ہیں جن کے مسلک کی توضیح مسلک اول کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ اس کا ماحصل بھی یہی ہے کہ متعین طور پر کسی فریق کے اجتہاد کو غلط نہ کہا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ حضرت علیؓ کے مخالف فریق کو خطاء اجتہادی کا مرتکب کہا جائے۔ کیونکہ یہ مسلک امام ابن تیمیہؒ نے علیحدہ اور مستقل طور پر زیر بحث مسلک کے مقابل اور اس کے قسیم کے طور پر ذکر کیا ہے اس سے پہلے بھی اسی سطر میں انھوں نے اس کا تذکرہ کیا اور اس سے تین سطروں کے بعد بھی ایک مستقل مسلک کی صورت میں اس کا تذکرہ کیا، جیسا کہ ہم انشاء اللہ عنقریب نقل کریں گے۔ اس لئے دونوں مسلک ایک نہیں ہو سکتے اور اس کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

(۲) "وان علیا اولیٰ بالحق من غیرہ" (اور بیشک حضرت علیؓ بنسبت دوسروں کے حق سے زیادہ قریب تھے) اس فقرے کا تعلق صرف حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے باہمی اختلاف سے ہے۔ حضرت اصحاب جمل سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کا مبنیٰ ایک حدیث ہے جو آئندہ انشاءاللہ ہم نقل کریں گے۔ اور اس حدیث کا کوئی تعلق حضرت علیؓ واصحاب جمل کے اختلاف سے نہیں حدیث نقل ہوگی تو اسے دیکھ کر بات واضح ہو جائے گی۔

علاوہ بریں جب دلائل صحیحہ سے ثابت ہو چکا کہ حضرت اصحاب جمل کا اقدام بالکل صحیح اور مناسب تھا اور جہاں تک جنگ کا تعلق ہے انھوں نے شروع نہیں کی۔ جنگ تو سبائی فریب کاری کی وجہ سے اتفاقی طور پر برپا ہوگئی۔ ان حضرات نے نہ حضرت علیؓ کے خلاف لشکر کشی کی، نہ ان سے جنگ کرنا ان کا مقصد تھا پھر اس کے کیا معنیٰ کہ حضرت علیؓ بہ نسبت ان کے حق سے زیادہ قریب تھے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرے کا کوئی تعلق حضرت علیؓ وحضرات اصحابؓ جمل کے باہمی اختلاف سے نہیں ہے۔ البتہ حضرت معاویہؓ سے ان کا جو اختلاف ہوا اس سے اس کا تعلق ہو سکتا ہے جس کی وضاحت چند سطروں کے بعد انشاءاللہ پیش کی جائے گی۔

اس فقرے کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ منصب خلافت کا استحقاق بہ نسبت دوسروں کے زیادہ رکھتے تھے۔ اور اس کے تذکرے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ امام احمدؒ کے زمانہ میں ایک جماعت اہلسنت ہی میں ایسی تھی جو حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے درمیان کشمکش کے دور کو زمان فتنہ کہتی تھی۔ اور اس بات کی قائل تھی کہ اس وقت قانونی حکومت

باقی نہ رہی تھی اور مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہ تھا امام موصوف کو ان کی تردید میں ایک رسالہ لکھنا پڑا۔ اس اختلاف کی وجہ سے موصوف اور ان کے ہم مسلک ائمہ سنۃ کو تصریح کرنا پڑی کہ استحقاق خلافت میں حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ پر ترجیح حاصل ہے۔ اس لئے ان کی خلافت منعقد ہو گئی تھی۔ اور وہ خلیفہ رابع تھے۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس زمانہ میں کوئی خلیفہ نہ تھا۔

زیر بحث فقرہ کا مفہوم یہ سمجھا جائے تو بھی اس کا تعلق صرف حضرات اصحاب صفین ہی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ حضرات اصحاب جمل کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ ان حضرات کو "خلافت" سے کوئی اختلاف ہی نہ تھا۔

"اما تصویب القتال" سے جو مضمون شروع ہوتا ہے۔ اس کا تعلق درحقیقت صرف حضرت علیؓ سے ہے۔ جملے کا مطلب یہ ہے کہ آں محترم نے جو اصحاب جمل و اصحاب صفین سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا، یہ موصوف کی اجتہادی غلطی تھی۔ مگر اجتہادی غلطی صرف اس حد تک ہوئی کہ آں محترم نے "ترک اولیٰ" فرمایا۔ اولیٰ یہ تھا کہ جنگ نہ کرتے۔ مگر حدود جواز سے تجاوز نہیں فرمایا یعنی قتال کا اقدام شرعاً جائز تھا مگر خلاف اولیٰ تھا۔

حضرات اصحابؓ جمل کے ساتھ اس قول کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں فرمایا۔ ان کی لشکر کشی صرف سبائیوں کے خلاف تھی۔ حضرت علیؓ سے جو جنگ ہوئی وہ سبائیوں کی فریب کاری کی وجہ سے خلاف ارادہ و مرضی اتفاقی طور پر ہو گئی۔ جس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ جنگ حضرت علیؓ کی مرضی کے بھی خلاف تھی اور ان کا ارادہ بھی جنگ کا نہ تھا۔ مگر انھوں نے بصرے کی جانب اصحاب جمل کے خلاف لشکر کشی

فرمائی۔ یہی بات ہے جسے یہ حضرات ائمہ خلاف اولیٰ کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ لشکر کشی نہ فرماتے تو سبائیوں کو فتنہ انگیزی کا موقع نہ ملتا اور جنگ نہ ہوتی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی تھی کہ بصرے کی جانب لشکر کشی نہ کی جائے۔ طبری ج ۴ حوادث ۳۶ھ کے سلسلہ میں صفحہ ۴۵۶ نیز صفحہ ۴۵۸ پر مذکور ہے کہ جب حضرت علیؓ البصرے کی جانب لشکر کشی اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ کا تعقب کرنے کی تیاری فرما رہے تھے تو حضرت حسنؓ نے موصوف کو مشورہ دیا کہ آپ مدینہ ہی میں مقیم رہیں اور ان حضرات سے تعرض نہ کریں مقصد یہ تھا کہ سبائیوں سے انھیں نمٹ لینے دیں۔ آپ بیچ میں حائل نہ ہوں اگر اس رائے پر عمل ہوتا تو جنگ جمل پیش آنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قتال کے خلاف اولیٰ ہونے کے جو دلائل امام ابن تیمیہؒ نے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے کوئی دلیل بھی ایسی نہیں ہے جو حضراتؓ اصحاب جمل کے کسی اقدام کو خلاف اولیٰ ثابت کرتی ہو۔ بلکہ ہر دلیل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کا اقدام لشکر کشی خلاف اولیٰ تھا [۱]

---

[۱] ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ کی پیشین گوئی کے ساتھ اس سے کنارہ کش رہنے کی ترغیب دی، حضرت حسنؓ کی مصالحت کوشی اور اس میں ان کی کامیابی کا تذکرہ بعنوان ستائش کیا۔ اگر اس موقع پر جنگ کرنا اولیٰ ہوتا تو ترغیب و ستائش نہ ہوتی علی ہذا اگرچہ باغیوں سے قتال جائز ہے مگر ہر جگہ واجب نہیں تا با امکان اصلاح ذات البین اور بغیر جدال و قتال آپس کے معاملات کو طے کر لینا ہی اولیٰ ہے یہ ابن تیمیہؒ کے استدلال کا خلاصہ جو انھوں نے زیر بحث مسلک رکھنے والے ائمہ سلف کی طرف سے پیش کیا ہے۔ حضراتؓ اصحاب جمل نے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کا بھی ارادہ نہیں کیا نہ ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ اسلئے ان دلائل میں سے کوئی دلیل بھی ان کے خلاف نہیں

چند سطروں کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ ایک اور مسلک کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا تعلق صرف حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف سے ہے:

وطائفۃ خامسۃ تقول ان علیاً کان خلیفۃ وھو اقرب الی الحق من معاویۃ وکان ترک القتال اولیٰ و ینبغی الامساک عن القتال لھؤلاء وھؤلاء (ص ۳۷۴)

پانچواں گروہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ تھے۔ اور وہ بہ نسبت حضرت معاویہؓ کے حق سے زیادہ قریب تھے۔ اور جنگ کا ترک کرنا اولیٰ تھا اور دونوں فریق کو جنگ سے احتراز کرنا چاہئے تھا (مسلم ص ۳۷۴)

حضرت علیؓ کی خلافت صحیح ہونے کا اقرار اس مسلک کا پہلا جزو ہے جس کی وجہ اوپر ذکر کی جا چکی۔ ؎

---

؎ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس زمانہ میں اہلسنت کے ایک گروہ کا فیصلہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے مشاجرات کا زمانہ خلیفہ سے خالی تھا۔ نقل مسالک کے اسی سلسلہ میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔
"وقالت طائفۃ "لم یکن فی ذالک الزمان امام عام بل کان زمان فتنۃ وھذا قول طائفۃ من اھل الحدیث البصریین وغیرھم" ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ اس زمانہ (مشاجرات) میں کوئی امام عام نہ تھا۔ بلکہ وہ فتنہ کا زمانہ تھا" یہ بصری محدثین کے ایک گروہ اور بعض دوسرے لوگوں کا قول ہے۔

مودودی صاحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ لکھا ہے کہ علماء اہل سنت میں آج تک کوئی ایک عالم بھی ایسا نہیں گذرا جس نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کو چوتھا خلیفہ راشد نہ تسلیم کیا ہو۔ یا ان کی بیعت صحیح ہونے میں شک ظاہر کیا ہو (خلافت وملوکیت ص ۳۲۵) مندرجہ بالا قول دیکھنے کے بعد ہر شخص ان کے اس دعوے کو غلط اور ناواقفیت و بے خبری پر مبنی سمجھے گا۔ مندرجہ بالا مسلک رکھنے والے محدثین بھی اہلسنت ہی تھے اس مسلک کو ہم صحیح نہیں سمجھتے لیکن اس کا وجود تو تھا۔

اس مسلک کے دلائل بیان کر کے لکھتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| "وعلیٰ ھذا جمھور ائمۃ اھل الحدیث والسنۃ وھو مذھب مالک والثوری والحمد وغیرھم " (ایضاً) | " جمہور ائمہ اہل حدیث وسنت کا یہی مسلک ہے۔ امام مالکؒ سفیانؒ ثوری امام احمدؒ اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے علماء کا بھی یہی مسلک ہے ۔" |

"اقرب الی الحق" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اجتہادی غلطی بمعنی ترک اولیٰ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ دونوں سے سرزد ہوئی یعنی دونوں حضرات نے حدود جواز شرعی سے تو تجاوز نہیں کیا مگر خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا۔ اس معنی میں دونوں بزرگوں میں سے کوئی صاحب بھی حق پر نہ تھے۔ مگر حضرت علیؓ بہ نسبت حضرت معاویہؓ حق کے زیادہ قریب تھے۔ ویسے دونوں کے لئے مناسب تر یا "حق" یہ تھا کہ قتال نہ کرتے [1] ان حضرات کے اس قول کا ماخذ مندرجہ ذیل حدیث نبویؐ ہے :-

| | |
|---|---|
| "تمرق مارقۃ عند فرقۃ من المسلمین یقتلھا اولے الطائفتین بالحق " (مسلم) | " مسلمانوں کے باہمی افتراق کے وقت (دین) سے نکل جانے والا ایک گروہ اس سے نکل جائے گا۔ جسے ان متحارب گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔ " |

---

[1] گویا یہاں "حق" بمعنی اولیٰ اور مناسب تر ہے جس کا مقابل "ترک اولیٰ" ہے۔ نہ کہ باطل ـ کیونکہ فریقین میں سے کسی کو باطل پر نہیں کہا جاسکتا ۔ حد جواز شرعی سے کسی نے تجاوز نہیں کیا اور کسی نے بھی معصیت کا ارتکاب نہیں کیا

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ فریقین میں سے کامل طور بر سرِ حق وصواب تو کوئی نہ ہوگا۔ لیعنی خلاف اولیٰ کا ارتکاب دونوں کریں گے۔ یوں تو دونوں حق کے قریب ہوں گے۔ لیعنی کسی کا اقدام دائرہ جوازِ شرعی سے باہر نہ ہوگا۔ مگر حضرت علیؓ بہ نسبت حضرت معاویہؓ حق سے زیادہ قریب ہوں گے۔ حدیث میں دو حادثوں کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے ایک افتراقِ اُمت کی دوسری خوارج کے خروج کی۔ "مارقہ" سے مراد خوارج ہیں۔ تیسری پیشین گوئی یہ ہے کہ خوارج سے اہلِ حق جنگ اور قتال بھی کریں گے چونکہ اس وقت مسلمانوں میں دو گروہ ہوں گے جو ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوں گے۔ ان میں سے جو گروہ خوارج کو شکست دے گا وہی اقرب الی الحق ہوگا۔ گویا افتراقِ اُمت کی پیشین گوئی کئی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ خوارج کے خلاف سب سے پہلے حضرت علیؓ ہی نے تلوار اُٹھائی اور انہیں کے ہاتھ سے ان کی قوت وشوکت برباد ہوئی۔ اس لئے از روئے حدیث وہ حضرت معاویہؓ کے مقابلے میں اقرب الی الحق تھے۔

بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح یہ کی ہے کہ "فریقین حق پر ہوں گے۔ مگر حضرت علیؓ کا موقف نسبتاً صحیح تر اور ارجح ہوگا حضرت معاویہؓ کا اجتہاد بھی صحیح ہوگا مگر حضرت علیؓ کا اجتہاد اصح اور ارجح ہوگا" اولی بالحق" کے یہی معنی ہیں۔ راقم السطور کے نزدیک اس تشریح کی گنجائش تو ہے۔ مگر یہ ظاہر کے خلاف ہے۔

زیرِ بحث مسلک اور اس کے ماخذ یعنی حدیث مذکور کی تشریح تو ہو چکی۔ اب حدیث مذکور کے متعلق مجھے چند اہم باتیں عرض کرنا ہیں۔ جو درج ذیل ہیں :-

حدیث دیکھ کر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو کس معاملے میں "اولیٰ بالحق" کہا گیا ہے؟ حدیث اس بارے میں مجمل اور تشریح طلب ہے۔ کیونکہ فریقین کے درمیان ایک تو جنگ کا مسئلہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ متنازعہ فیہ مسائل تھے جو اس جنگ وجدل کا سبب بنے۔ آیا ان سب معاملات میں انھیں "اولیٰ بالحق" فرمایا گیا ہے؟ یا ان میں سے کسی ایک مسئلہ میں؛ جواب یہ ہے کہ بظاہر اس حکم کا تعلق صرف جنگ اور قتال کے معاملے سے ہے۔ اسی کے بارے میں دونوں حضرات سے "ترک اولیٰ" کا صدور ہوا۔ حق سے قریب تر ہونے کا سوال اسی میں پیدا ہو سکتا ہے۔ جن امور میں "اولیٰ" اور غیر اولیٰ کی تقسیم ہی نہیں کی گئی۔ ان میں "اولیٰ بالحق" کہنے کے کیا معنی؟ امام مالکؒ وغیرہ جن ائمہ واکابر سلف نے اپنے مسلک کی بنیاد اس حدیث پر قائم کی ہے۔ ان کے مسلک کو دیکھنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے اسے محاربات ہی کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے لئے اولیٰ یہ تھا کہ دوبارہ انتخاب پر راضی ہو جاتے، حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے اور ان سے بیعت کا مطالبہ کرنے کے بجائے ان کی اعانت حاصل کر کے قاتلین سیدنا عثمانؓ کی سرکوبی کرتے۔ انھوں نے اس "اولیٰ" صورت کو ترک فرمایا ۔ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت معاویہؓ کے لئے اولیٰ یہ تھا کہ جدید انتخاب کے مطالبہ کو ترک اور قاتلین سیدنا عثمانؓ سے قصاص لینے کے مطالبہ کو ملتوی کر دیتے[۵]۔ اس کے ساتھ حضرت علیؓ کی اعانت کر کے ان سبائی

---

[۵] بحوالہ مذکورہ ہو چکا ہے کہ آخر میں حضرت معاویہؓ نے جدید انتخاب کا مطالبہ ترک کر دیا تھا

منافقوں کا استیصال کرتے۔ انھوں نے اس اولیٰ صورت کو ترک فرمایا۔ یہ
ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ ترک اولیٰ کی حد تک اجتہادی غلطی میں
اشتراک کے باوجود قتال خوارج کے وقت حضرت علیؓ بہ نسبت حضرت معاویہؓ
حق کے یعنی " اولیٰ" کے زیادہ قریب تھے۔ یہ احتمال تو صحیح ہے مگر جہاں
تک مجھے علم ہے ائمہ و اکابر سلف میں سے کسی سے یہ مسلک منقول نہیں
اس لئے مناسب اور راجح یہی ہے کہ حدیث کا وہی مطلب مراد لیا جائے
جو اکابر سلف سے منقول ہے۔ یعنی اسے جنگ کے مسئلہ تک محدود رکھا جائے

(۳) حدیث مذکور میں جو مضمون بیان فرمایا گیا ہے وہ صرف حضرت
علیؓ و حضرت معاویہؓ کے اختلاف کے بارے میں ہے حضرات اصحابؓ
جمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے بارے میں حدیث بالکل ساکت ہے
بات بالکل صاف ہے۔ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جب خوارج خروج
کریں گے۔ اس وقت امت کے دو فریقوں میں سے جو فریق ان سے
جنگ کرے گا۔ وہ اولیٰ بالحق ہوگا۔ خروج خوارج سے قبل امت میں جو
اختلاف واقع ہوا۔ اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا گیا ہے۔ خوارج نے جنگ
صفین کے بعد خروج کیا۔ جنگ جمل اس سے بہت پہلے ہو چکی تھی اس
وقت تک قائدین اصحاب جمل میں سے حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ شہید
ہو چکے تھے۔ اور اصحاب جمل بحیثیت فریق باقی ہی نہ رہے تھے۔ بلکہ ان کے
اور حضرت علیؓ کے درمیان کوئی اختلاف بھی نہیں باقی رہا تھا۔ ان حالات
میں حدیث کا تعلق ان حضرات یا ان کے اقدامات کے ساتھ کس طرح
ہو سکتا ہے؟ بعض علماء متاخرین نے اس حدیث کے حکم میں اصحاب
جمل کو بھی داخل کر کے یہ کہا ہے کہ انھوں نے سبائیوں کے خلاف

جو اقدام کیا۔ یہ ان کی خطاء اجتہادی تھا

ہمارے مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوگیا کہ ان علماء کی یہ رائے بالکل غلط اور بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔ حدیث مذکور کو اصحاب جمل کے معاملے سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں۔ جنگ جمل کی بحث میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اصحاب جمل کا اقدام بالکل صحیح تھا۔ اسے غلطی نہیں کہا جا سکتا۔

(۳) حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خروج خوارج کے وقت حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان پیش آنے والے معاملات میں بحیثیت مجموعی حضرت علیؓ بہ نسبت حضرت معاویہؓ حق کے قریب ہوں گے۔ اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ ہر نزاعہ میں وہی اولیٰ بالحق ہوں۔ یہ عین ممکن ہے کہ بعض مناقشات میں حضرت معاویہؓ بہ نسبت حضرت علیؓ اقرب الی الحق ہوں۔ اس سے استدلال کر کے بعض لوگ جنگ صفین میں بھی حضرت علیؓ کو اقرب الی الحق ثابت کرتے ہیں۔ یہ استدلال صحیح نہیں اور حدیث سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس کا فیصلہ دوسرے دلائل سے ہو سکتا ہے۔ واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہؓ اقرب الی الحق تھے۔ کیونکہ انھوں نے تا بہ امکان جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی اور فوج کشی حضرت علیؓ نے فرمائی۔ پھر یہ کہ صلح کی پیش کش بھی حضرت معاویہؓ ہی کی طرف سے ہوئی۔

## چوتھا مسلک

امام ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں بسلسلہ بحث مذکور صفحہ ۲۷۳ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| وطائفۃٌ رابعۃ تجعل | ایک چوتھا گروہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ |
| علیا هو الامام وکان | وقت تھے۔ وہ مجتہد تھے اور ان کا اجتہاد |
| مجتهداً مصیبا فی القتال | جنگ کے بارے میں صحیح تھا۔ اور جن |
| ومن قاتله کانوا مجتهدین | صحابہؓ نے ان سے جنگ کی ان سے |
| مخطئین وهذا قول کثیر | اجتہادی غلطی سرزد ہوئی یہ امام ابوحنیفہؒ |
| من اهل الکلام والرائی | امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کی پیروی |
| من اصحاب ابی حنیفةؒ | کرنے والے بہت سے متکلمین اور |
| ومالکؒ والشافعیؒ واحمدؒ | اصحاب رائے کا مسلک ہے (خود ان ائمہ |
| وغیرهم۔ | اربعہ کا مسلک نہیں۔ ناقل) |

مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اہلسنت کے یہ تین مسلک ہیں مگر مودودی صاحب نے ان سب سے اعراض کرکے ایک جدید مسلک ایجاد فرمایا۔ جو سب مسالک اہل حق کے خلاف ہے۔ بلکہ مذہب اہلسنت کے مزاج کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ آپ نے دیکھا کہ مسالک مذکورہ اختیار کرنے والوں میں سے کسی نے بھی فریقین میں سے کسی کو مرتکب معصیت نہیں قرار دیا۔ یہ فخر مودودی ہی صاحب کو حاصل ہے کہ انھوں نے ان مقدس ہستیوں کے اقدامات کو خلاف شریعت یعنی گناہ کہہ کر چاند پر خاک ڈالنے کی سعی لاحاصل کی جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا، اور عذاب آخرت کے مستحق ہوئے کیونکہ ان مقدس حضرات کی طرف بغیر دلیل شرعی کسی معصیت کی نسبت کرنا خود معصیت کبیرہ ہے۔

## قوی ترین اور پسندیدہ مسلک

اہل سنت والجماعت کے یہ مسالک ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے درمیان واقع ہونے والے مشاجرات کے بارے میں اکابر علماء اہلسنت کی مختلف جماعتوں نے اختیار فرماتے ہیں راقم السطور کے نزدیک ان مسالک میں قوی ترین مسلک پہلا یعنی مسلک "توقف" ہے۔ کیونکہ یہ ان صحابہؓ کرام کا مسلک ہے جو ان حوادث کے وقت موجود اور غیر جانبدار تھے۔ وہ واقعات کے مشاہد تھے اس کے ساتھ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت و مزاج شریعت کی واقفیت و معرفت، تفقہ فی الدین اور فہم و بصیرت کے اعتبار سے صحابہ کرام کا جو درجہ و مرتبہ ہے۔ وہ کسی دوسرے اُمتی کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انھوں نے جو مسلک اختیار فرمایا اسی کو اختیار کرنا ہمارے لئے سب سے بہتر ہے۔ حدیث مسلم بھی جو ابھی چند سطریں پہلے پیش کی گئی یقیناً ان تک پہونچی ہوگی۔ باوجود اس کے انھوں نے توقف کی راہ اختیار فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی کوئی ایسی توجیہہ و تشریح ان کے سامنے تھی۔ جو ان کے مسلک کے مزاحم نہ تھی، بہتر ہے کہ ہم بھی ان پر اور ان کی تشریح حدیث پر جو ہمیں معلوم نہیں، اعتماد کرکے ان کی اتباع کریں۔

علامہ ابن حزمؒ اسی کو جمہور اہلسنت کا مسلک کہتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کے بعد آنے والے ائمہ مجتہدین اور اکابر فقہاء و محدثین کا بھی یہی مسلک ہے۔ اگرچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ کی طرف دوسرا مسلک منسوب کیا ہے۔ علی ہذا امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور جمہور اکابر محدثین کی طرف بھی اسی مسلک کی نسبت کی ہے جو ہم نے بعنوان تیسرا مسلک صفحاتِ گزشتہ میں بیان کیا ہے۔ مگر عقیدۃ الطحاوی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مسلک وہی تھا جو غیر جانبدار صحابہ کرامؓ کا تھا۔ یعنی توقف

اور سکوت، کتاب مذکور مطبوعہ اشرف پریس لاہور (صفر ۱۳۹۲ھ) صفحہ ۶۶ پر امام طحاوی رحمہ اللہ صحابہ کرام کے متعلق عقیدۂ اہلسنت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"ونحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منهم ولا نتبرأ من احد منهم ونبغض من یبغضهم وبغیر الحق یذکرهم۔ ولا نذکرهم الا بالخیر۔ وحبهم دین، وایمان، واحسان وبغضهم کفر و طغیان"

"اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ کسی سے اظہار برأت کرتے ہیں۔ جو ان سے (صحابہؓ سے) بغض رکھتا ہے اور برائی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتا ہے اس سے ہم بغض رکھتے ہیں اور ہم ان کا (صحابہ کرامؓ کا) تذکرہ صرف بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کی (صحابہؓ کی) محبت، دین، ایمان، اور احسان ہے۔ اور ان سے عداوت کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔"

پھر صفحہ ۶۷، ۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"ومن احسن القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ و ازواجه وذریاته فقد بری من النفاق"

"جو شخص صحابہؓ کرام اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت اطہار آپ کی ازواج و ذریت کے متعلق اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بری ہو گیا (یعنی ایسا شخص پکا مومن ہے منافق نہیں ہو سکتا۔)"

☆ ☆ ☆ ☆

علامہ شیخ عبداللہ بن حسن بن حسین حنبلی شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ

(مطبوعہ المطبعۃ السلفیہ مکہ مکرمہ طبع[1] ۱۳۴۹ھ) صفحہ ۴۱۲ پر امام طحاویؒ کی اوّل الذکر عبارت کی شرح میں بذیل فضائل حضرت علیؓ لکھتے ہیں :-

"والفتن التی کانت فی ایامہ قد صان اللہ عنہا ایدینا فنسأل اللہ ان یصون عنہا السنتنا بمنہ وکرمہ"

"اور جو فتنے ان کے زمانہ میں ہوئے ان سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہماری زبانوں کو بھی محفوظ رکھے"

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ملاحظہ ہو یہ وہی مسلک توقف ہے جو پہلے مسلک کے عنوان سے مذکور ہو چکا۔ اس کے بعد اسی "عقیدۃ الطحاوی" کا صفحہ ۲۸ دیکھئے اسی صفحہ سے کتاب کی ابتداء ہوتی ہے۔

اس مقام پر امام طحاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :-

"ھذا ذکر بیان عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ علی مذھب ابی حنیفۃ النعمان بن الثابت الکوفی وابی یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری وابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی رضوان اللہ علیھم اجمعین۔"

"یہ اہلسنت والجماعت کے عقائد کا بیان ہے وہ عقیدے جو امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری اور ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذہب ہے۔"

پھر علامہ تاج الدین سبکیؒ اپنی کتاب معید النعم ومبید النقمؒ میں تحریر فرماتے ہیں :-

---

[1] شرح عقیدۃ الطحاوی مذکور میں یہ عبارت منقول ہے اور اسی سے ہم نے نقل کی ہے۔

| | |
|---|---|
| " وبالجملة عقيدة الاشعري | " الحاصل امام اشعریؒ کا عقیدہ وہی ہے |
| هي ما تضمنته عقيدة الطحاوي | جو عقیدۃ الطحاوی میں مذکور ہے جسے |
| التي تلقاها علماء المذاهب | علماء مذاہب نے قبول کیا اور اسی عقیدہ |
| بالقبول ورضوها عقيدة وقد | پر راضی ہوگئے ہیں اور میں نے اپنی کتاب |
| ختمنا كتابنا جمع الجوامع | جمع الجوامع کو عقیدے کے بیان پر ختم |
| بعقيدة ذكرنا ان سلف | کیا اور یہ بتایا ہے کہ اسلاف امت کا |
| الأمة عليها وهي عقيدة الطحاوي " | یہی عقیدہ ہے اور وہ عقیدۃ الطحاوی ہے " |

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ اکابر محدثین، اور ائمہ سلف کا زیر بحث مسئلہ میں وہی مسلک تھا جو امام اعظمؒ نے اختیار فرمایا اور امام طحاویؒ نے جس کا تذکرہ فرمایا ہے یہ وہی مسلک توقف ہے یہ وہی مسلک ہے جو علامہ ابن حزمؒ نے غیر جانبدار صحابہؓ سے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد دوسرا مسلک جو امام ابوالحسن اشعریؒ وغیرہ بہت سے اکابر اور ائمہ نے اختیار فرمایا ہے قابل ترجیح ہے۔ کیونکہ ان مشاجرات میں ہر فریق کے پاس ایسی دلیل شرعی موجود تھی۔ جس کی غلطی کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے یہی کہنا پڑتا ہے ہر فریق راہ صواب پر تھا۔ اور ہر ایک کا اجتہاد اپنی اپنی جگہ صحیح تھا۔ کسی سے کوئی اجتہادی یا واقعی غلطی نہیں ہوئی۔ سیاسی اقدامات میں بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں جن میں مخطئہ کو بھی مصوبہ کا مسلک اختیار کرنا پڑتا ہے اور وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ مختلف الخیال جماعتوں اور احزاب میں سے ہر ایک کا اجتہاد اپنی جگہ صحیح ہے۔ اگر سیاسی اعتبار سے کسی کی غلطی بھی ثابت ہو جائے۔ تو بھی صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اجتہاد سیاسی غلط تھا۔

مگر اس سے اجتہاد شرعی کا غلط اور خطا ہونا لازم نہیں آتا۔ دونوں قسم کے اجتہادوں کا فرق معمولی تامل سے واضح ہوجاتا ہے۔

واضح ہوچکا ہے تیسرے مسلک کا تعلق صرف حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلاف سے ہے جنگ جمل کے سلسلہ میں اس کا تعلق صرف حضرت علیؓ کے رویہ سے ہے۔ حضرات اصحابؓ جمل نے ترک اولیٰ نہیں فرمایا۔ بلکہ شروع سے آخر تک ان کا عمل اولیٰ ہی پر رہا۔ مگر جواز شرعی کے حدود سے ان دونوں حضرات نے کبھی تجاوز نہیں فرمایا۔ گویا جواز شرعی کی حد تک دونوں حضرات کا اجتہاد "صواب" اور صحیح تھا۔ "ترک اولیٰ" جواز وصحت کے منافی نہیں۔ اگر "تصویب" کو ان معنی میں لیا جائے تو یہ مسلک اور مُصَوِّبہ کا مسلک ایک ہی ہوجاتا ہے۔ یعنی دونوں کے درمیان کوئی تناقض نہیں نظر آتا۔ حدیث نبوی سے ماخوذ ہونے کی بناء پر یہ مسلک بھی قوی اور پسندیدہ ہے۔

سب سے آخر میں اس مسلک کا تذکرہ مناسب ہے جو متاخرین نے عموماً اختیار کیا ہے۔ یعنی یہ کہ اختلافات اجتہادی تھے۔ اور حضرت علیؓ مجتہد مصیب تھے جبکہ ان سے اختلاف کرنے والے خواہ اصحاب جمل ہوں یا اصحاب صفین مجتہد مخطی تھے۔ یہ مسلک اس قدر مشہور ہوا کہ مذکورہ بالا مسالک اکابر سلف اس کے پیچھے چھپ گئے۔ لیکن شہرت وصحت لازم وملزوم نہیں۔ جنگ جمل وصفین پر جو بحث صفحات سابقہ میں کی گئی ہے۔ اسے دیکھ کر ہر قاری سہولت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ یہ مسلک باوجود شہرت ومقبولیت تمام درحقیقت بالکل غلط، بے دلیل، بلکہ خلاف دلیل ہے۔ خصوصاً حضرات اصحابؓ جمل کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے سبائیوں

کے خلاف فوج کشی کر کے اجتہادی غلطی کی، سخت زیادتی ہے۔ یہ حقیقت مدلل اور منفصل طریقہ سے واضح کی جا چکی ہے کہ ام المومنین صلوات اللہ علیہا اور حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے رفقاء کرام کا یہ اقدام جہاد فی سبیل اللہ اور ہر طرح مناسب، لائق تحسین اور دین حق کے لئے مفید تھا مزید یہ کہ مسلک غیر جانبدار صحابہ و اکابر تابعین کے مسلک کے خلاف ہونے کے علاوہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے جس پر ابھی بحث ہو چکی۔ اس کا ماحصل تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ دونوں حضرات سے اجتہادی غلطی ہوئی البتہ حضرت علیؓ اقرب الی الحق تھے اور یہ غلطی صرف ترک اولی کی غلطی تھی۔ ورنہ شرعاً دونوں حضرات کے اقدامات بالکل جائز تھے صرف حضرت معاویہؓ کے اجتہاد کو غلط کہنا اس حدیث کے بھی خلاف ہے۔

اختتام بحث پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس امر پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔ باوجود کمزور بلکہ بے زور اور بے دلیل نیز مسلک سلف کے مخالف ہونے کے زیر بحث مسلک کو اس قدر شہرت کیوں حاصل ہوئی؟ اور متاخرین میں اس کی مقبولیت کی کیا وجہ ہے؟

دینی زاویہ نظر سے اسلامی تاریخ کا مطالعہ بشرطیکہ بنظر غائر ہو، اس سوال کا جواب پیش کر سکتا ہے۔ اس مطالعہ سے اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہمارے سامنے آتے ہیں :-

شیعہ مورخین یعنی طبری، واقدی، ابن اسحٰق وغیرہ نے بکثرت جھوٹی روایتیں وضع کیں اور موضوع روایتیں جمع کیں نیز واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور حضرات اصحاب جمل و اصحاب صفین کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا اس

قدر قوت اور شدت کے ساتھ کیا کہ ان حضرات کے خلاف ایک فضا بن گئی۔ اس مسموم اور مذموم فضا سے بعض علماء اہلسنت بھی متاثر ہوئے وہ اس حد تک تو نہ جا سکے کہ ان حضرات کی مذمت کرتے۔ لیکن اس قدر متاثر ہوئے کہ ان حضرات کے اقدام کو خطاء اجتہادی کہنے لگے۔ تقلیدی مذاق کے غلبہ کی وجہ سے بعد کو آنے والے علماء نے بھی ان کی پیروی کی۔ اس طرح یہ مسلک مشہور و مقبول ہو گیا۔

یہ تو مسلمہ امر ہے کہ ان واقعات کے وقت جو غیر جانب دار صحابہؓ اور تابعین موجود تھے ان کا یہ مسلک نہ تھا۔ ان کے بعد بھی ایک مدت تک فقہاء و ائمہ مجتہدین اور جمہور محدثین میں یہ مسلک معروف نہ تھا۔ تاریخ میں اس کی ابتداء کا سراغ اس وقت ملتا ہے جب عباسی دعوت شروع ہوئی اس وقت بنو امیہ کی مخالفت میں عباسی داعیوں کے بیانات فضا پر چھا گئے ان داعیوں میں بکثرت روافض تھے۔ جنہوں نے ان کے اور ان کے ساتھ اصحاب جمل کے خلاف جھوٹ اور بہتان کے انبار کر دیئے اس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو نمایاں کرنے میں غلو اور مبالغہ کے حدود میں داخل ہو گئے۔ اس پروپیگنڈے سے عوام کے ساتھ علماء کا بھی ایک طبقہ متاثر ہوا۔ پھر جب عباسی دعوت کامیاب ہو گئی۔ تو اس کی سیاسی مصلحت کا تقاضا ہوا کہ امویوں کے وقار کو گھٹایا اور ان کی وقعت کو دلوں سے مٹایا جائے اس وقت سرکاری علماء کا طبقہ بھی وجود میں آ گیا، جو بنو امیہ کے دور میں بالکل مفقود تھا۔ ان حالات نے بعض علماء خصوصاً سرکاری علماء کے رجحانات پر اثر ڈالا۔ حضرت علیؓ کے ساتھ ان کی ہمدردی میں اضافہ اور ان سے اختلاف کرنے والوں کے ساتھ ہمدردی

نہ اسی تناسب سے کمی ہوئی۔ اس کیفیت میں مزید شدت اس وجہ سے بھی پیدا ہوئی کہ خوارج اور نواصب نے حضرت علیؓ کی شان میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کیں۔ اہلسنت کے لئے یہ چیز بہت ناخوشگوار اور اشتعال انگیز تھی۔ حمیت دینی کا تقاضا تھا کہ آں محترم کی جانب سے دفاع کیا جائے ایسے مواقع پر حدود سے تجاوز کر جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ مخالفین جنگ جمل وصفین میں خون ریزی کی ساری ذمہ داری حضرت علیؓ پر ڈال رہے تھے خوارج تو خیر حضرت معاویہؓ کے بھی مخالف تھے مگر نواصب تو ہر طرح حضرت علیؓ ہی کو الزام دیتے تھے اس فضا میں علماء اہلسنت کے ایک گروہ نے زیر بحث مسلک اختیار کیا۔ ان میں سے بعض کی نسلی عصبیت نے بھی اس مسلک میں مزید جاذبیت پیدا کر دی۔ ان کے بعد آنے والے علماء نے بھی ان کے اعتماد پر اسی کو اختیار کر لیا۔ تحقیق کی طرف توجہ نہ کی۔ برصغیر ہند و پاکستان میں علوم زیادہ تر خراسان وایران کی راہ سے آئے۔ ان مقامات کی آب و ہوا پہلے ہی سے اس مسلک کے موافق تھی۔ اس لئے ہمارے ملک میں اسی کا چرچا ہو گیا اور اکابر واصاغر میں یہی مسلک مشہور ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری، امام غزالی بعض دوسرے اکابر نے جو مسلک تصویب فریقین کی اشاعت فرمائی اس سے زیر بحث غلط مسلک کی تردید اور مسلک سلف کی ایک گونہ تجدید بھی مقصود تھی۔ مگر فضا مناسب نہ تھی۔ اس لئے ان حضرات کے مسلک سے عام طور پہ بے رخی برتی گئی اور وہی زیر بحث مسلک مقبول رہا۔ جس کی بنیاد کسی دلیل کے بجائے جذبات ورجحانات پر ہے۔

اس مقام پر یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ زیر بحث مسلک پر

اس بحث کا مقصد محض علمی تحقیق ہے۔ اس کے قائلین پر اعتراض مقصود نہیں وجہ یہ ہے کہ دلیل کی کمزوری اور بات ہے مگر فی نفسہ اس مسلک میں کوئی بات اصول اہلسنت کے خلاف نہیں نہ اس سے کوئی شرعی قاعدہ ٹوٹتا ہے اور نہ اس میں بے ادبی کا شائبہ ہے۔ کسی صحابی کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں اس لئے جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسلک بالکل غلط اور مسلک سلف کے خلاف ہے۔

# ضمیمہ (۱)

## ابو جعفر محمد بن جریر طبری (مورخ و مفسر) کا مذہب

میں نے اظہار حقیقت جلد اول میں لکھا تھا کہ شیعہ مورخین اور رواۃ نے اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے اور تاریک بنانے کی مسلسل کوشش کی ہے خصوصاً اسلام کی ابتدائی دو صدیوں کے بارے میں تو انھوں نے جھوٹ بولنے، غلط بیانی کرنے، اور خیانت و بدیانتی کر کے واقعات کو مسخ کرنے میں اپنی پوری ذہانت صرف کر دی۔ ایک افسوسناک واقعہ ہے کہ دور مذکور کی جو تاریخیں اس وقت موجود ہیں۔ ان سب کا اصل ماخذ شیعہ مورخین ہی کے تصانیف اور روایات ہیں اس دور کی کوئی ایسی تاریخ موجود نہیں جو کسی سُنّی نے لکھی ہو اور جس کا ماخذ شیعہ رواۃ و مورخین کے بیانات نہ ہوں۔ شیعہ مورخین ازراہِ تقیہ و نفاق خود کو سُنّی ظاہر کرتے تھے اور اہلسنت کو فریب دے کر گمراہ کرنا ان کا مشن اور مقصد تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم محمد بن جریر طبری ہے جس کی تاریخ بعد کے شیعہ اور سُنّی مورخین کی کتابوں کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ یہ شخص شیعہ تھا۔ ازراہ تقیہ و نفاق خود کو سُنّی ظاہر کرتا تھا۔ تاکہ اہل سنت کو فریب دینا آسان ہو جائے۔ اس کا کافی و شافی ثبوت بھی پیش کر چکا ہوں۔ لیکن دوران تحریر جلد ثانی اس کا کچھ مزید ثبوت ہاتھ آیا۔ خیال ہوا

کہ اسے بطورِ ضمیمہ جلد ثانی کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور اس سلسلہ میں عام طور پر جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں انھیں بھی دور کر دیا جائے میں نے عرض کیا تھا کہ لسان المیزان میں علامہ ابن حجرؒ نے اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "فیہ تشیع یسیر ولہ موالاۃ لا تضر اس طرح اس کی شیعیت کا تو اقرار فرمایا مگر "یسیر" اور "لا تضر" کے الفاظ اپنی طرف سے لکھ کر اس کے جرم کو ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیان واقعہ تو فیہ تشیع" کے فقرے پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ان کی رائے ہے۔ بیان واقعہ نہیں۔ اور اس رائے کو صحیح تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ امام ذہبی نے بھی میزان الاعتدال میں ابن جریر مذکور کے تشیع کا اقرار کیا ہے۔ مگر اسے "یسیر" کہہ کر اس کی شناعت کو کم کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے امام ذہبی نے اسی میزان میں علامہ احمد بن علی المعروف امام سلیمانی کا مندرجہ ذیل قول بھی اس کے متعلق نقل کیا ہے :۔

کان یضع للروافض — روافض کے لئے روایتیں وضع کیا کرتا تھا

علامہ ابن حبان نے اسی طبری کے متعلق لکھا ہے۔ ھو امامٌ من ائمۃ الامامیۃ "یعنی وہ امامیہ، (شیعوں) کا امام (مقتدیٰ) ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ابن حجر اور ذہبی نے ابن جریر کی شیعیت کی جو تردید کی ہے وہ کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اس سلسلہ میں اتنا اور عرض کرنا ہے کہ علامہ ابن حجر کا زمانہ ولادت ۷۷۳ھ اور زمانہ وفات ۸۵۲ھ جبکہ علامہ ابن حبانؒ کی ولادت ۲۷۰ھ اور وفات ۳۵۴ھ میں ہوئی یہ ابن حجر کے سلسلہ مشائخ میں داخل ہیں اور زمانہ کے لحاظ سے بہ نسبت ابن حجر ابن جریر کے زیادہ قریب ہیں۔ اس کے حال سے جتنی واقفیت انہیں

ہو سکتی تھی وہ ابن حجر کو نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ان کا قول قابل اعتماد
ہے۔ اور علامہ ابن حجر کی تردید بے وزن۔

امام حافظ احمد بن علی سلیمانیؒ کا زمانہ تو ابن جریر کے زمانہ سے اور
زیادہ قریب ہے۔ اس کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ سلیمانی کی ولادت
۳۲۱ھ اور وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی۔ گویا اس کی وفات اور ان کی ولادت
کے درمیان صرف گیارہ سال کا فاصلہ ہے۔ ان کے والد بزرگوار نے ابن
جریر کو ضرور دیکھا ہوگا۔ بلکہ ان کے بعض اساتذہ نے بھی اسے دیکھا ہوگا۔
اس کے شاگردوں کو تو سلیمانی نے بھی دیکھا ہوگا۔ ان حالات میں اس کے
مذہب کے متعلق ان کی رائے اور اطلاع زیادہ وقیع اور قابل اعتماد
ہے۔ انھوں نے جو تحریر فرمایا ہے کہ وہ رافضی تھا اور روافض کے لئے
روایتیں وضع کیا کرتا تھا۔ اسی کو صحیح مانا جائے گا۔ علامہ ذہبی کی تردید
بالکل ساقط الاعتبار اور بے وزن ہے۔ کیونکہ ان کی ولادت ۶۷۳ھ
میں ہوئی یعنی جب طبری کی وفات کو تین سو تریسٹھ (۳۶۳) برس گذر چکے تھے۔ ابن
حجر کا زمانہ تو اور بعد کا ہے۔ یعنی وہ تو آٹھویں صدی میں پیدا ہوئے جبکہ ابن
جریر کی وفات کو تقریباً پانچ سو برس گذر چکے تھے۔ اس لئے امام سلیمانی
یا ابن حبان کے مقابلے میں ان کا قول بے وقعت ہے۔

علامہ ابن حجر نے لسان میں اس کا ایک قول نقل کیا ہے۔ جس سے وہ یہ
ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ رافضی نہ تھا۔ مگر وہ قول ذو معنیین ہے۔ اس لئے
صفائی میں نہیں پیش کیا جاسکتا۔ روافض بکثرت اس قسم کی باتیں کر کے اہلسنت
کو فریب دیتے ہیں۔ اور جب اپنے ہم مذہبوں سے ملتے ہیں تو اپنے مقتدا اوّل
کی طرح "انما نحن مستهزؤن" کہہ کر اس کے وہ معنی بیان کرتے

ہیں جو اُن کے دل میں تھے۔ اور ان لوگوں سے نفاق کی داد حاصل کرتے ہیں
یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ علامہ ابن حجر طبری کی صفائی پیش کرنے کے بعد لکھتے
ہیں:۔ "والعلم عند اللہ" یہ فقرہ غمازی کر رہا ہے کہ موصوف کو خود اس صفائی پر
اعتماد نہیں۔

## ثبوت مزید

اب طبری مذکور کے رفض کے دو قوی ثبوت اور ملاحظہ ہوں:۔

(۱) یاقوت حموی معجم البلدان ج ۱ ص۶۳ پر شہر آمل کے تذکرے میں
لکھتے ہیں:۔ کہ ابن جریر کا مولد "آمل" تھا۔ اس لئے بعد لکھا ہے کہ ابوبکر محمد بن
العباس الخوارزمی نے جو آملی، اور ابن جریر کا بھانجا اور شاگرد تھا کہا ہے:۔

بآمل مولدی وبنو جریر　　فاخوالی ویحکی المرءُ خاله
فهاانا رافضی عن تراث　　وغیری رافضی عن کلالة

(ترجمہ) "آمل میری جائے پیدائش ہے اور بنو جریر میرے ماموں
ہیں اور آدمی اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے۔ تو میں لوگو میں وراثتاً رافضی
ہوں۔ اور دوسرے لوگ دور کے تعلق سے رافضی ہیں۔"

یاقوت حموی نے اسے نقل کر کے خوارزمی مذکور کے قول کو غلط قرار
دیا ہے۔ مگر بے دلیل۔ ظاہر ہے کہ خوارزمی مذکور ابن جریر کا بھانجا اور اس
کا شاگرد ہے۔ وہ اپنے ماموں اور استاد کے حال سے خوب واقف
تھا۔ یاقوت نے ۶۲۶ھ میں وفات پائی۔ ان کے اور ابن جریر کے درمیان
تین صدیوں سے زیادہ زمانہ حائل ہے۔ انھوں نے تو اس کے شاگردوں کو
بھی نہ دیکھا ہوگا اس لئے خوارزمی کا بیان صحیح مانا جائے گا کہ ابن جریر رافضی
تھا۔ یاقوت کا بیان یقیناً غلط ہے ابن جریر کے بھانجے اور شاگرد کے

اس صاف اور صریح بیان کے بعد بھی اسے سُنی کہنا کھلی ہوئی زیادتی ہے۔

(۲) علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اپنی مشہور کتاب المنتظم فی تاریخ الملوک والامم (مطبوعہ دارالمعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۷ھ ج ۶ صفحہ ۱۷۲ پر محمد بن جریر طبری مذکور کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| "ولد فی آخر سنۃ اربع واول سنۃ خمس وعشرین ومأتین وتوفی وقت المغرب من عشیۃ الاحد لیومین بقیا من شوال سنۃ عشر وثلث مائۃ ودفن وقد اضحی النھار یوم الاثنین برحبۃ یعقوب فی ناحیۃ باب خراسان فی حجرۃ بازاء دارہ وقیل بل دفن لیلا ولم یؤذن بہ احد وذکر ثابت بن سنان فی تاریخہ انہ انما اخفیت حالہ لان العامۃ اجتمعوا ومنعوا من دفنہ بالنھار وادعوا علیہ الرفض ثم ادعوا علیہ الالحاد۔ قال المصنف کان ابن جریر یری جواز المسح علی القدمین ولا یوجب غسلھا | "طبری مذکور ۲۲۴ھ کے آخر اور ۲۲۵ھ کی ابتدا میں پیدا ہوا۔ اور ۳۱۰ھ میں ۲۸ شوال کو بروز اتوار بوقت مغرب فوت ہوا دوشنبہ کو دن چڑھے رحبہ یعقوب میں باب خراسان کے قریب اپنے مکان کے سامنے ایک حجرے میں دفن کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ رات کو مدفون ہوا اور اس کے دفنانے میں شرکت کے لئے کسی کو اطلاع نہیں دی گئی۔ ثابت بن سنان نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ (اس کی تدفین کا) حال اس لئے مخفی رکھا گیا کہ عوام جمع ہو گئے اور اس کے دفن سے مانع ہوئے اور اس پر پہلے رافضیت کا اور پھر الحاد کا الزام لگایا۔ مصنف (ابن جوزیؒ) کہتے ہیں کہ ابن جریر پاؤں پر مسح کا قائل تھا اور ان کے دھونے کو فرض نہیں سمجھتا تھا۔ اسی لئے اسے رافضی کہا گیا۔ اس کے |

فلهذا نسب الی الرفض۔ وکان
قد رفع فی حقه ابوبکر بن
داؤد قصة الی نصر الحاجب
یذکر عنه اشیاء فانکرها
منها انه نسبه الی رأی جهم
وقال انه قال (بل یداه
مبسوطتان) ای نعمتاه فانکر
هذا وقال ماقلته۔ ومنها
انه روی ان روح رسول الله صلی
الله علیه لما خرجت سالت
فی کف علی فحساها فقال
انما الحدیث رمسح بها
علی وجهه ولیس فیه
حساها) قال المصنف
رحمه الله وهذا محال
ایضًا الا انه کتب ابن جریر
فی جواب هذا الی نصر الحاجب
لاعصابة فی الاسلام کهذه
العصابة الخسیسة، وهذا
قبیح منه لانه کان
ینبغی ان یخاصم من خاصمه

بارے میں ابوبکر بن داؤد نے بات نصر
حاجب تک پہونچائی۔ اور اس پر کئی الزام
لگائے۔ جن کا اس نے انکار کر دیا۔
ان میں سے ایک الزام یہ تھا کہ وہ "جہم" کا
ہم خیال ہے اور بتایا کہ وہ (ابن جریر) آیت
قرآنی (بل یداہ مبسوطتان) کی تفسیر نعمتاہ
کرتا ہے۔ اس نے (ابن جریر نے) اس الزام
سے انکار کیا کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا ان
میں سے ایک الزام یہ تھا کہ اس نے (ابن
جریر نے) یہ روایت بیان کی ہے کہ جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک خارج
ہوئی تو حضرت علی کی ہتھیلی پر آ گئی اور وہ
اسے نگل گئے۔ (اس کے جواب میں ابن جریر
نے) کہا کہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ اسے
"نگل گئے" بلکہ یہ ہے کہ انھوں نے اسے
(آنحضور کی روح مبارک کو) اپنے چہرے پر مل لیا
مصنف (ابن جوزی) کہتے ہیں کہ یہ بھی غیر
ممکن ہے (یعنی روح مبارک حضرت علی کے
ہاتھ پر آنا اور ان کا اسے چہرے پر مل لینا
بھی محال ہے)۔ باوجود اس کے ابن جریر نے
اس کے جواب میں نصر حاجب کو لکھا کہ اسلام

واما ان یذم طائفتہ جمیعاً
وھو یدری الی من ینتسب
فغایۃ فی القبح۔

یعنی کوئی جماعت اس ذلیل جماعت کی ایسی نہیں ہے مصنف رحمہ اللہ (ابن جوزیؒ) کہتے ہیں کہ اس کی (ابن جریر) کی یہ بات بہت بری ہے۔ اس کا جس سے جھگڑا تھا اسی کو کہتا۔ مگر اس کی پوری جماعت کو برا کہا اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ کس جماعت سے تعلق رکھتا ہے انتہائی قبیح بات ہے۔

علامہ ابن جوزی نے اس کا پورا نام "محمد بن جریر بن کثیر بن غالب ابو جعفر الطبری لکھا ہے۔ محمد بن جریر میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ مگر اس کے بعد ناموں میں اختلاف ہے (جس کی تفصیل انشاء اللہ چند سطروں کے بعد ملاحظہ سے گزریگی۔

علامہ ابن جوزیؒ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جریر مسح رجلین کا قائل تھا اور یہ شیعوں کا مسلک ہے۔ اہلسنت کا اجماع ہے کہ وضو میں دونوں پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ پاؤں کے مسح کا قائل ہونا شیعیت کی نمایاں علامت ہے، اس سے بڑھ کر رفض کی علامت وہ فاسد عقیدہ ہے۔ جسے طبری نے بصورت روایت بیان کیا ہے۔ یہ خیال کہ العیاذ باللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس حضرت علیؓ کی ہتھیلی پر آگئی اور انھوں نے اپنے چہرے پر مل لی بالکل باطل اور سراپا گمراہی بلکہ کفر ہے۔ کیا کوئی سُنّی یہ باطل عقیدہ رکھ سکتا ہے؟ سوا شیعوں کے اس قسم کا عقیدہ کسی کا نہیں ہوسکتا۔ اس سے روز روشن کی طرح روشن ہے کہ طبری شیعہ اور غالی رافضی تھا۔

طبری مذکور کی رافضیت پر جو دلائل جلد اوّل میں مذکور ہوئے ان پر مندرجہ بالا دو دلیلوں کا اضافہ کیجئے، ان میں سے ہر دلیل اپنی جگہ اثبات مدعا کے لئے

کافی ہے، مگر سبائی سحر کا کرشمہ ہے کہ علماء اہل سنت کی بڑی تعداد اسے رافضی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور اسے "امام ابوجعفر طبری" کہتی ہے۔

## دو۲ ابن جریر یا ایک

جو حضرات ابن جریر مذکور کو سنی کہنے پر مصر ہیں کہتے ہیں کہ ابن جریر دو تھے۔ محمد بن جریر بن یزید۔ یہی شخص تاریخ طبری اور تفسیر طبری کا مؤلف ہے۔ اور یہ سنی تھا۔ دوسرا محمد بن جریر بن رستم ہے۔ جو غالی شیعہ تھا۔ جن لوگوں نے زیر بحث ابن جریر کو شیعہ کہا ہے انھیں دھوکا ہوگیا۔ ابن جریر ابن یزید کو انھوں نے ابن جریر بن رستم سمجھ کر رفض کو اس کی جانب منسوب کردیا۔

اس غلط تاویل کا ایک جواب تو میں جلد اول میں دے چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ یہ بات بالکل غلط بلکہ نہایت لغو ہے۔ سلیمانی، ابن حبان کے ایسے صاحبان علم و دانش اور فن رجال کے ماہرین کا ایسا دھوکہ کھانا بعید از قیاس ہے۔ پھر یہ کہ اس کا ثبوت کیا ہے کہ ان حضرات نے دھوکہ کھایا؟ مزید یہ کہ علامہ ذہبی و علامہ ابن حجر جو اس کی طرف سے دفاع کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس کے تشیع کے معترف ہیں صرف غالی شیعہ ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ مگر یہ نفی بے دلیل ہے۔ اس لئے قابل التفات نہیں۔ علاوہ بریں شیعہ ہونا ہی ناقابل اعتماد ہونے کے لئے کافی ہے۔ غالی ہونا ضروری نہیں۔ المنتظم اور معجم البلدان سے جو منقول ہوا۔ اس میں تو اس دھوکہ والی غلط بات کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ ان دونوں کتابوں کے فاضل مصنفین نے تو صاف صاف اسی مشہور ابن جریر کے متعلق گفتگو کی ہے جو "تاریخ طبری و تفسیر طبری" کا مؤلف ہے

اس بحث کی ضرورت تو اس صورت میں ہے جب دو۲ "ابن جریر" فرض کئے جائیں

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دوئی کا تصور ہی غلط ہے۔ ابن جریر ابن یزید اور ابن جریر بن رستم ایک ہی شخص ہے۔ اس کے دادا کا نام رستم تھا۔ وہ کافر تھا۔ جب مسلمان ہوا تو یزید نام رکھا گیا۔ رستم اور یزید ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ ایک نام اسلام لانے سے پہلے کا ہے اور دوسرا اسلام لانے کے بعد کا۔ یہ شبہ صحیح نہیں کہ شیعہ کا نام "یزید" کیسے رکھا گیا؟ کیونکہ اس زمانہ میں شیعہ "یزید" نام رکھنے میں کوئی تکلف نہ کرتے تھے۔ دوسرے ہوسکتا ہے کہ مسلمان ہوتے کے وقت وہ شیعہ نہ ہوا ہو۔ رافضیت بعد کو اختیار کی ہو۔ یا بطور تقیہ یہ نام اختیار کیا ہو۔ تاکہ اہلسنت کو فریب دینا آسان ہو جائے یا وہ خود شیعہ ہی نہ ہوا ہو۔ جریر یا ابن جریر نے رافضیت اختیار کی ہو۔ مختصر یہ کہ دادا کے نام کی وجہ سے پوتے کے مذہب کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ محمد بن جریر کی رافضیت اپنی جگہ ثابت ہے خواہ اس کے دادا کا نام یزید ہو یا کچھ اور۔

محمد بن جریر بن یزید اور محمد بن جریر بن رستم دونوں کا تذکرہ اہلسنت اور شیعوں دونوں کی کتب رجال میں ملتا ہے۔ اول الذکر کو دونوں کی کتابوں میں سنی ظاہر کیا گیا ہے۔

ثانی الذکر کو شیعہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوئی کا تصور شیعوں ہی کا فریب ہے۔ جس میں بعض علماء اہلسنت مبتلا ہو گئے۔ قرینہ یہ ہے کہ علامہ سلیمانی جن کا زمانہ ابن جریر کے زمانہ سے قریب ہے اور جو شیعی اسماء الرجال کے وجود میں آنے سے قبل گذرے ہیں، ابن جریر مذکور کو رافضی کہتے ہیں۔ اور دو ابن جریرؒ کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ یہ دوئی کا تصور شیعی اسماء الرجال کے وجود میں آنے کے بعد ہی پیدا ہوا۔ اور شیعوں کا کید و فریب ہے۔ چونکہ مورخ و

مفسر ابن جریر طبری نے تقیہ و نفاق کا لبادہ اوڑھ کر اور خود کو سُنّی ظاہر کر کے شیعیت کی خوب تبلیغ کی۔ تاریخ و تفسیر دونوں میں شکر لپیٹ کر رفض کا زہر ناواقف اہلسنت کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی اور سراپا کذب دروغ موضوع روایتیں اور شیعہ وضاعوں کذابوں کی بیان کردہ جھوٹی حکایتیں مدون کر کے شیعہ مذہب کے لئے بنیادیں فراہم کیں۔ اس لئے شیعی علماء نے اس کی کوشش کی کہ مرنے کے بعد اس کی لاش بھی تقیہ و نفاق کے کفن سے ڈھکی رہے۔ تاکہ اہلسنت ہمیشہ دھوکہ کھاتے رہیں۔ اس مقصد سے انھوں نے "دو ابن جریر" کا افسانہ تراشا۔ اور اہلسنت کو فریب میں مبتلا کر دیا۔ ثبوت مزید کے لئے شیعوں کی کتاب نہج البلاغہ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ اہلسنت کے نزدیک تو یہ کتاب سرے سے ساقط الاعتبار ہے۔ مگر شیعہ اسے حضرت علیؓ کے خطبات کا مجموعہ کہتے ہیں اور بمنزلہ کتاب اللہ سمجھتے ہیں۔ اس میں جو خطبات منقول ہیں ان میں بڑی تعداد تاریخ طبری سے ماخوذ ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر ابن جریر طبری مورخ سُنّی ہوتا تو شیعہ اس کی کتاب پر اعتماد کیوں کرتے؟ اور یہ جعلی خطبات اس سے کیوں نقل کرتے؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شیعہ تھا اور شیعہ بھی اسے شیعہ ہی سمجھتے تھے مگر اہلسنت کو دھوکہ دینے کے لئے اسے سُنّی مشہور کر دیا۔ اور ایک ابن جریر کے دو بنا دیئے۔ پھر یہ بھی بعید از قیاس ہے کہ طبریہ کی ایسی چھوٹی سی بستی میں دو شخص ایسے ہوں جن کے نام ولدیت۔ وقت ولادت و وفات ایک ہی ہوں۔ دونوں مورخ ہوں اور شہرت حاصل کریں مگر عوام و خواص ان کے درمیان کی کوئی علامت نہ مقرر کریں۔ اور وہ خود بھی اس امتیاز کی کوئی کوشش نہ کریں۔

## نام کے بارے میں اختلاف

اس حد تک تو متفق علیہ ہے کہ اس شخص کا نام ابوجعفر محمد بن جریر تھا۔ مگر اس کے بعد اختلاف ہے۔ فہرست ابن ندیم میں اس کا نام ابوجعفر محمد بن جریر ابن یزید بن خالد لکھا ہے اور شیعہ عالم رجال نجاشی نے یزید کے باپ کا نام کثیر بن غالب لکھا ہے۔ علامہ ابن جوزی سے منقول ہو چکا کہ انھوں نے بھی جریر کے باپ کا نام کثیر بن غالب بتایا ہے۔ تو کیا ان سب کو الگ الگ شخصیتیں سمجھا جائے گا؟ اگر نہیں تو ابن جریر بن رستم کو ابن جریر بن یزید کے علاوہ الگ اور مستقل شخصیت فرض کرنے کی کیا وجہ؟ یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ ایک ہی ابن جریر ہے۔ جس کے دادا پردادا کے نام میں اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کے ذیل میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کے دادا کا نام بعض کے نزدیک "یزید" یا "کثیر" کے بجائے "رستم" ہے۔ شخص ایک ہی ہے۔ صرف داد کے نام میں اختلاف ہے۔

## ائمہ و اکابر علماء کا طبری سے اعراض

کسی شخص کے قابل اعتماد یا ناقابل اعتماد ہونے کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے اس کے ساتھ ان ثقہ فہیم اور قابل اعتماد اشخاص کا رویہ اور طرز عمل بھی فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے جو اس کے زمانہ میں موجود اور اس کے اس قدر قریب ہوں کہ اس کے حالات سے آگاہ ہو سکتے ہوں خصوصاً جب کوئی ایسا سبب بھی موجود ہو جو اس کے حالات معلوم کرنے اور اس سے تعلق قائم کرنے کا محرک ہو۔ اس زاوئے سے ابن جریر طبری مذکور کی حالت

پر غور کیجئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل ائمہ محدثین اس کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور ان سے اس کی ملاقات ممکن بلکہ بہت سہل تھی۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اس سے کوئی روایت نہیں لیتا۔ نہ طبری ان سے کوئی روایت لیتا ہے۔ ان حضرات میں سے کوئی اس کی توثیق بھی نہیں کرتا۔ نہ کوئی کلمۂ خیر اس کے بارے میں کہتا ہے۔ بلکہ سب اسے نظر انداز کرتے ہیں اور اسے قابل ذکر بھی نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ حضرات جمع روایات کے شائق تھے۔ اور ان کی عظمت وشہرت کی وجہ سے مشتاقان حدیث دور دور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ انھوں نے سفر بھی بکثرت کئے۔ طبری نے بھی سفر کئے اور بغداد میں مدت تک رہا۔ وہ خود بھی مشہور ہو چکا تھا۔ یہ بات بعید از قیاس بلکہ محال عادی نظر آتی ہے کہ یہ حضرات طبری سے اور وہ ان سے ناواقف ہوں، باوجود اس کے ان حضرات کا اسے نظر انداز کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ حضرات اسے ثقہ اور قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے یہ ائمہ محدثین صحاح ستہ کے مولفین ہیں۔ جن کے اسماء گرامی مع سن وفات درج ذیل ہیں اسی کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی وفات کے وقت طبری کا سن کیا تھا؟ ملاحظہ ہو۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| امام بخاری | متوفی | سنہ ۲۵۶ھ | ابن جریر اس وقت ۳۲ سال کا تھا | |
| امام مسلم | " | سنہ ۲۶۱ھ | " " | ۳۷ " " |
| امام ابن ماجہ | " | سنہ ۲۷۳ھ | " " | ۴۹ " " |
| امام ابوداؤد | " | سنہ ۲۷۵ھ | " | ۵۱ " " |
| امام ترمذی | " | سنہ ۲۷۹ھ | " " | ۵۵ " " |

امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ ابن جریر اس وقت ۹۷ سال کا تھا

ان حضرات کے علاوہ اس زمانہ کے اکابر علماء میں سے کسی نے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ توثیق بھی نہ کی۔ نہ اسے قابل اعتنا سمجھا۔ اس کی وفات سے ایک صدی کے بعد خطیب بغدادی نے اس کی کتابیں دیکھ کر اس کے علم کی تعریف کی۔ مگر اس کی توثیق انھوں نے بھی نہ کی۔ انھوں نے نہ اسے دیکھا تھا نہ اس کے شاگردوں کو دیکھا تھا۔ توثیق کرتے بھی تو قابل اعتبار نہ ہوتی۔ باوجود اس کے انھوں نے اس کے لئے توثیق کا کوئی لفظ نہیں استعمال کیا۔ علم کی تعریف توثیق کے مرادف نہیں۔ نہ اسے مستلزم ہے۔ صاحب علم تو رافضی بھی ہو سکتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مشہور محدث ابن خزیمہ نے طبری کے متعلق اس کی تفسیر دیکھ کر کہا کہ :۔ "میں نے روئے زمین پر اس سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ اور حنابلہ نے اس پر بہت ظلم کیا (یعنی اسے رافضی کہا) ابن خزیمہ کا یہ قول ابن خالویہ حسین ابن احمد ان سے روایت کرتا ہے۔ اور یہ اس کا ان پر افترا و بہتان ہے۔ ابن خالویہ مذکور رافضی ہے۔ علامہ ابن حجر لسان المیزان ج ۲ میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :۔

| | |
|---|---|
| "کان اماميا عالما بالمذهب | " (ابن خالویہ) امامی (شیعہ) تھا اور اپنے |
| وقد قرء ابو الحسين النصيبي | مذہب کا عالم تھا۔ ابو الحسین نصیبی شیعی |
| وهو من الامامية عليه كتابه | نے اس کی وہ کتاب اس سے پڑھی ہے جو |
| في الامامة" | اس نے مسئلہ امامت پر لکھی تھی۔" |

ابن خالویہ سنیوں کو دھوکہ دینے کے لئے طبری کو سنی اور قابل اعتماد ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد سے اس نے یہ روایت وضع کی اور مندرجہ بالا قول

گڑھ کر ابن خزیمہؒ کی طرف منسوب کر دیا۔ انھوں نے یہ بات نہیں فرمائی۔ ہماری بات کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ابن خزیمہؒ نے طبری سے کوئی روایت نہیں لی۔ حالانکہ یہ اس کے معاصر تھے۔ ان کی ولادت ۲۲۳ھ میں طبری کی ولادت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ اور وفات ۳۱۱ھ میں یعنی اس کی وفات سے ایک سال بعد ہوئی۔ متاخرین علماء اہلسنت کا اس کی مدح و توثیق کرنا اسے ثقہ اور سُنّی سمجھنے کے لیے کافی نہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان علماء متاخرین کو اس کا علم کیسے ہوا؟ جب علم کا کوئی قابل اعتماد ذریعہ ان کے پاس نہیں۔ تو ان کی رائے بے وزن اور غلط ہی کہی جائے گی۔ اس سلسلہ میں ہمارے پاس اور دلائل بھی ہیں۔ مگر بخوف طوالت اُنھیں قلم انداز کرتے ہیں۔

---

# ضمیمہ (۲)

## حوآب کی کہانی

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ جب عازم بصرہ ہوئیں تو راستہ میں ایک مقام "حوآب" بھی آیا جہاں پانی بھی ملتا تھا۔ ممکن ہے کہ وہاں ام المومنینؓ اور ان کے لشکر نے کچھ دیر قیام بھی فرمایا ہو۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ عام طور پر قافلے اور لشکر استراحت یا پانی وغیرہ لینے کے لئے منازل پر قیام کیا ہی کرتے ہیں۔ مگر سبائیوں نے اس قیام کے بارے میں بھی ایک افسانہ تراش لیا۔

طبری نے ایک لمبی چوڑی روایت لکھی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس سفر

کے لئے ایک مخصوص اونٹ خریدا گیا تاکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس پر سفر فرمائیں۔ جس شخص سے اونٹ خریدا گیا وہ ایک اعرابی تھا۔ جس کا پتہ نشان کچھ معلوم نہیں۔ پھر اس کا یہ بیان نقل کیا کہ راستہ بتانے کے لئے بھی اسی کو ساتھ لیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جس وقت لشکر مقام "حوأب" پر پہونچا تو وہاں کے کتے بھونکنے لگے۔ ام المومنین علیہا السلام کے استفسار پر جب انھیں بتایا گیا کہ اس منزل کا نام " حوأب" ہے تو آں معظمہ نے فرمایا کہ مجھے واپس لے چلو۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک پر "حوأب" کے کتے بھونکیں گے۔ میں اس حدیث کا مصداق نہیں بنا چاہتی۔ روافض کی وضع کی ہوئی یہ جھوٹی کہانی اس قدر مشہور کی گئی کہ بعض سنی مورخین نے بھی اسے سچ سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ قصہ سرتاپا لغو اور جھوٹا ہے

باعتبار سند اس روایت کا حال یہ ہے کہ اس کا پہلا ہی راوی یعنی طبری کا شیخ اسماعیل بن موسیٰ الفزاری اس معاملہ میں ناقابل اعتماد ہے۔ تہذیب التہذیب میں اس کے متعلق ابن عدی سے منقول ہے کہ یہ شخص غالی شیعہ تھا۔ عبدان نقل کرتے ہیں کہ یہ سلف صالحین کو برا بھلا کہتا تھا۔ بعض درمیانی راوی مجہول ہیں اور سلسلہ روایت کی آخری کڑی جس پر خبر کی انتہا ہوتی ہے۔ ایک اعرابی ہے جس کا نام تک معلوم نہیں یعنی بالکل مجہول ہے۔ اسی کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ اس سے اونٹ خریدا گیا تھا۔ لیکن درحقیقت اس اعرابی کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اور یہ پوری حکایت پیروان ابن سبا کی گڑھی ہوئی ہے۔ ام المومنین علیہا السلام نے تو اس ناقہ پر سفر فرمایا تھا جو حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ ان کے لئے یمن سے لائے تھے۔ فقط

جلد ثانی ختم ہوئی

---

# الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

مکان نمبر ۳ - ۷ - ۱/اے - بلاک نمبر ۱ - ناظم آباد - کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۲۱۴۴۹ — ۶۲۷۸۴۰

## علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کی تالیفات

| | | قیمت |
|---|---|---|
| ۱ | شب برأت ایک تحقیقی جائزہ | ۸۰/- |
| ۲ | مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت حصہ اوّل | ۷۵/- |
| ۳ | 〃 〃 〃 〃 دوم | ۷۵/- |
| ۳ | 〃 〃 〃 〃 سوم | ۷۵/- |
| ۵ | 〃 〃 〃 〃 چہارم | ۷۵/- |
| ۶ | صحابہ کرامؓ قرآن کی نظر میں | ۶۵/- |
| ۷ | کیا ہمارا قرآن ایک ہے ؟ | ۵/- |
| ۸ | عقیدہ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں | ۳۵/- |
| ۹ | فاتحہ خلف الامام | ۱۵/- |
| ۱۰ | تحقیق عمر عائشہ رضؓ | ۱۲/- |
| ۱۱ | شب برأت کیا ہے ؟ | ۱۰/- |
| ۱۲ | عقیدہ ظہور مہدی | ۱۰/- |
| ۱۳ | کیا متعہ حلال ہے ؟ | ۵/- |
| ۱۴ | سماع حسن بصری | ۵/- |
| ۱۵ | اسلام میں حفظ مراتب | ۴/- |

## علامہ تمنا عمادی کی تالیفات

| | | قیمت |
|---|---|---|
| ۱ | اعجاز القرآن اور اختلاف قرأت | ۱۵۰/- |
| ۲ | امام زہری و امام طبری | ۸۵/- |
| ۳ | انتظار مہدی و مسیح | ۷۵/- |
| ۴ | جمع القرآن | ۷۵/- |
| ۵ | مذاکرہ | ۳۰/- |
| ۶ | وراثت اور کلالہ قرآن کی روشنی میں | زیر طبع |

## ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | شمع حقیقت | (قاضی محمد جمیل بہارت) | ۷۵/- |
| ۲ | قرآن آخری معجزہ | (نظام الدین خان) | ۱۶/- |
| ۳ | وراثت | (مقبول احمد سبنی) | ۱۲/- |
| ۴ | تصوف پر ہندوستانی اثر | (ڈاکٹر محمد عمر بہادر) | ۱۰/- |
| ۵ | اسلام اور تصوف | (جناب جاوید احمد غامدی) | ۱۰/- |
| ۶ | حقیقی اہل بیت رسول | (السید مفتی طاہر مکی) | ۸/- |
| ۷ | تقلید | (مولوی محمد بہارت) | ۴/- |
| ۸ | رسم جہیز | (محمد نیاز) | ۳/- |